تاریخ

(اختیاری)

نویں دسویں جماعتوں کے لیے

اردو مرکز لاہور
برائے
پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

تاریخ

(اختیاری)

نویں دسویں جماعتوں کے لیے

اُردو مرکز ۔ لاہور

برائے

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	تعداد اشاعت
اپریل ۱۹۷۵	اول	۳,۰۰۰

☆

تیار کردہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ و منظور کردہ
بورڈ آف انٹر میڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن لاہور، ملتان و سرگودھا
بطور سول ٹیکسٹ بک برائے جماعت نہم دہم

☆

مؤلفین
ڈاکٹر عنایت اللہ
و
مس راحت شیریں

☆

ناشر : بیگم ظہیر الدین احمد ، اردو مرکز ، لاہور
طابع : سید اظہار الحسن رضوی
مطبع : مطبع عالیہ ، ۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور

فہرست

حصہ اول

تاریخ پاکستان و ہند

حصہ دوم

اموی اور عباسی دور

عباسی عہد کا دوسرا دور

عباسی عہد کا تیسرا دور

عباسی عہد کا چوتھا دور

عباسی عہد کا پانچواں دور

نقشہ جات

☆ ☆ ☆


پاکستان وہند
طبعی
ہندوکش
درۂ خیبر
سلسلہ کوہ قراقرم
دریائے برہم پتر
کوہ ہمالیہ
چناب
راوی
ستلج
گنگا کا میدان
جمنا
گنگا
سلسلہ وندھیاچل
گوداوری
ساحل گولکنڈہ
مشرقی گھاٹ
ساحل کارومنڈل
ساحل مالابار
کاویری
بحیرۂ عرب
خلیج بنگال
سری لنکا
بحر ہند
18000 فٹ سے زیادہ
12000 فٹ سے 18000 تک
1500 فٹ سے 12000 فٹ
400 فٹ سے 1500 تک
سمندر

تاریخ

حصہ اول

تاریخ پاک و ہند

پہلا باب

برصغیر پاک و ہند کا تاریخی پس منظر

برصغیر پاک و ہند کے طبعی و جغرافیائی حالات

تاریخ اور جغرافیہ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ کسی ملک کے طبعی حالات، آب و ہوا، پہاڑ، میدان، دریا اور دیگر عناصر اس ملک کی تاریخ اور تہذیب و تمدن پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح برصغیر پاک و ہند کی تاریخ بھی اپنے جغرافیائی حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ برصغیر پاک و ہند خشکی کا ایک وسیع ٹکڑا ہے جس کے شمال، شمال مغرب اور شمال مشرق میں پہاڑ واقع ہیں اور باقی اطراف میں سمندر ہے۔ اس طرح یہ ملک ایک مضبوط قلعہ کی مانند ہے جو براعظم ایشیا کے تمام ملکوں سے علیٰحدہ ہے البتہ شمال مغربی پہاڑوں میں متعدد ایسے درے ہیں جن سے گزر کر مختلف اقوام پاک و ہند میں داخل ہوتی رہیں۔

برصغیر پاک و ہند کو تین بڑے قدرتی خطوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) پہاڑی علاقہ۔

(۲) گنگا و سندھ کا میدان۔

(۳) دکن اور جنوبی ہند۔

۱ - پہاڑی علاقہ

ملک کے شمال میں ہمالیہ کا پہاڑی علاقہ ہے - یہ پہاڑوں کا بلند سلسلہ ہے - ان اونچے پہاڑوں کی وجہ سے ملک ہمیشہ شمالی حملوں سے محفوظ رہا - ان کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ پاک و ہند کے تمام بڑے دریا انھیں پہاڑوں سے نکلتے ہیں - برصغیر کی پیداوار اور زرخیزی انھیں دریاؤں کی وجہ سے ہے ، نیز یہ پہاڑ شمال کی طرف سے آنے والی انتہائی سرد ہواؤں کو بھی روکتے ہیں - ان پہاڑوں کی مشہور وادیاں کشمیر ، کانگڑہ ، نیپال اور بھوٹان ہیں -

برصغیر کے صحت افزا مقامات مری ، شملہ ، ڈلہوزی وغیرہ اسی پہاڑی سلسلہ میں واقع ہیں - کوہ ہمالیہ کی مشرقی شاخیں ، کھاسیا لوشائی اور آسام وغیرہ کی پہاڑیاں ہیں - اگرچہ یہ بہت اونچی نہیں ، لیکن دشوار گزار ضرور ہیں - برصغیر کے شمال میں کوہ سلیمان ہے جس میں وسیع دّرے ہیں - یہی درّے ، برصغیر کو دنیا کے دوسرے ملکوں سے ملاتے ہیں - خشکی کی طرف سے جتنے بھی حملہ آور آئے وہ اِنھیں درّوں سے آئے - یہ درے خیبر ، کرم ، ٹوچی ، گومل اور بولان ہیں -

۲ - گنگا اور سندھ کا میدان

یہ میدان دنیا کے زرخیز ترین میدانوں میں شمار ہوتا ہے - یہ پنجاب سے لے کر بنگلہ دیش تک پھیلا ہوا ہے - اس میں سندھ ، پنجاب ، یوپی ، بہار اور بنگال کے علاقے شامل ہیں - یہ علاقے بڑے گنجان آباد ہیں - جب تاریخ پاک و ہند کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد انھیں علاقوں کی تاریخ ہوتی ہے - انھیں علاقوں میں عظیم حکومتیں بنیں - آریہ قوم بھی اسی علاقے میں آ کر آباد ہوئی -

گنگا و سندھ کے میدان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

(ا) شمال مغربی حصہ -

(ب) وسطی میدانی حصہ -

(ا) شمال مغربی حصہ

یہ علاقہ دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں سے سیراب ہوتا ہے - اس میں پنجاب، سندھ اور سرحد کے صوبے شامل ہیں - پاکستان ایک بہت بڑی تاریخی شاہراہ ہے اور اس پاک سر زمین کو تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ تمام حملہ آوروں نے جو شمال مغربی دروں سے گزر کر آئے پہلے اسی حصے میں قیام کیا - آریا لوگ بھی جب وسط ایشیا سے آئے تو یہیں آکر بس گئے - مسلسل جد و جہد کی وجہ سے یہاں کے لوگ بڑے جفاکش اور دلیر ہیں - شمال مغربی حصے کی تہذیب بھی بہت قدیم ہے اور آج سے تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پہلے یہاں بلند پایہ شہری تہذیب موجود تھی جسے وادیٔ سندھ کی تہذیب کہا جاتا ہے -

(ب) وسطی میدانی حصہ

یہ شمالی ہند پر مشتمل ہے - اس میں یو - پی، بہار اور بنگال کے علاقے شامل ہیں - اس میدان کو دریائے گنگا، جمنا، برہم پتر اور ان کے معاون دریا سیراب کرتے ہیں - یہ بڑا زرخیز اور گنجان آباد علاقہ ہے - آریا لوگ پنجاب سے بڑھتے ہوئے مستقل طور پر یہاں آباد ہو گئے اور اس حصے میں بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوتی رہیں -

۳ - دکن اور جنوبی ہند

شمالی ہند اور جنوبی ہند کے درمیان وندھیاچل اور ست پڑا کے پہاڑ ہیں - چونکہ یہ پہاڑ گھنے جنگلات سے ڈھکے ہوئے ہیں، اس لیے شمالی اور جنوبی ہند اکثر جدا جدا رہے اور شمالی ہند کے حکمرانوں نے دکن پر تسلط قائم کرنے کی کم کوشش کی - چند ایک موقعوں پر شمالی ہند کے حکمرانوں نے دکن فتح کیا لیکن وہ پوری طرح قبضہ برقرار نہ رکھ سکے - شمالی ہند سے دکن کی علیٰحدگی کی وجہ سے وہاں کی تہذیب مختلف رہی - ساحل کی موجودگی کی وجہ سے

جنوبی ہند کی بندرگاہیں تجارتی مراکز بن گئیں ۔ اس حصے میں بمبئی ، مدراس ، حیدر آباد ، میسور ، کوچین اور ٹراونکور کے علاقے شامل ہیں ۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب

وادیٔ سندھ سے مراد وہ علاقہ ہے جسے دریائے سندھ اور اس کے معاون دریا سیراب کرتے ہیں ۔ آج سے تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پہلے اس علاقے میں ایک متمدن قوم آباد تھی جس کی تہذیب اس علاقے کے طول و عرض میں جس پر آج کل پاکستان مشتمل ہے ، پھیلی ہوئی تھی ۔ اس کے نشانات ہڑپہ ضلع ساہیوال اور موئن جوڈرو ضلع لاڑکانہ میں پائے گئے ہیں ۔ ۱۹۳۲ء کے بعد آثار قدیمہ کے ماہرین نے ان شہروں کو اپنی نگرانی میں کھدوایا ۔ ان دونوں شہروں کے درمیان تقریباً چار سو میل کا فاصلہ ہے لیکن ان کی بناوٹ اور طرزِ تعمیر میں بہت حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے ۔ کھدائی کے ذریعے جو اشیا برآمد ہوئیں ان میں سب سے اہم ، شہروں کے کھنڈرات ہیں ۔ ان کھنڈرات میں شہر کی عمارات ، گلی کوچے ، بازار ، نالیاں اور حمام ، کافی حد تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ بے شمار دیگر اشیا مثلاً گندم ، جو کے ذخیرے ، کھجور کی گٹھلیاں ، انسانی اور پالتو جانوروں کے ڈھانچے ، سوتی کپڑا ، روئی کاتنے کے اوزار ، آلات جنگ ، کلہاڑی ، چاقو جو تانبے ، ٹین اور سیسے کے بنے ہوئے ہیں ، سونے چاندی کے زیورات ، مٹی اور تانبے کے برتن ، کھلونے ، مہریں ، مٹی اور دھاتوں کے مجسمے قابل ذکر ہیں ۔

ان کھنڈرات اور اشیا کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ آریاؤں کی آمد سے پہلے وادیِ سندھ میں ایک متمدن قوم آباد تھی ۔ وہ لوگ اس دور کی دوسری اقوام سے زیادہ ترقی یافتہ تھے ۔ ہڑپہ اور موئن جوڈرو کے کھنڈرات سے اندازا ہوتا ہے کہ دونوں شہر

خاصے گنجان آباد تھے - ان شہروں کو بڑی ہنر مندی اور مہارت سے تعمیر کیا گیا تھا - مکان پکی اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں - گھروں کے فرش بھی پختہ اینٹوں کے ہیں - گھروں میں تازہ ہوا اور روشنی کا معقول انتظام ہوتا تھا - مکانات کے نیچے تہ خانے بھی پائے گئے ہیں - ان تہہ خانوں میں بھی چھوٹے چھوٹے سوراخوں کے ذریعے روشنی اور ہوا کا بندوبست کیا گیا تھا - پانی کے نکاس کا بہترین انتظام تھا - دشمن کے حملے اور موسمی اثرات سے بچنے کے لیے بھی معقول انتظام تھا - یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس زمانے میں وادیٔ سندھ کے باشندے کون سی زبان بولتے تھے - دونوں شہروں میں بہت سی مہریں اور برتن ملے ہیں - مہروں پر کچھ تحریریں ثبت ہیں ، لیکن ابھی تک ان کا مطلب واضح نہیں ہو سکا - وادیٔ سندھ کے باشندوں کے عقائد اور مذہبی رسوم کے متعلق بھی کچھ زیادہ معلوم نہیں ہو سکا - اس معاشرے میں سرکاری قاعدوں اور ضابطوں کی بھرمار تھی - سرکاری افسر اکثر منڈیوں اور بازاروں میں جا کر باٹ تول اور پیمانوں کی جانچ کیا کرتے تھے -

لوگ کھیتی باڑی پر گزارہ کرتے تھے ، روئی ، گندم اور جو یہاں کی خاص پیداوار تھی - اناج کو سرکاری گوداموں میں جمع کیا جاتا تھا - پالتو جانوروں میں بیل ، گائے ، بھیڑ ، اونٹ اور ہاتھی قابل ذکر ہیں - آلات جنگ میں تانبے اور کانسی کے بنے ہوئے تیر کمان اور کلہاڑے استعمال ہوتے تھے - سونے ، چاندی اور کانسی کے زیورات کا استعمال عام تھا - قبرستان ، شہر سے کچھ فاصلے پر بنائے جاتے تھے -

آریا قوم

آریا قدیم زمانے میں وسط ایشیا میں آباد تھے - ان لوگوں کا رنگ گورا ، قد لمبا ، پیشانی کشادہ اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں -

دوسری قوموں کے مقابلے میں یہ لوگ کافی مہذب تھے - اپنی برتری جتانے کے لیے خود کو آریا یعنی "سفید فام" کہنے لگے -

آریوں کے اصلی وطن کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے - مگر صحیح ترین رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ برصغیر میں داخل ہونے سے پہلے یہ لوگ وسط ایشیا میں آباد تھے - یہاں سے نکل کر ان کا ایک گروہ یورپ کی طرف چلا گیا اور دوسرا گروہ ایران و ہندوستان پہنچا - آریوں کے وطن چھوڑنے کا صحیح سبب بھی معلوم نہیں ہو سکا - انھوں نے اپنا وطن شاید اس لیے چھوڑا تھا کہ ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ ان کا اس ملک میں گزارا مشکل ہوگیا یا پھر جغرافیائی تبدیلیوں کی وجہ سے ان کا ملک بنجر ہوگیا ہو اور انھیں نئی چراگاہوں کی تلاش میں وطن چھوڑنا پڑا ہو -

آریوں نے ۱۵۰۰ ق م میں پہلے پہل شمال مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب میں ڈیرے ڈالے - اس زمانے کے حالات زیادہ تر ان کی مذہبی کتابوں میں ملتے ہیں - وسط ایشیا سے مزید قافلوں کی آمد کی وجہ سے یہ لوگ پنجاب سے بڑھتے ہوئے گنگا اور جمنا کی وادیوں میں جا بسے اور وہاں انھوں نے اپنی کئی سلطنتیں قائم کرلیں - جنگوں میں ایسے جوہر دکھائے کہ مؤرخ اس زمانے کو "زمانۂ شجاعت" یا "رزمیہ عہد" کہتے ہیں - اس زمانے کے حالات آریوں کی جنگی نظموں (رامائن اور مہا بھارت) سے معلوم ہوتے ہیں - آہستہ آہستہ یہ لوگ سارے شمالی ہند میں پھیل گئے اور یہاں کے اصل باشندوں کو دکن کی طرف بھگانے میں کامیاب ہوگئے -

سیاسی زندگی

آریا لوگ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے - مختلف خاندان مل کر ایک قبیلہ بن جاتے - قبیلے کے سردار کو 'راجن' کہتے تھے - اکثر راجن ، موروثی ہوتے تھے - بعض قبائل، راجن کو منتخب بھی کرلیتے

تھے - راجن کا مرتبہ بہت بلند ہوتا تھا - حکومت کے کام میں اسے صلاح مشورہ دینے کے لیے دو مجلسیں ہوتی تھی - اس زمانے میں کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں تھے - حکومت کا کام چلانے کے لیے رعایا اپنی مرضی سے راجن کو آمدنی کا کچھ حصہ دیتی تھی - راجن کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ رعایا کی حفاظت کرے اور اس کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے - وہ جنگ کے دنوں میں فوج کی سپہ سالاری کرتا اور زمانۂ امن میں مقدمات کا فیصلہ کرتا - رزمیہ عہد میں جب آریا پورے شمالی ہند میں پھیل چکے تھے تو ملک کی سیاسی حالت میں بھی تبدیلی آئی - قبیلوں کی جگہ بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوگئیں - دیہات کی جگہ شہر آباد ہوگئے - نظام حکومت زیادہ پیچیدہ ہوگیا راجن کے اختیارات بھی بڑھ گئے - ٹیکسوں کی وصولی کے نظام کی ابتدا ہوئی اور پیداوار کے چھٹے حصے پر حکومت کا حق ہوگیا -

معاشرتی زندگی

قدیم آریوں کا طرز زندگی بڑا سادہ تھا - یہ لوگ عموماً گاؤں میں رہتے تھے اور خاندانی جھگڑوں کا فیصلہ کنبہ کے افراد مل کر کرلیتے تھے - اس وقت آریاؤں میں ذات پات کی تمیز نہ تھی - لڑکی کی پیدائش کو عموماً بُرا خیال کیا جاتا تھا مگر گھر کا تمام انتظام عورتوں کے سپرد تھا - عورتیں مذہبی فریضے میں مردوں کے ساتھ حصہ لیتی تھیں - ستی کا رواج نہیں تھا اور نہ ہی بچپن کی شادی کا - بیوہ کو دوبارہ شادی کرنے کی عام اجازت تھی - ایک آدمی کو ایک ہی شادی کا حق حاصل تھا مگر امرا کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی تھیں - آریوں کی پوشاک بھی بڑی سادہ تھی جو کہ عموماً سوت یا بھیڑوں کی اون سے تیار کی جاتی تھی - سونے چاندی کے زیورات کا استعمال بھی عام تھا - شراب ، جوئے کو ایک حد تک مذہبی حیثیت حاصل تھی - تیراندازی اور نیزہ بازی ان کے تفریحی مشاغل تھے -

زراعت اور کاشت کاری ان کا اہم پیشہ تھا - آریا لوگ زیادہ تر گندم اور جو کی کاشت کرتے تھے- مویشیوں کے ریوڑ بھی پالتے تھے-

رزمیہ عہد میں ان کی معاشرتی زندگی میں خاص تبدیلی یہ آئی کہ آریا چار ذاتوں میں بٹ گئے - برہمن مذہب کے اجارہ دار بن گئے - کھشتری ، حکومت کا انتظام اور بیرونی حملے سے ملک کی حفاظت کرتے - ویش ، کھیتی باڑی یا تجارت کرتے اور شودر دوسری ذاتوں کی خدمت کرتے تھے -

مذہب

قدیم آریوں کا مذہب بھی بڑا سادہ تھا - وہ مناظر فطرت کی پوجا کرتے تھے - وہ قدرت کی مختلف طاقتوں مثلاً سورج ، چاند ، آسمان ، ہوا ، آگ وغیرہ کو دیوتا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے - ان کے ہاں بت پرستی کا رواج نہیں تھا اور نہ ہی کوئی مندر تھے - وہ کھلے میدان میں مذہبی رسمیں ادا کرتے تھے - آریا لوگ دعا اور قربانی پر بہت زور دیتے تھے - اس سے وہ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرتے تھے - قربانی کا فریضہ صرف برہمن ہی انجام دے سکتے تھے - رزمیہ عہد میں مذہب کی وہ سادگی باقی نہ رہی - مذہبی رسومات اس قدر پیچیدہ ہوگئیں کہ صرف برہمن ہی انہیں ادا کر سکتے تھے -

گوتم بدھ اور بدھ مت

ہندو مت پیچیدہ رسومات کا مجموعہ بن کر رہ گیا تھا اور برہمنوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا - ان حالات میں کچھ سمجھ دار لوگ ایسے بھی تھے جو ان رسومات سے نفرت کرتے تھے- چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں دو نئے مذہبی فرقے ہندو مت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ، ایک جین مت اور دوسرا بدھ مت ، ان میں بدھ مت بہت مشہور ہے -

گوتم بُدھ

گوتم، کپل وستو کے راجا سدھو دھن کا بیٹا تھا جو ۵۶۳ ق ۔ م میں پیدا ہوا ۔ اس کا نام سدھارتھ رکھا گیا ۔ شہزادے کی تربیت عیش و عشرت کے ماحول میں ہوئی، لیکن وہ بچپن ہی سے غوروفکر میں مشغول رہتا تھا ۔ اس کے خیالات کو بدلنے کے لیے اس کی شادی ایک خوبصورت شہزادی سے کر دی گئی، لیکن شہزادے کی سوچ بچار میں کمی نہ آئی ۔ ایک دن وہ سیر و تفریح کے لیے نکلا تو اس کی نظر ایک کمزور بوڑھے پر پڑی جو لکڑی کے سہارے چل رہا تھا ۔ یہ دیکھ کر اسے بہت صدمہ ہوا ۔ پھر اس نے ایک بیمار کو دیکھا اور آخر میں اس کی نظر ایک مردے پر پڑی جس کو لوگ اٹھا کر لے جا رہے تھے ۔ بڑھاپا، بیماری اور موت کے دردناک مناظر دیکھ کر اس کا دل دُنیا سے اچاٹ ہو گیا ۔ اس نے محسوس کیا کہ دنیا دکھوں اور مصیبتوں کا گھر ہے ۔ شادی کے دس سال بعد اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا لیکن شہزادے کی سوچ میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ ۲۸ سال کی عمر میں گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں چلا گیا ۔

شروع میں گوتم بدھ نے برہمنوں سے تعلیم حاصل کی لیکن مطمئن نہ ہوا ۔ پھر چھے سال سخت ریاضت کی اور سوکھ کر کانٹا ہو گیا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ آخر وہ "گیا" میں بڑ کے ایک درخت کے نیچے سمادھی لگا کر بیٹھ گیا ۔ یہاں اسے محسوس ہوا کہ اسے حقیقت کا سراغ مل گیا ہے اور اس نے دنیا کے دکھوں سے بچنے اور سچی راحت حاصل کرنے کا طریقہ ڈھونڈ لیا ہے ۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ بنی نوع انسان سے محبت کرنے اور خواہشات نفسانی پر قابو پانے سے ہی نجات ہو سکتی ہے ۔ اس کے بعد وہ بدھ (ہدایت پایا ہوا) کہلانے لگا اور اس نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دی ۔ اس نے بدھ مت کے لیے تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھی، جس کے ارکان 'بھکشو' کہلاتے تھے ۔ انھوں نے اس مذہب کو خوب پھیلایا ۔ چونکہ

مہاتما بدھ کی تعلیمات بہت سادہ تھیں ، اس لیے بہت سے لوگ اس مذہب میں داخل ہو گئے - آخر ۸۰ سال کی عمر میں گوتم بدھ نے وفات پائی -

بدھ کی تعلیم کا خلاصہ چار باتوں پر مشتمل ہے

(۱) دنیا دکھوں کا گھر ہے - (۲) دکھ کی وجہ خواہشات ہیں - (۳) خواہشات کو مارنے سے دکھ مٹ سکتا ہے - (۴) خواہشات کو مارنے کےلیے آٹھ اصولوں والے راستے پر چلنا چاہیے جو مندرجہ ذیل ہیں :

پاکیزہ خیالات ، پاکیزہ گفتگو ، پاکیزہ ارادہ ، پاکیزہ اعمال ، پاکیزہ روزی ، پاکیزہ کوشش ، پاکیزہ دل ، پاکیزہ فکر ، ان اصولوں پر عمل کر کے انسانی زندگی ، نجات کا راستہ پالے گی اور اسے ابدی سکون ملے گا -

بدھ نے اہنسا کے اصول پر بہت زور دیا یعنی کسی جاندار کو مارنا سخت گناہ تھا - گوتم بدھ مسئلہ 'اواگون' اور مسئلہ 'کرم' کو بھی مانتا تھا یعنی موت کے بعد انسان کی روح اس وقت تک جسم بدلتی رہتی ہے جب تک تمام گناہوں سے پاک نہ ہو جائے - وہ اچھے یا برے عمل کے مطابق اچھے یا برے جسم میں منتقل ہوتی ہے - بدھ نے اخلاقیات پر بھی بہت زور دیا ہے - بدھ مت کی اشاعت میں سب سے بڑا حصہ راجا اشوک کا ہے - وہ بدھ مت کا پیرو کار بن گیا تھا - اس کے علاوہ کنشک اور ہرش بھی اس مذہب کی اشاعت میں سر گرمِ عمل رہے - بدھ مت ساتویں صدی تک ہندوستان کا اہم ترین مذہب رہا لیکن بعد میں ہندو مت کے مقابلے میں بتدریج کمزور ہوتا چلا گیا اور آخر کار تقریباً ختم ہو گیا -

پاکستان میں، کئی جگہ گوتم بدھ کے مجسمے اور عبادت گاہیں دریافت ہوئی ہیں ، جن سے پتا چلتا ہے کہ قدیم زمانے میں بدھ مت پاکستان کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا -

پاکستان میں مانسہرہ اور شہباز گڑھی کے مقام پر اشوک کے زمانے کے کتبے دریافت ہوئے ہیں جن پر بدھ مت کے اخلاقی اصول کندہ ہیں ۔ ملک کے اندر اس کے تبلیغی وفد کشمیر اور گندھارا تک بھیجے گئے ۔ اس طرح راجا کنشک کے زمانے کے گندھارا اور ٹیکسلا کے علاقوں میں گوتم بدھ کی تصاویر اور مجسمے ملے ہیں ۔ گندھارا کا علاقہ کابل ، قندھار ، پشاور پر مشتمل تھا ۔ اس کا مرکز پشاور تھا ۔ اس تمام علاقے میں مختلف تربیت گاہیں تھیں جن میں بدھ اور بدھ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بت تراشے جاتے تھے ۔ کنشک نے پرش پور(پشاور)میں عالیشان بودھ مندر تعمیر کروایا ۔ اس نے چار سو فٹ اونچا مینار بھی تعمیر کروایا جس کے قریب مہاتما بدھ کے آثار دفن کیے گئے ۔

سکندر اعظم

سکندر اعظم یونان کی ریاست مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس کا بیٹا تھا ۔ وہ بے پناہ قوت ارادی ، حوصلہ اور شجاعت کا مالک تھا ۔ وہ مشہور یونانی فلاسفر ارسطو کا شاگرد تھا ۔ اس نے بچپن ہی میں اپنی زندگی کا یہ مقصد بنا لیا تھا کہ وہ تمام دنیا کو فتح کرے گا ۔ ۳۲۶ ق ۔ م میں بیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوتے ہی اس نے ملک گیری شروع کر دی ۔ اس نے ایشیائے کوچک اور مصر فتح کرنے کے بعد ایرانی شہنشاہ دارا سوم کے ساتھ خونریز جنگ لڑی ۔ دارا کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا ۔ یہاں سے وہ افغانستان پہنچا اور پھر برصغیر پاک و ہند کا رخ کیا ۔

سکندر اعظم نے ۳۲۶ ق ۔ م میں پاک و ہند پر حملہ کیا ۔ اس وقت ہندوستان میں کوئی بڑی مرکزی حکومت موجود نہ تھی ۔ تمام ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا ۔ شمالی ہندوستان میں سب سے وسیع ریاست مگدھ کی تھی ۔ اس پر نندا خاندان کی حکمرانی تھی ۔

پنجاب بھی کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا جو آپس میں لڑتی رہتی تھیں - ان میں سے بڑی بڑی ریاستیں مندرجہ ذیل تھیں :

ٹیکسلا کی ریاست دریائے جہلم اور سندھ کے درمیان واقع تھی ، اس پر راجا امبھی حکومت کرتا تھا - پورس کی حکومت دریائے جہلم اور دریائے چناب کے درمیان تھی - راجا پورس مضبوط اور طاقتور حکمران تھا - سکندر اعظم سے اس کا مقابلہ ہوا - دریائے راوی سے مشرق کی طرف کتھوئی قبیلہ کی حکومت تھی اور ملتان کے گرد و نواح میں ملوئی قبیلہ حکومت کرتا تھا -

۳۲۶ ق - م میں سکندر اعظم نے اوہند کے مقام پر دریائے سندھ عبور کیا - ٹیکسلا کے راجا امبھی نے اس کا استقبال کیا اور اسے ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا - پھر سکندر اعظم راجا پورس کی طرف متوجہ ہوا - سکندر اعظم نے پورس کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کی اطاعت قبول کر لے، لیکن پورس نے انکار کردیا اور دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر خیمہ زن ہو گیا - مشرقی کنارے پر سکندر کی فوج نے ڈیرے ڈال دیے - دریا طغیانی پر تھا لیکن سکندر نے سولہ میل اوپر جا کر رات کی تاریکی میں دریا عبور کر کے اچانک حملہ کر دیا - پورس نے پہلے اپنے لڑکے کو راستہ روکنے کے لیے بھیجا مگر وہ ناکام رہا - باقی ماندہ یونانی فوج نے بھی دریا عبور کر کے زبردست حملہ کر دیا - بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی - پورس بہادری سے لڑا لیکن اسے شکست ہوئی اور وہ گرفتار کر لیا گیا - جب سکندر نے اس سے پوچھا کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے تو پورس نے جواب دیا ”جیسا ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ سے کرتا ہے“ - اس انوکھے لیکن باوقار جواب کو سن کر سکندر بہت خوش ہوا اور اس کا علاقہ اسے واپس کر دیا -

اس کے بعد سکندر نے مزید پیش قدمی کی - دریائے راوی کو پار کر کے کتھوئی قبیلے کو شکست دی - باقی قبائل نے اس کی اطاعت کرلی - اب وہ دریائے بیاس کے کنارے پہنچ گیا - اور اس کے سامنے مگدھ

کی عظیم سلطنت تھی لیکن فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا ۔ اس پر اس نے سندھ کے کنارے واپس پہنچ کر اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ درہ بولان سے گزر کر خشکی کے راستے اور دوسرا بحری راستے کے ذریعے روانہ ہو گیا ۔ سکند اعظم ۳۲۳ ق ۔ م میں عراق پہنچ کر بعارضہ بخار وفات پا گیا ۔

برصغیر پر سکندر اعظم کے حملے کے نتائج

اس حملے سے یورپ کے لوگوں کو برصغیر کے محل وقوع سے واقفیت ہو گئی ۔ یورپ اور برصغیر کے درمیان تین تجارتی راستے کھل گئے ۔ کئی یونانی عالم سکندر کے ساتھ آئے انھوں نے ہندوستان کے حالات قلمبند کیے ۔ اگرچہ ان کی تصانیف نایاب ہیں لیکن ان کی تحریروں کے حصے دوسرے مؤرخوں کی کتابوں میں ملتے ہیں ۔ بہت سے یونانی جو سکندر اعظم کے ساتھ آئے تھے یہیں رہ گئے ۔ ان میں بہت سے چابکدست سنگتراش تھے جنھوں نے بدھ کی زندگی کے واقعات کے مجسمے بنائے اور اس طرح ہندوستان کے فن تعمیر اور سنگ تراشی پر یونانیوں کا اثر ہوا ۔ سکندر اعظم نے کئی نئے شہر آباد کیے جو اس کی واپسی کے بعد بھی قائم رہے ۔ اس ملک کی تاریخ پر اس حملے کا ایک بڑا اثر یہ ہوا کہ پنجاب کے جنگ جو قبائل کمزور ہو گئے جنھیں چندر گپت موریا نے آسانی سے مغلوب کر کے شمالی ہند میں مضبوط حکومت قائم کر لی ۔

موریا خاندان ۳۲۲ ق م تا ۱۸۴ ق ۔ م

برصغیر میں پہلی وسیع اور طاقتور سلطنت موریا خاندان نے قائم کی ۔ اس خاندان کا بانی چندر گپت تھا، جسے تاریخ پاک وہند میں اعلیٰ مقام حاصل ہے ۔ اس کی ماں کا نام مورا تھا اس لیے وہ موریا کہلانے لگا ۔ چندر گپت موریا، کھشتری خاندان کا ایک فرد تھا ۔ وہ ریاست مگدھ کی فوجوں کا سپہ سالار تھا ۔ مگدھ کا حکمران رعایا میں مقبول

نہیں تھا۔ چندر گپت نے اس کے خلاف سازش کی جس کا انکشاف ہو گیا اور چندر گپت بھاگ کر ٹیکسلا جا پہنچا۔ سکندر اعظم کی وفات کے بعد برصغیر میں یونانیوں کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ چندر گپت نے اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر پہلے پنجاب اور پھر مگدھ کی ریاست کو فتح کر لیا۔ اس طرح اس نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی جگہ مضبوط مرکزی حکومت قائم کی۔

چندر گپت کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر سکندر اعظم کا ایک جرنیل سلیوکس (جو سکندر کی موت کے بعد ایشیائی علاقوں کا حکمران بن بیٹھا تھا) نے حملہ کر دیا، لیکن منہ کی کھائی اور اسے کابل، قندھار، ہرات کے علاقے چندر گپت کے حوالے کرنے پڑے۔ سلیوکس نے اپنی لڑکی چندر گپت سے بیاہ دی اور اپنا سفیر میگھستنیز بھی اس کے دربار میں بھیجا، جس نے چندر گپت کے عہد کے حالات اپنی کتاب 'انڈیکا' میں درج کیے ہیں۔ ان فتوحات سے چندر گپت کی شہرت میں اور اضافہ ہوا اور اس کی وسیع سلطنت میں شمالی برصغیر کے علاوہ افغانستان بھی شامل ہو گیا۔

چندر گپت نے بہتر نظام حکومت ترتیب دیا۔ تمام طاقت کا مرکز راجا ہوتا تھا۔ اس کے احکامات کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ راجا تمام ملکی معاملات کی خود نگرانی کرتا تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے واقعے کی اسے اطلاع مل جاتی تھی۔ وہ عوام کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

چندر گپت کی سلطنت کے چار صوبے تھے۔ ہر صوبے میں ایک گورنر ہوتا تھا۔ صوبوں کو ضلعوں اور دیہاتوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پیداوار کا چوتھا حصہ مالیہ مقرر کیا گیا۔ آب پاشی کے لیے نہریں اور تالاب بنائے گئے۔ شمالی ہند میں سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا۔ مقدمات کے فیصلے کے لیے پنچایت کے علاوہ عدالتیں بھی تھیں۔ سزائیں بہت سخت تھیں، اس لیے جرائم کم تھے۔ فوج کا انتظام بھی بہت عمدہ تھا جو کہ تیس اراکین کی ایک مجلس کے سپرد تھا۔ راجا

کی کل فوج سات لاکھ تھی - فوجی محکمے کی چھے شاخیں تھی - پیادہ فوج ، سوار فوج ، جنگی ہاتھی ، جنگی رتھ ، بحری فوج اور باربرداری کا عملہ ، چندر گپت کی سلطنت کا پایۂ تخت پاٹلی پتر تھا - یہ انتہائی خوبصورت شہر تھا - شہر کا انتظام چھے کمیٹیوں کے سپرد تھا - ہر کمیٹی کے ذمے الگ الگ فرائض تھے جن کی تفصیل یہ ہے :

(۱) صنعت و حرفت کی نگرانی اور مزدوروں کی دیکھ بھال (۲) مسافروں کے آرام و آسائش کا انتظام (۳) پیدائش و اموات کا ریکارڈ درج کرنا (۴) ماپ تول کی نگرانی اور لائسنس جاری کرنا (۵) دستکاریوں کا معائنہ (۶) بکری ٹیکس وصول کرنا -

چندر گپت نے چوبیس سال حکومت کی - اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بندوسارا تخت نشین ہوا - اس کے عہد میں بھی شاندار فتوحات ہوئیں - دکن کا علاقہ بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا - پچیس سال حکومت کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا اشوک حکمران بنا -

اشوک ۲۷۳ ق م تا ۲۳۲ ق م

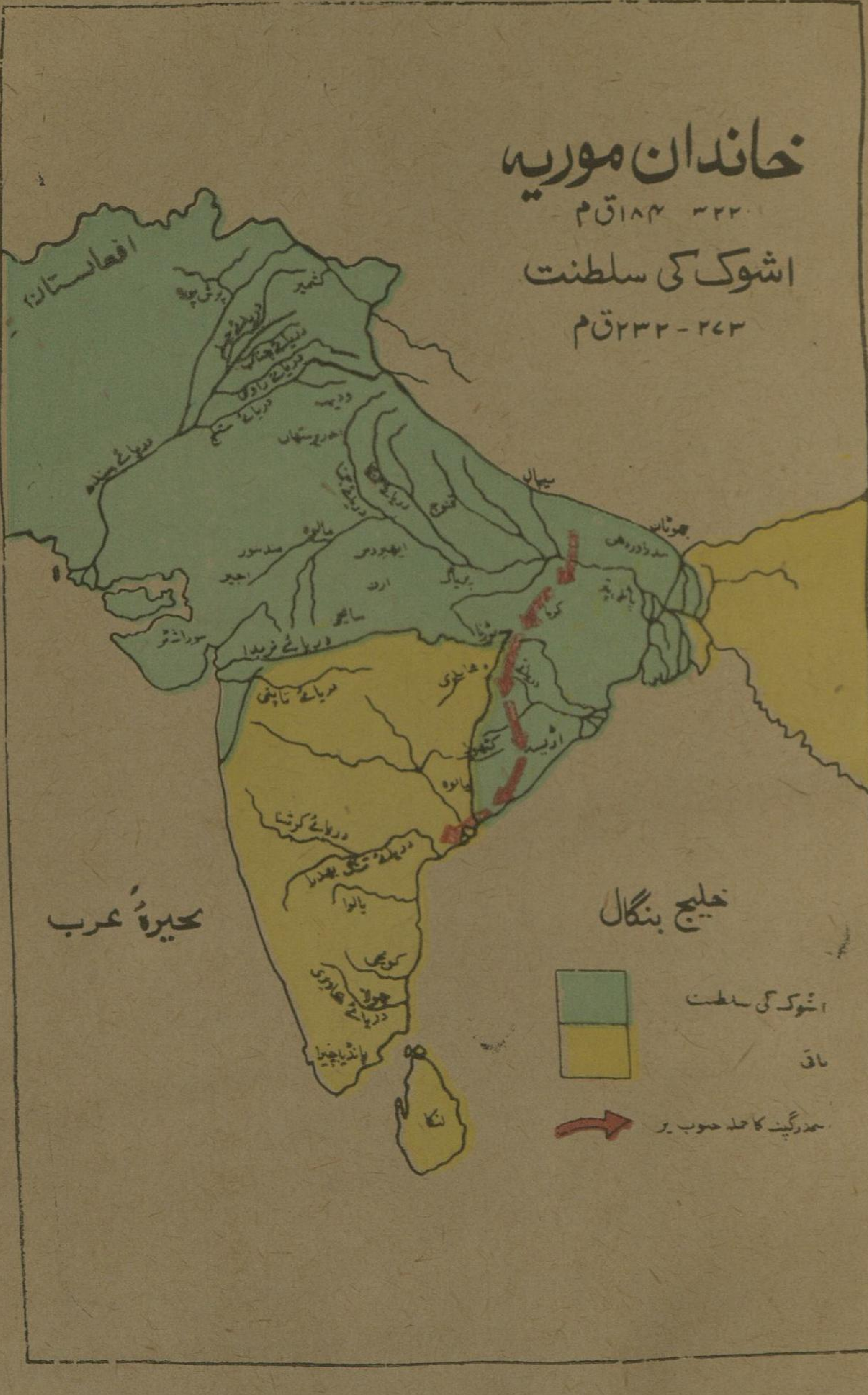
اشوک ، موریا خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ تصور کیا جاتا ہے - اس نے چالیس سال تک حکومت کی - اس کے زمانے کا سب سے مشہور واقعہ کالنگا کی لڑائی ہے لیکن اس کا نام تاریخ میں زیادہ تر بُدھ مت کی اشاعت کے لیے مشہور ہے - اشوک کی تخت نشینی کے وقت اس کی سلطنت بنگال سے لے کر افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی لیکن کالنگا کی مشہور ریاست (موجودہ اوڑیسہ) اس میں شامل نہ تھی - اس نے کالنگا پر حملہ کیا اور خونریز جنگ کے بعد فتح حاصل کی - اس لڑائی میں ایک لاکھ آدمی مارے گئے - ڈیڑھ لاکھ قیدی بنا لیے گئے اور اس سے کہیں زیادہ زخمی ہوئے - اس خونریزی اور ہلاکت و بربادی کا اشوک کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اسے لڑائی سے نفرت ہو گئی اور اس نے آیندہ جنگ سے توبہ کر لی - وہ بدھ مت کا پیرو کار

بن گیا اور اس نے باقی تمام زندگی بدھ مت اور رعایا کی خدمت میں گزار دی ۔

اشوک نیک نفس اور رعایا پرور حکمران تھا ۔ اس نے نرمی اور رحم دلی سے حکومت کی ۔ اشوک کہتا تھا کہ عوام میرے بچے ہیں اور ان کے باپ کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں دنیا اور آخرت میں ان کی بہتری کے لیے کوشش کروں ۔ وہ اپنے آپ کو رعایا کا خادم تصور کرتا تھا ۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر وقت اور ہر جگہ اسے رعایا کے حالات پہنچائے جائیں ۔ وہ غریبوں ، کمزوروں اور بوڑھوں کی پرورش شاہی خزانے سے کرتا تھا ۔ اس نے انسانوں اور جانوروں کو طبی امداد بہم پہنچانے کے لیے ہسپتال بنوائے ۔ مسافروں کے آرام کے لیے سڑکوں کے کنارے سایہ دار درخت لگوائے ۔ سرائیں بنوائیں اور کنویں کھدوائے ۔

اشوک بڑا پابندِ مذہب حکمران تھا ۔ وہ لوگوں کا کردار پاکیزہ بنانا چاہتا تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگ پرہیز گاری ، نیکی اور سچائی اختیار کریں ۔ اس نے تقویٰ ، سچائی اور محبت کا پرچار کرنے کے لیے چند اصول بنائے جنھیں 'دھرم' کہا جاتا ہے ۔ والدین کی اطاعت ، استاد کی عزت ، بڑوں کا ادب ، چھوٹوں سے محبت ، سچ بولنا ، جانداروں کو ایذا نہ پہنچانا ، جنگ و جدل سے نفرت اور تمام مذاہب کا احترام 'دھرم' کے اہم اصول تھے ۔

اشوک نے بدھ مت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے سرکاری افسر مقرر کیے جو لوگوں کو 'دھرم' کا پابند بناتے تھے ۔ اشوک نے بدھ مت کے تمام مقدس مقامات کی زیارت کی اور اس مقصد کے لیے مذہبی دورہ کیا ۔ اس نے بدھ مت کے اصولوں کو چٹانوں اور میناروں پر کندہ کرایا تاکہ آتے جاتے لوگ انھیں پڑھ سکیں ۔ اس نے بودھ عالموں کی ایک مجلس پاٹلی پتر میں بلوائی ، جس میں ہزارہا بدھ شریک ہوئے ۔ مہاراجا اشوک نے بدھ مت کی صرف زبانی تبلیغ ہی نہیں کی بلکہ ذاتی مثال پیش کی ۔ اس نے شکار و تفریح کے مشاغل ترکِ



خاندان موریہ
۳۲۲ - ۱۸۴ ق م
اشوک کی سلطنت
۲۷۳ - ۲۳۲ ق م
افغانستان
کشمیر
دریائے سندھ
نیپال
خلیج بنگال
بحیرۂ عرب
لنکا
اشوک کی سلطنت
باقی

کر دیے۔ غیر ممالک میں اس نے تبلیغی وفد بھیجے جو لنکا، برما، چین، ایران، مصر، شام اور یونان گئے۔ لنکا کا بادشاہ اور سب امراء بدھ مت کے پیرو کار بن گئے۔ اس طرح اشوک کی لگاتار کوششوں سے "بدھ مت"، برصغیر کا سب سے بڑا مذہب بن گیا اور ایشیا کے اکثر حصوں میں پھیل گیا۔ اس کارنامے کی بدولت اشوک کی شہرت کو چار چاند لگ گئے اور اسے تاریخ میں بڑا درجہ حاصل ہوا۔

اشوک کی موت کے بعد اس کے جانشین نااہل نکلے اس لیے موریا خاندان کو زوال آ گیا اور ۱۸۴ ق۔م میں موریا خاندان کے آخری حکمران کو فوج کے سپہ سالار نے قتل کر کے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

کشان خاندان

کشان، مغربی چین کی ایک خانہ بدوش قوم "یوچی" کی ایک شاخ تھی۔ کشان قبیلے نے یوچی قبائل کو اپنے ماتحت متحد کیا۔ پہلے اس قبیلے نے باختر میں حکومت قائم کی اور پھر کابل و قندھار کو فتح کر لیا۔

کنشک ۱۲۰ء تا ۱۲۶ء

کنشک اس خاندان کا تیسرا بڑا حکمران تھا۔ اس نے کشان حکومت کو بہت زیادہ وسعت دی۔ پہلے اس نے کشمیر کو فتح کیا، پھر وادیٔ سندھ اور مگدھ کا علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ اس کا سب سے شاندار کارنامہ، چین کی مہم ہے۔ پہلی مہم تو ناکام رہی لیکن دوسری بار اسے شاندار فتح ہوئی اور کاشغر، یار قند اور ختن کے علاقے اس کی حکومت میں شامل ہو گئے۔ اس کا دارالحکومت پرش پور (پشاور) تھا۔

کنشک بھی بدھ مت کا حامی تھا۔ اس نے بھی بدھ مت کی اشاعت میں سرگرم حصہ لیا اور وسط ایشیا، تبت اور چین میں تبلیغی وفد بھیجے۔ اس نے کشمیر میں بدھ مت کی چوتھی مجلس

منعقد کی جس میں بدھ مت کے اصولوں کے متعلق فیصلے ہوئے لیکن بدھ مت کے پیروکاروں کے مابین اختلافات ختم نہ ہوسکے اور بدھ مت کے پیروکار دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے -

کنشک نے علم و ادب کی بھی سرپرستی کی - اسے فن تعمیر اور سنگ تراشی سے گہرا لگاؤ تھا - اس نے یونانی سنگ تراشوں سے مہاتما بدھ کی نفیس مورتیاں بنوائیں - ان دنوں دریائے کابل اور دریائے سندھ کا درمیانی علاقہ جسے 'گندھارا' کہتے ہیں ، فن سنگ تراشی کا مرکز تھا - اس نے پشاور کو خوبصورت شہر بنایا - متھرا اور ٹیکسلا میں عمارات بنوائیں - کشمیر میں اپنے نام پر 'کنشک پورہ' بسایا - آج کل یہ 'کانشی پورہ' کے نام سے مشہور ہے - متھرا کے قریب کنشک کا پورا مجسمہ بھی ملا ہے - کنشک کے عہد میں تجارت کو بھی فروغ حاصل ہوا - کنشک کی وفات کے بعد اس کے جانشین اس کی چھوڑی ہوئی سلطنت کو نہ سنبھال سکے اور یہ سلطنت چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو گئی -

۳۲۰ء میں ایک نئے خاندان کا عہد شروع ہوا جس نے تھوڑے ہی عرصے میں شمالی ہند میں ایک مضبوط اور وسیع حکومت قائم کر لی - اس کو 'گپت خاندان' کہتے ہیں - اس خاندان کا بانی چندر گپت اول تھا - سمدر گپت اس خاندان کا دوسرا بڑا نامور حکمران ہو گزرا ہے - اس کے بعد چندر گپت دوم اور سکند گپت کا نام قابل ذکر ہے - ۴۶۸ء میں سکند گپت کی وفات پر گپت سلطنت ، ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی - اگرچہ اس خاندان کے شہزادے ساتویں صدی تک حکومت کرتے رہے لیکن ان کی حیثیت مگدھ کے مقامی حکمرانوں سے زیادہ نہ تھی - گپت خاندان کے سب حکمران ہندو مت کے پیروکار تھے اس لیے ان کے عہد میں ہندو مت کو عروج حاصل ہوا اور بدھ مت کو زوال آنا شروع ہو گیا -

ہن

ہن ، مشرقی ایشیا کی ایک وحشی ، خونخوار اور خانہ بدوش قوم تھی - یہ جہاں کہیں جاتے ، تباہی و بربادی پھیلاتے ، ہن قوم کی ایک شاخ نے یورپ کے ممالک کو تباہ کیا اور ان کی دوسری شاخ ۴۵۶ء میں برصغیر پر حملہ آور ہوئی - اس وقت گپت خاندان کا بادشاہ سکند گپت حکمران تھا - اس نے انہیں شکست فاش دی - اس کے بعد ، ہن حملہ آور ، آٹھ دس سال تک خاموش رہے اور گپت سلطنت سے ڈرتے رہے -

۴۶۶ء میں ہن حملہ آوروں نے دوبارہ اپنے سردار تورمان کی قیادت میں حملہ کیا - اس دفعہ وہ کامیاب ہوئے ، کیونکہ سکند گپت چند مشکلات کی وجہ سے ان کا مقابلہ نہ کر سکا - تورمان نے پنجاب ، راجپوتانہ اور سندھ پر قبضہ کر لیا - ۵۰۰ء میں اس نے مالوہ فتح کرکے مہاراج ادھیراج کا لقب اختیار کر لیا - ۵۰۲ء میں تورمان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مہرگل تخت نشین ہوا - اس نے سیالکوٹ کو اپنی حکومت کا پایۂ تخت بنایا ، لیکن یہ بے حد ظالم اور بے رحم تھا - اس کا پسندیدہ مشغلہ یہ تھا کہ وہ بلند چوٹیوں سے ہاتھی نیچے گراتا تھا - نیچے گرتے ہوئے ہاتھیوں کی خطرناک اور خوفناک چنگھاڑوں کو سن کر وہ بہت خوش ہوتا تھا - جب اس کے مظالم حد سے تجاوز کر گئے ، تو شمالی ہند کے چند راجاؤں اور رعایا نے مل کر ۵۲۸ء میں اسے شکست دی اور وہ کشمیر کی طرف بھاگ گیا - اس نے وہاں کے حاکم کو قتل کرکے کشمیر پر قبضہ کر لیا - آخر وہ وہیں مر گیا اور اس کی موت کے بعد ہنوں کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا -

ہن قوم کے حملے سے گپت سلطنت کا خاتمہ ہو گیا - تمام ملک میں بدامنی اور طوائف الملوکی پھیل گئی جو تقریباً ایک صدی تک رہی - اس قوم کے حملے نے بدھ مت کو بہت نقصان پہنچایا - ان کی

یادگاروں اور عمارتوں کو تباہ کر دیا گیا ۔ کثیر تعداد میں ہن اس ملک میں بس گئے اور یہاں کی آبادی میں ایک نئے عنصر کا اضافہ ہوا ۔ ہندوؤں نے ہنوں سے علیٰحدہ رہنے کے لیے ذات پات کی بندشیں زیادہ سخت کر دیں ۔

اس بدنظمی کے زمانے میں مشرقی پنجاب میں واقع تھانیسر کی ریاست کے راجا ہرش نے ۶۰۶ء میں تقریباً تمام شمالی ہند کو فتح کرکے ایک مضبوط حکومت قائم کرلی ، لیکن ۶۴۷ء میں اس کی وفات کے بعد ایک بار پھر مرکزی حکومت کا خاتمہ ہوگیا ۔

مسلم فتوحات کے وقت برصغیر پاک و ہند کی معاشرتی ، مذہبی اور سیاسی حالت

مسلمانوں کے حملے کے وقت ہندوستان میں بد نظمی ، افراتفری اور انتشار کا دور دورہ تھا ۔ زندگی کے ہر شعبے میں زوال کے آثار نمایاں تھے ۔

معاشرتی حالت

اس دور کے معاشرے کی تصویر بڑی تاریک ہے ۔ ہندوؤں کی چار بڑی بڑی ذاتیں تھیں ، جنھیں ایک دوسرے سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ یہ ذاتیں خود ہزاروں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹی ہوئی تھیں ۔ چھوت چھات کا عام رواج تھا ۔ یعنی اونچی ذات کے لوگ ، نیچی ذات کے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے پرہیز کرتے تھے اور اسے مذہباً بُرا سمجھتے تھے ۔ برہمن کا مقام سب سے بلند تھا ۔ مذہبی رسومات صرف برہمن ہی ادا کر سکتے تھے ۔ کھشتری ، بیرونی حملے کی صورت میں ملک کی حفاظت کرتے تھے ۔ تاجر اور زراعت پیشہ لوگ ویش کہلاتے ۔ ان تین ذاتوں کی خدمت کرنے والے شودر کہلائے ۔ اچھوت کو دیکھنا بھی مذہبی طور پر مکروہ خیال کیا جاتا تھا ۔ اگر کوئی اچھوت اتفاقیہ مقدس ویدوں کے الفاظ سن لیتا

تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا تھا ۔ غلاموں کی خرید و فروخت کا بھی رواج تھا ۔

ہندو معاشرے میں عورت کو حقیر خیال کیا جاتا تھا ۔ بچپن کی شادی عام تھی لیکن بیوہ ہو جانے کی صورت میں عورت دوسری شادی نہ کر سکتی تھی بلکہ اپنے خاوند کی چتا میں جل کر مر جاتی تھی ۔ عورت کو مقدس وید پڑھنے سے منع کر دیا گیا تھا ۔ وہ مذہبی رسومات میں بھی حصہ نہیں لے سکتی تھی ۔ معاشرے میں اونچے طبقے کے لوگ خوشحال تھے ۔ راجپوت شہزادے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ کھانا کھاتے وقت دستر خوان پر جو کچھ بچ جاتا تھا پھر نہیں کھایا جاتا تھا ، بلکہ پھینک دیا جاتا تھا ۔ لوگ عموماً سبزیاں اور دالیں کھاتے ، گوشت کھانا گناہ سمجھا جاتا تھا ۔ عام لوگ کپڑے بہت کم پہنتے تھے ۔ ناخنوں کو بڑھاتے چلے جاتے ۔ اکثر لوگ ناصاف رہتے اور بری عادتوں میں مبتلا تھے ۔ دھوکہ بازی اور جعلسازی کا بازار گرم تھا ۔ بوڑھے اور اپاہج افراد کو اجازت تھی کہ وہ آگ جلا کر اس میں جل مریں ، لیکن صرف نیچی ذاتوں میں یہ طریقہ تھا ۔ اگر برہمن یا کھشتری مرنا چاہتا تو وہ گنگا جمنا کے سنگھم پر بڑ کے درخت پر چڑھ کر دریا میں چھلانگ لگا دیتا ۔ برہمن یا کھشتری کو سزائے موت نہ دی جاتی تھی بلکہ ان کی املاک ضبط کر کے انہیں ملک سے باہر نکال دیا جاتا تھا ۔ اگر کسی نے رقم چوری کی ہوتی تو اسے اندھا کر دیا جاتا تھا ۔

ہندوؤں میں پڑھنے لکھنے کا کام صرف برہمنوں کے سپرد تھا ، اس لیے اکثر ہندو جاہل تھے ۔ البیرونی نے اپنی کتاب ”کتاب الہند“ میں لکھا ہے کہ ”ہندو علما کسی دوسری قوم کے فرد کو اپنا علم سکھانا مناسب خیال نہیں کرتے تھے اور نہ ہی خود دوسری قوموں کے علوم سے فائدہ اٹھاتے ۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے ملک کے باہر اور کوئی ملک نہیں ہے ۔ ان کی قوم جیسی کوئی قوم نہیں اور ان کے علم جیسا کوئی علم نہیں ۔ ان کے تکبر کا یہ حال تھا کہ اگر

کوئی ان سے ایران یا خراسان کے عالم کا ذکر کرتا تو وہ اسے جھوٹا اور جاہل سمجھتے"۔

الغرض مجموعی طور پر ہندوستان کی معاشرتی حالت انتہائی گھناؤنی تھی۔

مذہبی حالت

بدھ مت اور جین مت دونوں کو زوال آ چکا تھا اور ہندو مت ترقی کرنے لگا تھا کیونکہ اب اس مذہب میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو چکی تھیں، لیکن پھر بھی پیچیدہ رسومات عام تھیں۔ سارے ملک میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تھا۔ ہندو طرح طرح کے اوہام میں مبتلا تھے۔ بنگال و بہار میں بدھ مت کے پیرو کار کافی تعداد میں موجود تھے۔ سندھ کے ہندو حکمران، بدھ مت کے پیروکاروں پر بہت ظلم کرتے تھے۔

سیاسی حالت

مسلمانوں کے حملے کے وقت پاک و ہند کی سیاسی حالت تسلی بخش نہیں تھی۔ ۶۴۷ء میں مہاراجا ہرش کے مرتے ہی بد نظمی پھیل گئی تھی۔ ملک میں کوئی طاقتور حکمران نہ تھا۔ تمام ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ جن میں سے بیشتر پر راجپوت شہزادے حکمران تھے۔ اس لیے مسلم حکومت کے قائم ہونے تک کا زمانہ 'راجپوتوں کا دور' کہلاتا ہے۔ شمالی برصغیر میں راجپوتوں کی اہم ریاستیں مندرجہ ذیل تھیں:

دہلی و اجمیر، قنوج، گجرات کاٹھیاوار، اڑیسہ، میواڑ، مالوہ، پنجاب، بندھیل کھنڈ، بنگال و بہار اور کشمیر۔

ان ریاستوں کے حکمران آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ان حالات میں امن و خوشحالی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غرضیکہ ہر طرف بد امنی اور ابتری پھیلی ہوئی تھی۔

سوالات

(۱) برصغیر پاک و ہند کے طبعی حالات اس کی تاریخ پر کس طرح اثر انداز ہوئے ؟ وضاحت کیجیے -

(۲) وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب پر مختصر مگر جامع نوٹ لکھیے۔

(۳) آریا کون تھے ؟ وہ کب اور کیوں برصغیر میں آئے ؟ ان کے مذہب اور سیاسی و معاشرتی زندگی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟

(۴) گوتم بدھ کی زندگی اور تعلیمات بیان کیجیے -

(۵) برصغیر پر سکندر اعظم کے حملے کا حال تحریر کیجیے - اس حملے کے کیا نتائج برآمد ہوئے ؟

(۶) چندر گپت موریا کے حالاتِ زندگی اور نظام حکومت پر روشنی ڈالیے -

(۷) اشوک کو 'عظیم بادشاہ' مانا جاتا ہے - اس کی تشریح کیجیے- اس نے عوام کی بھلائی کے لیے کیا کیا کام کیے ؟

(۸) کنشک کی زندگی اور کارناموں کا حال بیان کیجیے-

(۹) ہن کون تھے ؟ ان کے حملوں کے واقعات اور نتائج قلمبند کیجیے -

(۱۰) مسلم فتوحات کے وقت برصغیر کی سیاسی ، معاشرتی اور مذہبی حالت کا مختصر خاکہ پیش کیجیے -

دوسرا باب

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد

طلوعِ اسلام

ساتویں صدی میں ملکِ عرب میں نور اسلام کی روشنی پھیلی۔ اسلام کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عرب کے مشہور شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ساری زندگی خدا ترسی، دیانت داری اور فرض شناسی کا اعلٰی نمونہ تھی۔ سب لوگ آپؐ کا احترام کرتے تھے۔ اس وقت اہل عرب بت پرست تھے اور ان میں کئی بری رسمیں پائی جاتی تھیں۔ آپؐ نے لوگوں کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا۔ لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی تلقین کی۔ انھیں نیکی، سچائی، صلح اور امن کا پیغام دیا۔ شروع میں کفار نے آپؐ کی مخالفت کی اور آپؐ کو اذیتیں بھی دیں۔ ۶۲۲ء میں آپؐ مدینہ کو ہجرت کر گئے۔ وہاں اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔ رفتہ رفتہ ساری مخالفتیں ختم ہو گئیں۔ دین اسلام لوگوں کے دلوں میں اتر گیا اور عربوں کی زندگی میں عظیم انقلاب آ گیا۔ آپؐ نے قبائلی عداوتوں اور نااتفاقی کو مٹا کر عربوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کیا۔ انھیں اخوت و مساوات کا درس دیا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں ہی تمام ملکِ عرب میں اسلام پھیل گیا۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں عراق، ایران، شام، مصر، فلسطین، موجودہ افغانستان اور شمالی افریقہ کے

علاقے فتح ہوئے اور وہ لوگ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے - خلفاء بنو امیہ کے زمانے میں مسلمانوں کی حکومت اور وسیع ہوتی چلی گئی - شمال مشرق میں اسلام کا پرچم چین کی حدود تک پہنچ گیا اور مغرب میں مسلمانوں نے ملک سپین بھی فتح کر لیا - اسی عہد میں مسلمان ، سر زمین پاک و ہند میں پہنچے -

عربوں اور ہندوؤں کے تعلقات

زمانۂ قدیم سے برصغیر پاک و ہند کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات قائم تھے - عرب تاجر برصغیر کے ساحل پر آتے اور یہاں کی قیمتی پیداوار کو مصر اور شام کے راستے یورپ تک پہنچاتے تھے - اس طرح بر صغیر کی پیداوار کو باہر لے جا کر عرب تاجروں نے برصغیر کی دولت و شہرت کو بڑھایا - یہ کام ہندوؤں کے بس کا نہ تھا ، کیونکہ ان میں جہاز رانی کا شوق نہ تھا اور ان کے مذہب میں سمندر کا سفر بھی منع تھا -

حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلم سلطنت تیزی کے ساتھ پھیلی - عربوں نے ساحل بمبئی کے قریب حملہ کیا ، لیکن حضرت عمرؓ نے مزید حملوں کو روک دیا - حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مکران فتح کر لیا گیا - مکران کی حد سندھ کے ساتھ ملتی تھی ، لیکن سندھ کو فتح کرنے کی کوشش نہ کی گئی ، کیونکہ سندھ کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ یہاں پانی کی کمی ہے اور پھل اچھے نہیں ہوتے - ڈاکوؤں کی کثرت ہے - تھوڑی فوج بھیجی تو قتل ہوجائے گی ، زیادہ بھیجی گئی تو بھوکوں مر جائے گی ، اس لیے اس طرف توجہ نہ دی گئی -

بنو امیہ کے زمانے میں فتوحات کا نیا دور شروع ہوا - امیر معاویہؓ کے زمانے میں سندھ کی سرحد پر کئی مقامات فتح کر لیے گئے - خلیفہ ولید کے زمانے میں عراق کے گورنر حجاج نے سندھ کی طرف توجہ دی -

فتح سندھ

سندھ پر اس وقت راجا داہر حکمران تھا۔ وہ مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا اور مسلم سلطنت کے باغیوں کو پناہ دیتا تھا۔ مسلمانوں نے ان سب حرکتوں کو برداشت کیا، لیکن جلد ہی ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جو فتح سندھ کا سبب بن گیا۔ لنکا کے راجا نے خلیفۂ اسلام کی خدمت میں تحفوں کے بھرے ہوئے جہاز بھیجے، ان جہازوں میں لنکا میں مقیم عرب تاجروں کی بیوائیں اور یتیم بچے بھی سوار تھے۔ جب یہ جہاز دیبل کی بندرگاہ کے پاس پہنچے تو بحری ڈاکوؤں نے ان جہازوں کو لوٹ کر عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ اس خبر سے عراق کے حاکم حجاج بن یوسف کو بہت دکھ ہوا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ سندھ کا راجا مجرموں کو سزا دے، قیدیوں کو رہا کرے اور لوٹا ہوا مال واپس بھیجے۔ راجا داہر نے جواب دیا کہ یہ سب کام بحری ڈاکوؤں کا ہے اور میرا ان پر کوئی زور نہیں۔ اس پر حجاج کو بڑا طیش آیا اور اس نے راجا داہر کو سبق سکھانے کے لیے سندھ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ سندھ پر حملہ کرنے کے لیے دو لشکر بھیجے گئے لیکن وہ ناکام واپس لوٹے۔ پھر پورے انتظام کے ساتھ ۷۱۱ء میں محمد بن قاسم کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا گیا۔ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت صرف سترہ برس تھی۔

دیبل کی فتح

محمد بن قاسم چھے ہزار سوار لے کر خشکی کے راستے دیبل پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا (دیبل سندھ کی مشہور بندرگاہ تھی جو موجودہ کراچی سے دس بارہ میل کے فاصلے پر تھی) کئی ماہ تک محاصرہ جاری رہا، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ بالآخر حجاج نے دیبل کا نقشہ منگوایا۔ اسے معلوم ہوا کہ شہر کے وسط میں ایک مندر ہے جس کے اوپر ہر وقت سرخ رنگ کا جھنڈا لہراتا رہتا ہے۔ حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ منجنیق سے اس جھنڈے کو نشانہ بنایا جائے۔ جھنڈے

کا گرنا تھا کہ ہندوؤں نے حوصلے ہار دیے اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے ۔

دیبل کی فتح کے بعد مسلمانوں کا لشکر دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف بڑھا اور نیرون ، سیوستان ، سیسم وغیرہ پر قابض ہو گیا ۔

راجا داہر سے مقابلہ

اسی اثنا میں خبر ملی کہ راجا داہر پچاس ہزار کا لشکر لے کر دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا ہے ۔ محمد بن قاسم نے ادھر کا رخ کیا اور دریا کے دوسرے کنارے پر ڈیرے ڈال دیے ۔ اس نے کشتیوں کا پل بنا کر دریائے سندھ عبور کر لیا ۔ راجا داہر کو شکست فاش ہوئی اور وہ مارا گیا ۔ اس کی فوج میدان چھوڑ کر برہمن آباد کی طرف بھاگ گئی ۔ محمد بن قاسم بھی وہاں پہنچا اور خونریز جنگ کے بعد برہمن آباد پر قبضہ کر لیا ۔ پھر محمد بن قاسم نے داہر کے بیٹے گوپی سے راوڑ کے مقام پر مقابلہ کیا اور یہ شہر بھی فتح کر لیا ۔

ملتان کی فتح

اس وقت ملتان ، سندھ کی حکومت میں شامل تھا ، چنانچہ جوان ہمت سپہ سالار اس کی طرف بڑھا ۔ ملتان کا شہر جنگی لحاظ سے تمام سندھ میں مشہور تھا ۔ محمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر ملتان پر حملہ کر دیا ۔ ہندو مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گئے ۔ محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور شہر میں رسد کی آمد و رفت بند کر دی ۔ ہندو شہر سے باہر آ کر لڑنے پر مجبور ہوئے ، مگر شکست کھائی اور یوں ملتان پر بھی محمد بن قاسم ۷۱۳ء میں قابض ہو گیا ۔

ملتان کی فتح سے سندھ کی فتح مکمل ہو گئی ۔ اب محمد بن قاسم کے سامنے پنجاب اور شمالی ہند کا علاقہ تھا ۔ اس کا ارادہ ان علاقوں کو فتح کرنے کا تھا ، لیکن اس کا یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ

بدقسمتی سے انتہائی عروج کے زمانے میں مسلمانوں میں نا اتفاقی شروع ہو گئی۔ خلیفہ ولید وفات پا گیا اور سلیمان تخت نشین ہوا۔ اسے حجاج بن یوسف سے پرانی عداوت تھی۔ حجاج تو مر چکا تھا لیکن اس نے اس کے خاندان سے انتقام لینے کی غرض سے محمد بن قاسم کو سندھ سے واپس بلا لیا۔

محمد بن قاسم ساڑھے تین برس سندھ میں رہا۔ اس نے فتوحات کے ساتھ ساتھ مفتوحہ علاقوں میں امن و امان قائم کیا۔ جن لوگوں نے اطاعت قبول کر لی، اُن سے شریفانہ برتاؤ کیا گیا۔ محمد بن قاسم نے سندھ کے باشندوں کے ساتھ بڑی شفقت اور فیاضی کا برتاؤ کیا۔ اس نے سندھ کا تمام انتظامِ حکومت انھیں کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ ہندوؤں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی کھلی اجازت دے دی۔ ان کے مندروں کا تمام خرچ اور پروہتوں کی تنخواہ سرکاری خزانے سے دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کی زمینیں اور جائدادیں ان کے اپنے قبضے میں ہی رہنے دیں۔

محمد بن قاسم کی رواداری کی وجہ سے خونخوار ڈاکو بھی اس کے مطیع ہو گئے۔ اس کے حسن سلوک نے سندھیوں کا دل موہ لیا۔ اس لیے جب محمد بن قاسم کو واپس بلایا گیا تو ہندو رعایا کو بہت قلق ہوا۔ بہت سے ہندو زار و قطار روئے۔ وہ اس قدر ہر دلعزیز تھا کہ اس کے جانے کے بعد ہندوؤں نے اس کا مجسمہ بنا کر مندروں میں رکھا اور پرستش شروع کر دی۔

تقریباً سوا سو سال کی حکومت کے بعد سندھ کا تعلق خلافت سے منقطع ہو گیا لیکن بعض عرب سردار پھر بھی یہاں حکومت کرتے رہے۔ اس باہمی تعلق سے اسلام پھیلا اور بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا، یہاں تک کہ سندھ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی۔

سوالات

(۱) فتح سندھ سے پہلے عربوں اور ہندوؤں کے تعلقات پر روشنی ڈالیے۔

(۲) محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ کی فتح کا حال بیان کیجیے۔ مسلمانوں نے سندھ کے ہندوؤں سے کیسا سلوک کیا ؟

تیسرا باب

سلطان محمود غزنوی

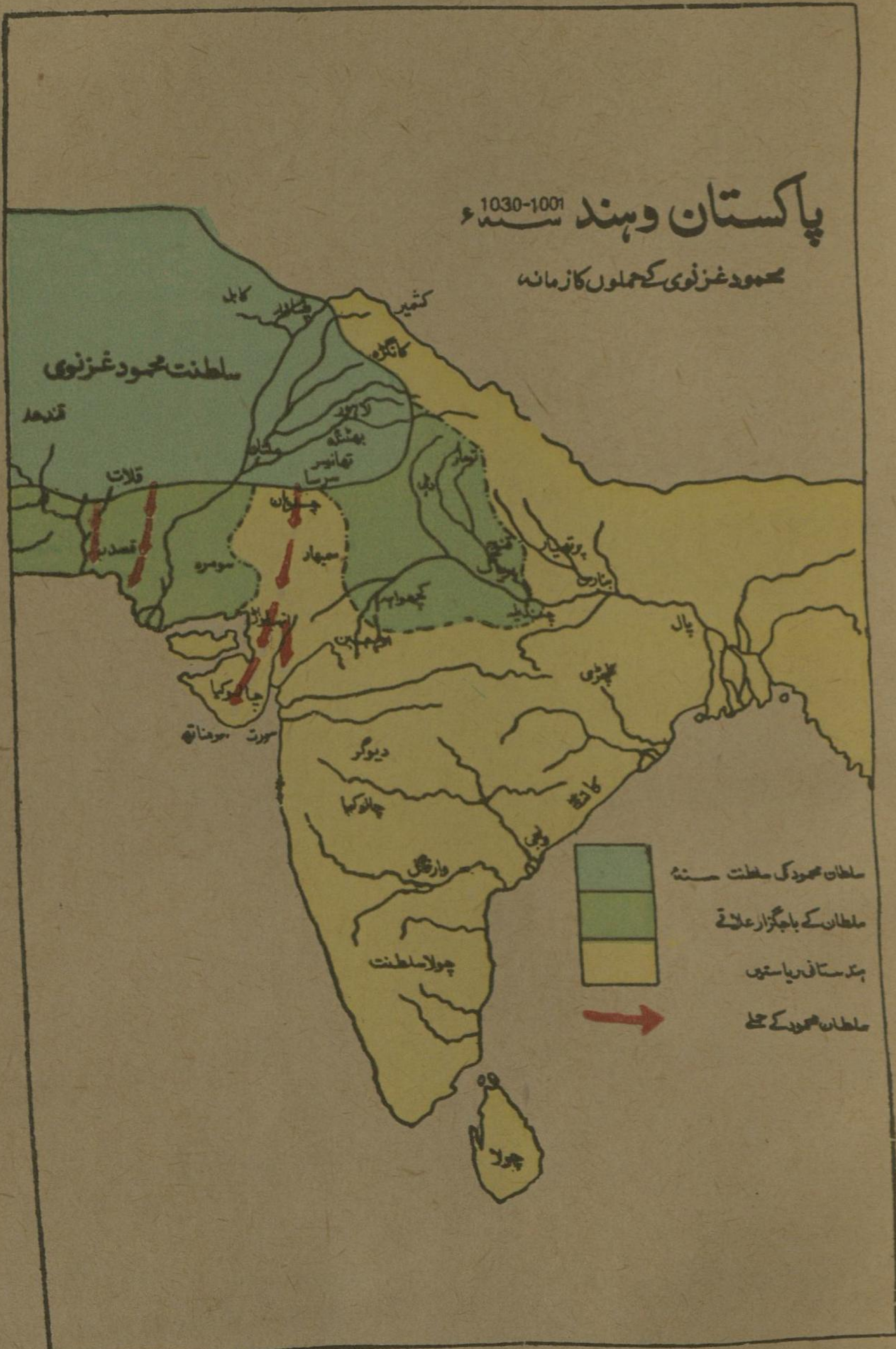
۹۹۸ء تا ۱۰۳۰ء

سندھ پر عربوں کے حملے کے تقریباً تین سو سال بعد تک مسلمانوں نے برصغیر پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ گیارھویں صدی کے شروع میں محمود غزنوی نے برصغیر پاک و ہند پر حملے شروع کیے۔ جب وہ اپنے باپ سبکتگین کے مرنے پر ۹۹۸ء میں تخت پر بیٹھا تو ایک چھوٹی سی ریاست غزنہ کا حاکم تھا، لیکن اس نے اس چھوٹی سی ریاست کو ایک وسیع اور عظیم الشان سلطنت میں تبدیل کر دیا۔

محمود بڑا بہادر، جانباز سپاہی اور زبردست فاتح تھا۔ اس نے ۱۰۰۱ء سے ۱۰۲۶ء تک برصغیر پر سترہ حملے کیے اور ہر بار پہلے سے بہتر انداز سے فتح حاصل کی۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ سکندر اعظم کی یاد دلاتا ہے۔

محمود غزنوی کے حملوں کی وجوہ

۱۔ پنجاب کے راجا جے پال کے ساتھ محمود کے باپ کے زمانے میں ہی چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی۔ راجا نے بغیر کسی وجہ کے سبکتگین پر حملہ کر دیا مگر شکست کھائی اور خراج دینے کا وعدہ کیا لیکن واپس آتے ہی مکر گیا۔ اس پر سبکتگین نے دوبارہ حملہ کیا اور دریائے سندھ تک تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ سبکتگین کے مرنے کے بعد بھی، محمود غزنوی کے ساتھ، جے پال نے ہی جنگ میں پہل کی۔



پاکستان وہند سنہ ء 1001-1030
محمود غزنوی کے حملوں کا زمانہ
سلطنت محمود غزنوی
کابل
کشمیر
کانگڑہ
قندھار
قلات
سومرہ
دیوگر
چالوکیا
ورنگل
چولا سلطنت
چولا
سورت
بنارس
پال
سلطان محمود کی سلطنت سنہ ء
سلطان کے باجگزار علاقے
ہندستانی ریاستیں
سلطان محمود کے حملے

۲ - شمالی ہندوستان کے راجے بھی مذہب کے نام پر جے پال کی مدد کرتے تھے اس لیے محمود ان کا زور بھی توڑنا چاہتا تھا -

۳ - محمود کے حملوں کی مذہبی وجہ بھی تھی - برصغیر بت پرستوں کا ملک تھا اور بت پرستی اسلام کے خلاف تھی - محمود اپنے سپاہیوں کو جہاد پر آمادہ کرتا اور کہتا کہ ہم کافروں کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں -

۴ - محمود قرامطہ کے فتنے کو دبانا چاہتا تھا (قرامطہ مسلمانوں کا فرقہ تھا جو اکثر اسلامی اصولوں کو نہیں مانتا تھا) یہ لوگ ملتان پر قابض تھے - جے پال اور اس کا بیٹا انند پال ان کی مدد کرتے تھے -

۵ - محمود کے حملوں کا مقصد برصغیر میں کوئی سلطنت قائم کرنا نہیں تھا - وہ وسط ایشیا کا عظیم حکمران بننا چاہتا تھا - اس مقصد کے لیے اسے دو چیزوں کی ضرورت تھی - پہلی شہرت اور دوسری دولت - یہ چیزیں اس نے برصغیر پر حملے کر کے حاصل کیں - برصغیر میں پے در پے فتوحات سے اسے شہرت حاصل ہوئی اور مندروں سے اسے بے شمار دولت ملی -

حملے

جے پال کے ساتھ جنگ ۱۰۰۱ء

پنجاب کے راجا جے پال نے، دریائے سندھ کے پار کے کھوئے ہوئے علاقے دوبارہ واپس لینے کی کوشش کی - محمود نے پشاور کے نزدیک اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا مگر بہت سی رقم لے کر اسے رہا کر دیا - جے پال بار بار کی بد عہدی اور شکست سے شرمندہ ہو کر چتا میں بیٹھ کر جل مرا اور اس کا بیٹا انند پال اس کا جانشین بنا -

انند پال کی شکست ۱۰۰۸ء

بد عہد باپ کا بیٹا بھی بد عہد نکلا ۔ اس نے شمالی ہند (دہلی قنوج ، کالنجر ، گوالیار) کے تمام ہندو راجاؤں کو ساتھ ملا لیا ۔ اس دفعہ سلطان محمود کے خلاف ہندوؤں میں اتنا جوش تھا کہ ہندو عورتوں نے اپنے زیورات تک اتار کر جنگ کے اخراجات میں دے دیے ۔ محمود مقابلے کے لیے آیا ۔ سخت خونریز جنگ کے بعد انند پال میدان جنگ سے بھاگ نکلا ۔ اس فتح سے محمود کی دھاک تمام ملک پر بیٹھ گئی ۔

یہاں سے بڑھتا ہوا سلطان محمود، نگر کوٹ تک جا پہنچا ۔ نگر کوٹ کی ریاست میں جالندھر ، کانگڑا اور ہوشیار پور کا علاقہ شامل تھا ۔ ہندوؤں نے اس علاقے کو محمود کے خلاف سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا تھا ، اس لیے محمود نے یہاں حملہ کیا اور بے پناہ مال غنیمت لے کر واپس غزنی لوٹ گیا ۔ سلطان نے ۱۰۱۱ء میں ملتان فتح کر کے غزنوی سلطنت میں شامل کر لیا ۔ اس کے بعد محمود نے بٹھنڈہ ، تھانیسر ، کشمیر ، قنوج اور کالنجر پر یکے بعد دیگرے حملے کیے اور فتح حاصل کی ۔

پنجاب کی مکمل فتح ۱۰۲۱ء

انند پال جب تک زندہ رہا اس نے سلطان کی مخالفت نہ کی مگر اس کی وفات کے بعد جب تری لوچن پال تخت نشین ہوا تو اس نے سلطان کی دوبارہ مخالفت شروع کر دی ۔ اس کے خلاف سلطان کو دو دفعہ فوج کشی کرنا پڑی ۔

پنجاب کے ہندو حکمران محمود کے لیے مشکلات کا باعث بنے ہوئے تھے ۔ اس لیے محمود نے فیصلہ کر لیا کہ وہ پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کرے گا ، چنانچہ ۱۰۲۱ء میں محمود نے پنجاب کو فتح کر کے اسے سلطنت غزنہ میں شامل کر لیا ۔ اس طرح پنجاب کی ہندو شاہی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ۔

سومنات پر حملہ ۱۰۲۵ء

محمود کا آخری بڑا حملہ سومنات، پر تھا۔ سومنات، ہندوؤں کا سب سے متبرک، مالدار اور اہم ترین مندر تھا۔ محمود کے خلاف راجپوت راجے حملہ کرنے کا منصوبہ اسی مندر میں تیار کرتے تھے۔ مندر کے پجاری بھی اس سازش میں حصہ لیتے۔ محمود نے مناسب سمجھا کہ فساد کی جڑ ہی اکھاڑ دی جائے۔ چنانچہ ۱۰۲۵ء میں اس نے سومنات پر حملہ کیا۔ یہ اس کا مشہور ترین حملہ تھا۔ مندر کی حفاظت کے لیے پچاس ہزار سپاہی موجود تھے۔ تین دن گھمسان کی لڑائی ہوئی، مگر فتح محمود کو ہوئی۔ اس نے مندر میں داخل ہو کر بت توڑ ڈالا۔ یہاں سے اسے بے شمار زر و جواہر ملے اور وہ یہ سب دولت سمیٹ کر غزنی چلا گیا۔ اس حملے کے پانچ سال بعد محمود نے ۱۰۳۰ء میں وفات پائی۔

محمود کے حملوں کے اثرات

محمود بجلی کی سی سرعت کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں نمودار ہوتا اور ہندو راجاؤں کو شکست دے کر واپس چلا جاتا۔ اس نے برصغیر میں کوئی مستقل سلطنت قائم نہیں کی۔ صرف پنجاب اور ملتان کو سلطنتِ غزنہ میں شامل کیا۔ اس طرح اس علاقے کے ایک بڑے حصے پر جو آج کل پاکستان میں شامل ہے، غزنوی حکومت قائم ہو گئی اور اس علاقے کا وسط ایشیا کے ممالک سے رابطہ قائم ہو گیا۔ محمود نے لاہور کو پنجاب کا دارالحکومت بنایا اور اپنے غلام ایاز کو یہاں کا گورنر مقرر کیا۔ غزنی سے کئی اہل علم یہاں آ کر آباد ہوئے۔ ان کے فیض سے یہ شہر اسلامی علوم اور مذہب اسلام کی اشاعت کا مرکز بن گیا۔ محمود غزنوی کے پے در پے حملوں کی وجہ سے شمالی ہندوستان کے راجے کمزور ہو گئے، اس لیے مسلمان حملہ آوروں کے لیے شمال مغربی دروں کے راستے برصغیر کی فتح کا راستہ ہموار ہو گیا۔ بعد میں محمد غوری جیسے فاتح یہاں آئے اور

مسلم سلطنت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوئے۔

کردار

محمود کا مقام تاریخ میں بحیثیت فاتح بہت بلند ہے۔ وہ ایک عظیم الشان جرنیل اور نڈر سپاہی تھا۔ پوری زندگی اسے کبھی شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ میدان جنگ میں ہمیشہ اگلی صفوں میں خود لڑتا تھا۔ اس کے عزم کو دیکھ کر اس کے سپاہیوں کے حوصلے بھی بڑھ جاتے تھے۔ اس کے جسم پر زخموں کے متعدد نشان تھے۔ مسلم ممالک میں وہ مجاہد اور غازی مشہور تھا۔

محمود بہت خوش خلق، بلند ہمت، محنتی اور جفاکش انسان تھا۔ اسے اپنے مذہب سے بڑی محبت تھی۔ وہ نماز، روزے کا پابند تھا اور مذہبی رواداری کا قائل تھا۔ اس نے ہندوؤں سے بڑی نرمی اور محبت کا سلوک کیا۔ اس کی فوج میں دس ہزار ہندو سپاہی تھے اور تلک نامی ایک ہندو اس کی فوج کے ایک دستے کا سالار تھا۔

محمود ایک لائق اور انصاف پسند حکمران تھا۔ حکومت کے تمام شعبے اس کی نگرانی میں تھے۔ اس کے زمانے میں خفیہ پولیس اور ڈاک کا اچھا انتظام تھا۔ عدل و انصاف کا اسے بہت خیال تھا۔ ایک دفعہ ایک بڑھیا نے شکایت کی کہ فلاں دور دراز علاقے میں اس کے کنبے پر ظلم کیا گیا۔ محمود نے کہا کہ وہ علاقہ یہاں سے بہت دور ہے اور وہ وہاں کیا کر سکتا ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ اگر آپ اس علاقے کا انتظام نہیں کر سکتے تو اسے اپنے قبضہ میں کیوں لے رکھا ہے؟ اس پر سلطان لا جواب ہو گیا لیکن بڑھیا کا جواب سلطان کو بہت پسند آیا اور اس نے بڑھیا کی شکایت دور کر دی۔

محمود غزنوی نے علم و ادب کی بھی سرپرستی کی۔ وہ خود ایک عالم تھا اور علما و فضلا کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس کے دربار میں بہت سے عالم جمع رہتے جن میں مشہور مؤرخ عتبی،

مشہور شاعر فردوسی اور سنسکرت زبان کا ماہر البیرونی شامل تھے۔ محمود نے اپنے دارالحکومت غزنی میں ایک کالج ، ایک لائبریری اور ایک عجائب گھر بنوایا ۔ اس نے وہاں عالیشان محلات اور مسجدیں بھی تعمیر کروائیں جس سے غزنی نہایت خوبصورت شہر بن گیا ۔

البیرونی

ابو ریحان البیرونی ۹۷۳ء کے قریب ایک گاؤں بیرون میں پیدا ہوا ، اس وجہ سے ''بیرونی'' کہلانے لگا ۔ اس نے چالیس سے زیادہ سال علوم سیکھنے میں صرف کیے ۔ وہ علمِ نجوم ، ریاضی ، فلسفہ ، تاریخ و جغرافیہ میں بڑا ماہر تھا ۔ اسے عربی ، ترکی ، یونانی اور سنسکرت زبانوں پر پورا پورا عبور حاصل تھا ۔ سلطان محمود کے زمانے میں البیرونی پنجاب میں آیا اور کئی سال یہاں رہ کر ہندو تہذیب کا مطالعہ کرتا رہا ۔ اس نے ہندوؤں کے طرزِ معاشرت پر ایک عالمانہ کتاب لکھی جس کا نام ''کتاب الہند'' ہے ۔ اس کتاب کے کل ۸۰ باب ہیں اور ان میں تفصیل کے ساتھ برصغیر پاک و ہند کے جغرافیہ ، ادب ، فلسفہ ، رسم و رواج اور قوانین کا بیان ہے ۔ اس طرح یہ کتاب اس زمانے کی تاریخ کا ایک مفید ماخذ ہے ۔ البیرونی نے ۷۵ سال کی عمر میں ایک سو چودہ سے زیادہ علمی کتابیں لکھنے کے بعد وفات پائی ۔

لاہور

غزنویوں کے عہد میں لاہور شہر علم و ادب کا مرکز بن گیا ۔ سلطان ابراہیم غزنوی کا عہد ، لاہور کی علمی اور ثقافتی ترقی کا سنہری دور تھا ۔ ابراہیم کے ایک وزیر ابو نصر نے یہاں ایک خانقاہ قائم کی جس کی شہرت وسط ایشیا ، ایران اور عراق تک تھی اور وہاں سے علما و طلبا یہاں آتے تھے ۔ مسعود سعد سلیمان ، لاہور کا

پہلا فارسی شاعر تھا ۔ اس کا تعلق دربار لاہور سے تھا ۔ اس نے لاہور کی تعریف میں بہت اشعار لکھے ہیں ۔

صوفی مبلغ حضرت اسماعیل بخاری ۱۰۰۵ء میں لاہور آئے اور تبلیغ اسلام شروع کی ۔ محمود غزنوی کے جانشین مسعود کے زمانے میں حضرت داتا گنج بخش، پنجاب میں تشریف لائے اور انھوں نے لاہور کو اپنا مرکز بنا کر اشاعتِ اسلام کا مقدس فرض ادا کیا ۔

غزنی کی تباہی کے بعد شعرا و فضلا نے لاہور میں پناہ لے لی جس سے اس شہر کی ادبی و ثقافتی ترقی میں بڑا اضافہ ہو گیا۔

سوالات

(۱) سلطان محمود غزنوی کے حملوں کی وجوہات اور اس کے اہم حملوں کا حال قلم بند کیجیے ۔ ان حملوں کے کیا اثرات برآمد ہوئے ؟

(۲) سلطان محمود غزنوی کا کردار اور اس کی سر پرستی میں علم و ادب کی ترقی کا حال بیان کیجیے ۔

(۳) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :

(ا) سومنات ۔

(ب) البیرونی ۔

(ج) غزنوی عہد کا لاہور ۔

چوتھا باب

شہاب الدین محمد غوری

محمد غوری ، ریاست غور (غزنی اور ہرات کے درمیان پہاڑی علاقہ) کے بادشاہ غیاث الدین کا چھوٹا بھائی تھا ۔ غیاث الدین نے غزنی کی سلطنت پر قبضہ کر کے اسے محمد غوری کے حوالے کر دیا ۔

محمد غوری نے غزنی کی حکومت سنبھالتے ہی محمود غزنوی کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا ۔ پہلے غزنی میں اپنی حکومت مضبوط کی ۔ پھر برصغیر پاک و ہند کا رخ کیا جہاں اس نے مستقل مسلم حکومت قائم کی ۔ اس لیے محمد غوری کو برصغیر پاک و ہند میں مسلم حکومت کا بانی کہا جاتا ہے ۔

محمد غوری نے ۱۱۷۵ء میں ملتان فتح کیا ۔ تین سال بعد ملتان اور اچ کے رستے تھر کا صحرا عبور کر کے گجرات ، کاٹھیاوار جا پہنچا ، لیکن گجرات کے راجا نے اسے شکست دی ، تاہم ملتان اور سندھ پر اس کا مکمل قبضہ ہو گیا ۔ اس ناکامی کے بعد محمد غوری نے اپنی مہمات کا رخ بدل لیا اور اس نے لاہور کی غزنوی حکومت سے مقابلہ کرنے کا عزم کیا ۔ ان دنوں پنجاب پر آخری غزنوی حکمران خسرو ملک کی حکومت تھی ۔ محمد غوری نے پہلے پشاور اور سیالکوٹ پر قبضہ کیا اور پھر لاہور پر فوج کشی کی ۔ خسرو ملک گرفتار ہوا اور ۱۱۸۶ء میں لاہور پر محمد غوری کا قبضہ ہو گیا ۔ اس طرح غزنویوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور پنجاب

اور سندھ پر محمد غوری کی حکومت قائم ہو گئی ۔

محمد غوری اپنی ان کامیابیوں سے قطعاً مطمئن نہ تھا کیونکہ وہ سارا شمالی برصغیر فتح کر کے یہاں ایک طاقتور مسلم سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا ، اس لیے محمد غوری ان علاقوں کو جو آج کل پاکستان میں شامل ہیں، فتح کرنے کے بعد دہلی کی جانب بڑھا ۔

ترائن کی پہلی لڑائی ۱۱۹۱ء

دہلی اور اجمیر کا راجا پرتھوی راج بہت جنگجو اور بہادر تھا ۔ محمد غوری کے حملے کے وقت وہ شمالی ہند میں سب سے زیادہ طاقتور راجپوت حکمران تھا ۔ محمد غوری نے پہلے بٹھنڈہ فتح کیا۔یہ علاقہ پرتھوی راج کی سلطنت کا حصہ تھا ۔ پرتھوی راج نے شمالی ہند کے ہندو راجاؤں کو ساتھ ملایا اور مقابلے کے لیے بڑھا ۔ محمد غوری اس وقت لاہور واپس آ رہا تھا ، لیکن پرتھوی راج کی آمد کی خبر سن کر بغیر تیاری کے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا ۔ ترائن کے میدان میں خونریز جنگ ہوئی ۔ فوج کم ہونے کے باوجود محمد غوری نے بہادری سے مقابلہ کیا ، لیکن اس کی فوج منتشر ہو گئی ۔ وہ خود شدید زخمی ہو گیا اور ایک خلجی سوار نے اس کی جان بچائی ۔

ترائن کی دوسری لڑائی ۱۱۹۲ء

سلطان کو ترائن کی پہلی لڑائی میں شکست کا شدید احساس تھا ، اس لیے وہ اگلے سال تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوا ۔ پرتھوی راج کی فوج کی تعداد تین لاکھ تھی اور اس کی فوج میں ایک سو پچاس راجپوت راجے بھی شامل تھے ۔ ترائن کے میدان میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں پرتھوی راج کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا ۔ یہ جنگ ایک فیصلہ کُن جنگ تھی ۔ اس سے راجپوتوں کا زور ٹوٹ گیا اور برصغیر میں آیندہ مسلم فتوحات کے لیے راستہ صاف ہو گیا ۔

۱۱۹۴ء میں محمد غوری نے قنوج اور بنارس کے حکمرانوں کو شکست دی ۔ اس طرح ہندوؤں کی مزاحمت بالکل ختم ہو گئی اور بنگال و بہار کی فتح کے لیے راستہ ہموار ہو گیا ۔

محمد غوری نے قطب الدین ایبک کو برصغیر کے فتح کیے ہوئے علاقوں کا گورنر بنایا اور خود غزنی واپس چلا گیا ۔

محمد بن بختیار خلجی

بنگال و بہار کی فتح

محمد بن بختیار خلجی ، محمد غوری کا غلام تھا ۔ وہ اودھ کے صوبے دار کے پاس معمولی ملازم تھا اور اسے دو پرگنے عطا کیے گئے تھے ، جن کی آمدنی سے اس نے خلجی سواروں کی فوج تیار کی ۔ پہلے اس نے بہار پر چڑھائی کی ۔ یہاں کا راجا بزدل تھا ۔ وہ بغیر لڑے ہی بھاگ گیا اور اس کی رعایا کی اکثریت نے جو کہ بدھ مت کی پیروکار تھی ، بغیر لڑے اطاعت قبول کر لی ۔

بہار کی فتح سے محمد بن بختیار خلجی کا حوصلہ بڑھا اور وہ سواروں کے ایک دستے کے ساتھ بنگال روانہ ہوا ۔ وہ اس تیزی سے آگے بڑھا کہ دارالحکومت ندیا کے قریب پہنچنے پر اس کے ہمراہ صرف اٹھارہ سوار تھے ۔ یہ لوگ شہر میں داخل ہو گئے اور شاہی محل کے محافظوں کو تہ تیغ کر کے اندر گھس گئے ۔ یہ دیکھ کر راجا گھبرا کر ننگے پاؤں بھاگ نکلا ۔ اس دوران باقی مسلم سپاہی بھی پہنچ گئے اور انھوں نے دارالحکومت پر آسانی سے قبضہ کر لیا ۔ بنگال و بہار کی فتح کے بعد محمد بن بختیار خلجی نے آسام کو فتح کر لیا پھر تبت پر چڑھائی کی ، مگر موسم کی خرابی اور دشوار گزار راستوں کی وجہ سے اسے کامیابی نہ ہو سکی ۔ اس طرح برصغیر پاک و ہند کے شمالی حصے میں مسلم سلطنت قائم ہو گئی ۔

۱۲۰۶ء میں پنجاب کے جنگجو 'کھوکھر' قبائل نے بغاوت کر دی - محمد غوری نے غزنی سے آ کر اس بغاوت کو کچلا ، لیکن واپسی پر کھوکھر قوم کے ایک فرد نے اسے جہلم کے قریب اس کے خیمے میں داخل ہو کر قتل کر دیا -

برصغیر پاک وہند کی مسلم تاریخ میں محمد غوری کا نام سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے - اس جلیل القدر حکمران نے برصغیر میں مسلم حکومت کی مستقل بنیاد رکھی - محمد غوری اچھی طرح جانتا تھا کہ برصغیر کے حکمران آپس میں لڑتے رہتے ہیں ، چنانچہ اس نے برصغیر پاک و ہند کی ابتری سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں مسلم حکومت قائم کرنے کا ارادہ کیا - اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے پورے عزم و ہمت سے کام لیا - اسے ناکامی کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن اس نے اپنے بلند مقصد کو سامنے رکھا اور ہر بار نئے ولولے کے ساتھ ہندوؤں کے مقابلے کو آیا -

محمد غوری نے جو علاقے فتح کیے ان کا مناسب انتظام کیا - وہاں قابل حاکم مقرر کیے - اس طرح اس کی فتوحات بڑی مفید اور مستقل ثابت ہوئیں اور اس نے جو حکومت قائم کی وہ صدیوں تک قائم رہی -

محمد غوری نے اپنے ترک غلاموں کی عمدہ تربیت کی اور انھیں اعلیٰ عہدے دیے - ان غلاموں نے اس کے اس کام کو جاری رکھا اوربرصغیر پاک و ہند کے شمالی علاقوں میں مستقل مسلم حکومت قائم کر دی -

سوالات

(۱) پاک و ہند پر محمد غوری کے حملوں کا حال اختصاراً بیان کیجیے -

(۲) محمد غوری کی سیرت اور کارناموں پر روشنی ڈالیے -

(۳) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :

(ا) ترائن کی پہلی اور دوسری لڑائی (ب) محمد بن بختیار خلجی

پانچواں باب

خاندان غلاماں

۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء

برصغیر پاک و ہند کا پہلا خود مختار مسلمان بادشاہ ، قطب الدین ایبک ، سلطان محمد غوری کا غلام تھا ۔ اس کے بعد بھی ۱۲۹۰ء تک جتنے حکمران ، دہلی کے تخت پر بیٹھے یا تو وہ خود غلام تھے یا غلاموں کی اولاد تھے ۔ اس لیے ان ابتدائی مسلم سلاطین کے خاندان کو ''خاندانِ غلاماں'' کہا جاتا ہے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ غلام عالی نسب ترک خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے ۔

قطب الدین ایبک ۱۲۰۶ء تا ۱۲۱۰ء

قطب الدین ایبک ، محمد غوری کا ایک ترک غلام تھا ۔ وہ اپنی خداداد قابلیت اور ذہانت سے سلطان کا منظور نظر بن گیا ۔ محمد غوری نے دہلی اور اجمیر فتح کرنے کے بعد اسے اپنے ان علاقوں کا گورنر مقرر کیا اور اس حیثیت میں اس نے اور علاقے فتح کر کے اپنے آقا کی سلطنت کو وسیع کیا ۔

محمد غوری کی وفات کے بعد اس کے جانشین محمود نے قطب الدین کو آزاد کر دیا اور دہلی کا خود مختار بادشاہ تسلیم کر کے اسے ''سلطان'' کا لقب دیا ۔ اس طرح قطب الدین برصغیر کا پہلا مسلمان سلطان بنا ۔ ایبک کی طرح سلطان محمد غوری کے کئی غلام تھے جو مختلف علاقوں کے حکمران تھے اور ایبک کی فرمانبرداری قبول

کرنے کو تیار نہ تھے ۔ ان میں سندھ ، بنگال اور غزنی کے حاکم قابل ذکر ہیں ۔ قطب‌الدین نے انھیں ساتھ ملانے کے لیے انتہائی عقل مندی اور تدبر سے کام لیا اور جنگ کرنے کی بجائے اپنے مخالفین سے رشتے ناطے کیے ۔

قطب‌الدین ایبک بڑا بہادر ، خدا ترس اور رعایا پرور حکمران تھا ، وہ اپنی سخاوت اور فیاضی کی وجہ سے ''لکھ بخش'' کے نام سے مشہور تھا ۔ اپنی ہندو رعایا سے بھی اس کا سلوک بہت اچھا تھا ۔

سلطان کو عمارات بنوانے کا بھی شوق تھا ۔ اس نے دہلی میں قطب مینار اور مسجد 'قوت‌الاسلام' کی بنیاد رکھی ۔ اجمیر میں بھی اس نے ایک مسجد تعمیر کروائی ۔ نومبر ۱۲۱۰ء میں وہ لاہور میں چوگان کھیلتا ہوا گھوڑے سے گر کر وفات پا گیا ۔ لاہور میں اس کی قبر انارکلی کے ایک کوچے میں واقع ہے جسے آج کل ایبک روڈ کہتے ہیں ۔ قطب‌الدین کی وفات کے بعد آرام شاہ تخت نشین ہوا لیکن وہ بڑا نااہل اور سست تھا ، چنانچہ التتمش نے اسے تخت سے علیحدہ کر دیا ۔

التتمش ۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء

التتمش ایک ترک امیرزادہ تھا ۔ بچپن میں وہ بہت خوبصورت اور ذہین تھا ۔ اس کے سوتیلے بھائیوں کو حسد پیدا ہوا اور انھوں نے اسے کسی سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا ۔ بخارا کے قاضی نے اسے خریدا اور اس کی تربیت کی ۔ جب وہ جوان ہوا تو اسے غزنی لایا گیا جہاں قطب‌الدین ایبک نے بھاری رقم ادا کر کے اسے خریدلیا ۔ سلطان نے پہلے اسے امیرِ شکار مقرر کیا ، پھر بدایوں کا گورنر بنایا ۔ ہونہار دیکھ کر سلطان نے اسے اپنا داماد بنا لیا ۔ سلطان کی وفات کے بعد آرام شاہ برسر اقتدار آ گیا ۔ آرام شاہ کی نا اہلی کی وجہ سے دہلی کے امرا نے التتمش کو تخت سنبھالنے کی دعوت دی ۔ التتمش نے آرام شاہ کو شکست دے کر اسے قید کر لیا اور یوں ۱۲۱۱ء میں خود تخت نشین ہوا ۔

تخت نشین ہوتے ہی اسے بہت سی مشکلات پیش آئیں ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قطب الدین ایبک کے مرنے کے بعد کئی صوبے دار خود مختار بن بیٹھے تھے ۔ سندھ و ملتان میں ناصرالدین قباچہ اور غزنی میں تاج الدین یلدوز نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا ۔ التتمش نے نہایت جرأت اور حوصلے سے ان صوبے داروں کو ، ایک ایک کر کے شکست دی اور پنجاب و سندھ کے صوبوں کو مرکزی حکومت کے ماتحت کر لیا ۔ بنگال و بہار کو بھی دوبارہ فتح کر کے مرکز کے ماتحت کیا ۔

التتمش کے زمانے میں منگول سردار چنگیز خاں جو دنیا کا زبردست فاتح مانا گیا ، اپنے دشمن جلال الدین خوارزم شاہ کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے سندھ تک آ پہنچا ۔ جلال الدین نے التتمش سے مدد مانگی ۔ التتمش یہ جانتا تھا کہ جلال الدین کی مدد کرنا منگولوں کو جنگ کی دعوت دینے کے برابر ہے ، اس لیے اس نے جلال الدین کو لکھ بھیجا کہ ''دہلی کی آب ہوا آپ کو راس نہ آئے گی ۔ بہتر ہو گا کہ آپ ایران تشریف لے جائیں'' ۔ جلال الدین ، سندھ کے راستے ایران بھاگ گیا ۔ اس حکمتِ عملی سے التتمش نے سلطنتِ دہلی کو منگول حملہ آوروں سے بچا لیا ۔ چنگیز خاں ، سندھ کے پار کے علاقے کو تباہ و برباد کر کے واپس چلا گیا اور برصغیر اس خوفناک آفت سے بچ گیا ۔

التتمش کو راجپوت راجوں کی طرف بھی توجہ دینی پڑی ، کیونکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی آزادی حاصل کرنے کے درپے تھے ۔ جو ہندو راجے آزاد ہو گئے تھے ، التتمش نے انھیں دوبارہ مطیع بنایا ۔ گوالیار اور مالوہ کو فتح کر کے مسلم سلطنت میں شامل کیا ۔ التتمش نے مسلم دنیا کے خلیفہ سے سند حکومت حاصل کی ۔ اس اجازت نامے کے آنے کے بعد سلطنت دہلی قانوناً آزاد اور خود مختار حکومت ہو گئی اور سلطان کا وقار اور زیادہ بلند ہوا ۔ التتمش نے قطب مینار اور قطبی مسجد کو بھی مکمل کروایا ۔

رضیہ سلطانہ

۱۲۳۶ء تا ۱۲۴۰ء

التتمش کی اولاد میں سب سے لائق اور ہونہار اس کی بیٹی رضیہ سلطانہ تھی ، اس لیے اس نے اسے اپنا جانشین بنایا - وہ پہلی مسلمان خاتون تھی جو برصغیر پاک و ہند کی حکمران بنی -

باپ کی زندگی میں ہی اسے سلطنت کے کاموں سے واقفیت ہو چکی تھی کیونکہ التتمش جب کسی دور دراز مہم پر جاتا تو ملکی انتظام رضیہ کے سپرد کر جاتا تھا -

رضیہ بڑی عقلمند ، مدبر اور بہادر عورت تھی - تخت نشین ہونے کے بعد اس نے پردہ ترک کر دیا - وہ شاہانہ لباس پہن کر کھلے دربار میں آتی تھی - وہ گھوڑے اور ہاتھی کی سواری بھی کرتی اور فوج کی کمان خود سنبھالتی - رضیہ سلطانہ ، خود لاہور کے حاکم کی بغاوت کو کچلنے کے لیے گئی - باغی گورنر بھاگ گیا لیکن بعد میں اس نے معافی مانگ لی -

رضیہ انصاف پسند اور رعایا پرور حکمران تھی - لیکن امرا اور افسران عورت کے ماتحت رہنا اپنی بے عزتی سمجھتے تھے اور اس کی بے پردگی کو بھی نا پسند کرتے تھے ، اس لیے ملک میں بغاوتیں شروع ہو گئیں - علاوہ ازیں رضیہ سلطانہ ، یاقوت نامی غلام پر بہت مہربان ہو گئی اور اسے امیرالامرا بنا دیا - اس سے ترک امرا اور بگڑ گئے ، ادھر بٹھنڈہ کے حاکم التونیہ نے بغاوت کر دی - رضیہ فوراً فوج لے کر روانہ ہوئی لیکن اس کی فوج کو شکست ہوئی اور اسے گرفتار کر کے التونیہ کے حوالے کر دیا گیا - رضیہ نے التونیہ سے شادی کر لی اور دوبارہ دہلی کا تخت حاصل کرنے کے لیے کوشش شروع کر دی - اس کی غیر حاضری میں اس کے بھائی نے تخت پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اسے ناکامی ہوئی - آخرکار ۱۲۴۵ء میں رضیہ سلطانہ قتل کر دی گئی - رضیہ کے بعد اس کا بھائی اور بھتیجا یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے ، لیکن وہ نااہل ثابت ہوئے اور معزول کر دیے گئے - پھر

امرأ نے التتمش کے سب سے چھوٹے بیٹے ناصرالدین محمود کو تخت پر بٹھایا - ناصرالدین محمود بڑا نیک اور پرہیزگار بادشاہ تھا - وہ اپنی دیانتداری کے لیے مشہور تھا - وہ نہایت ہی سادہ زندگی بسر کرتا تھا - خزانے سے ، ذاتی خرچ کے لیے ایک پائی نہ لیتا تھا اور قرآن شریف لکھ کر اپنی روزی کماتا تھا - اس نے سلطنت کا انتظام اپنے قابل وزیر بلبن کے سپرد کر رکھا تھا - بیس سال تک بلبن نے وفاداری کے ساتھ سلطان کی خدمت کی - اس نے ملک میں امن و امان بحال رکھا اور سلطنت کو مضبوط کیا - ناصرالدین محمود کی وفات کے بعد بلبن خود تخت پر بیٹھ گیا -

غیاث الدین بلبن
۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۶ء

غیاث الدین ، ترک سردار کا بیٹا تھا - بچپن میں اسے منگولوں نے پکڑ کر خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا - خواجہ اسے دہلی لائے ، جہاں التتمش نے اسے خرید لیا - اس نے اپنی ذہانت اور قابلیت سے التتمش کو بڑا متاثر کیا - التتمش نے اسے اپنے چیدہ چالیس غلاموں کی جماعت (غلاماں چھل گانی) میں شامل کرلیا - بعد میں اس نے التتمش کی لڑکی سے شادی کی اور اپنی لڑکی ناصرالدین محمود کو بیاہ دی - ناصرالدین محمود نے بلبن کو وزیر اعظم مقرر کیا اور سلطنت کا سارا کام اس کے سپرد کر دیا - بلبن بیس سال تک سلطنت کے معاملات کو بحسن و خوبی چلاتا رہا اور ناصرالدین کے مرنے کے بعد ۱۲۶۶ء میں تخت نشین ہوا -

بلبن کی تخت نشینی کے وقت ملک میں بد امنی اور انتشار کا دور دورہ تھا - التتمش کے چالیس غلاموں کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی وہ حکومت پر چھائے ہوئے تھے اور ان کی وجہ سے دربارِ دہلی سازشوں کا گھر بنا ہوا تھا - سلطان دہلی کی عزت و شان ختم ہو چکی تھی - ہندو راجاؤں کو مرکزی حکومت کی کوئی پرواہ نہ تھی -

بغاوتیں اور سازشیں عام تھیں۔ سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منگول، شمال مغربی سرحد پر اکثر حملے کرتے اور تباہی مچاتے۔ بلبن نے تخت نشین ہوتے ہی ملک کو تباہی سے بچانے کے لیے تین مقاصد سامنے رکھے۔

(۱) دہلی کی مرکزی حکومت کو مضبوط اور باوقار بنانا۔
(۲) بغاوتوں کا خاتمہ کرنا۔
(۳) منگولوں کے حملوں کا سدباب کرنا۔

(۱) مرکزی حکومت کو مضبوط بنانا

(ا) مرکزی سلطنت کے استحکام کے لیے مخالفوں کو کچلنا نہایت ضروری تھا۔ اس نے سب سے پہلے غلامان چہل گانی کی طاقت کو کچلا۔ بعض کو زہر دے دیا یا مروا دیا گیا، جو باقی بچے انھیں دور دراز صوبوں میں بھیج دیا گیا۔

(ب) **نظریہ بادشاہت:** بلبن، بادشاہ کے مقام کو بہت بلند سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب تک بادشاہ کا رعب اور دبدبہ نہ ہو لوگ اس کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کریں گے۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں بادشاہ کا احترام اور خوف ہو تاکہ وہ اس کے خلاف بغاوت نہ کر سکیں۔

بلبن نے دربار کی شان و شوکت میں بے حد اضافہ کیا۔ وہ نہایت رعب اور دبدبے کے ساتھ دربار میں آتا تھا۔ پہلوان، ننگی تلواریں لیے اس کے آگے اور پیچھے چلتے تھے۔ کئی ہزار غیر ملکی شہزادے زرق برق لباس پہنے اس کے دربار میں کھڑے رہتے تھے۔ بلبن نے درباری آداب کو بہتر بنایا۔ کسی درباری کو مناسب لباس کے بغیر دربار میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کے سامنے کسی کو مذاق کرنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ خود دربار میں بہت سنجیدہ رہتا۔ شاہی رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ دربار میں سناٹا چھایا رہتا۔

مرکزی حکومت کو مضبوط بنانے کے لیے بلبن نے فوجی نظام کو درست کیا۔ سپاہیوں کی تنخواہ میں اضافہ کیا گیا۔ اس نے جاسوسی کا محکمہ بھی قائم کیا تاکہ وہ ملک کے حالات اور واقعات سے باخبر رہے۔ بلبن کا خیال تھا کہ بادشاہ کو بڑا انصاف پسند ہونا چاہیے، چنانچہ وہ عدل و انصاف کے معاملے میں کسی سے رعایت نہ برتتا تھا۔ بلبن کے اس نظریۂ بادشاہت نے سلطان دہلی کو بہت باعزت اور باوقار بنا دیا۔ عوام کے دلوں پر بادشاہ کی شخصیت کا رعب بیٹھ گیا اور وہ فرمانبردار بن گئے۔

(۲) بغاوتوں کا خاتمہ اور امن کا قیام

بلبن بہت قابل اور سخت گیر حکمران تھا۔ اس نے دشمنوں اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔ دہلی کے ارد گرد میواتیوں نے بڑی لوٹ مار مچا رکھی تھی، یہاں تک کہ وہ دہلی شہر پر بھی حملے کرتے۔ اس پر سلطان بلبن نے ان کے خلاف فوج کشی کی اور ان کی سرکوبی کی۔ ایک لاکھ سے زیادہ باغی قتل ہوئے۔ اسی طرح راجپوتوں اور جاٹوں نے سر اٹھایا تو سلطان نے نہایت سختی سے ان شورشوں کو ختم کر کے امن و امان قائم کیا۔

بنگال میں بغاوت

بلبن کے عہد کا مشہور واقعہ، بنگال کی بغاوت ہے۔ سلطان نے طغرل بیگ کو بنگال کا حاکم مقرر کیا تھا۔ طغرل بیگ نے یہ سمجھ کر کہ بنگال دارلحکومت سے بہت دور ہے اور بادشاہ بوڑھا ہوچکا ہے، بغاوت کر دی۔ ایک دفعہ شاہی افواج کو شکست بھی ہوئی۔ اس پر سلطان خود زبردست فوج لے کر بنگال پہنچا۔ بنگال کے حاکم کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ بلبن نے دو میل لمبے بازار میں باغیوں کو پھانسی پر لٹکایا اور اپنے چھوٹے بیٹے کو بنگال کا صوبے دار مقرر

کیا اور اسے تنبیہہ کی کہ اگر اس نے بغاوت کی تو اس کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔

(۳) منگولوں کے حملوں کا سدباب

ناصر الدین محمود کے زمانے میں منگول کئی بار ہندوستان آئے اور انھوں نے کئی بار لاہور کو لوٹا تھا۔ بلبن کے زمانے میں منگولوں نے برصغیر پر پھر حملے شروع کر دیے۔ وہ سلطنت دہلی کے لیے زبردست خطرہ بن گئے تھے۔ سلطان نے ان کے حملوں کی روک تھام کے لیے شمال مغربی سرحد سے لے کر دارالسلطنت دہلی تک پرانے قلعوں کی مرمت کروائی۔ ان کے علاوہ کئی نئے قلعے تعمیر کروائے۔ ان میں ہر وقت مستقل فوج تیار رہتی تھی۔ سلطان نے اپنے بیٹے محمد کو سندھ اور ملتان کا گورنر مقرر کیا اور سرحد کی حفاظت کا انتظام اس کے سپرد کیا۔ شہزادہ محمد نے کچھ عرصہ تو منگولوں کو پیچھے ہٹائے رکھا لیکن ایک حملے میں وہ شہید ہوگیا۔ بلبن کی سرحدی حکمت عملی بہت کامیاب رہی اور جب تک بلبن زندہ رہا، منگول برصغیر پاک و ہند میں کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

ان شاندار کارناموں کی وجہ سے بلبن دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے دور اندیشی سے کام لے کر سلطنت کو مضبوط کیا۔ اگر وہ چاہتا تو مزید علاقے فتح کر سکتا تھا لیکن اس نے سلطنت کو مزید وسیع کرنے کی بجائے اس کے استحکام کی طرف زیادہ توجہ دی۔ اس کی محنت کی بدولت برصغیر پاک و ہند کے شمالی علاقوں میں مسلم حکومت کی بنیادیں مضبوط ہوئیں اور یوں مسلم حکومت صدیوں تک قائم رہی۔ بلبن کی وفات کے بعد اس کا پوتا کیقباد بادشاہ بنا۔ وہ بڑا کاہل اور عیاش تھا۔ ۱۲۹۰ء میں جلال الدین خلجی نے اسے مروا کر تخت خود سنبھال لیا اور خلجی خاندان کی بنیاد ڈالی۔

سوالات

(۱) قطب الدین ایبک کی ابتدائی زندگی اور عہد حکومت کے اہم واقعات بیان کیجیے ۔

(۲) التتمش نے کیسے تخت حاصل کیا ؟ اس کے کارناموں کا جائزہ پیش کیجیے ۔

(۳) بلبن نے سلطنت دہلی کو اندرونی اور بیرونی خطروں سے بچانے کے لیے کیا اقدامات کیے ؟

(۴) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے:

(الف) رضیہ سلطانہ

(ب) ناصر الدین محمود

چھٹا باب

خاندان خلجی

۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء

جلال الدین خلجی ۱۲۹۰ء تا ۱۲۹۶ء

سلطان جلال الدین خلجی ، خلجی خاندان کا پہلا بادشاہ تھا ۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۷۰ سال تھی ۔ وہ بڑا نیک نفس اور رحم دل تھا ۔ جب وہ پہلی بار شاہی محل میں داخل ہوا تو اپنے محسن سلطان بلبن کو یاد کرکے بچوں کی طرح رویا ۔ اس کی نرمی کی وجہ سے اس کے عہد میں بغاوتیں زور پکڑ گئیں اور منگولوں نے بھی حملے کیے ۔ اس کے عہد میں اس کے بھتیجے علاء الدین نے جو 'کڑہ' کا حاکم تھا ، دکن میں واقع 'دیو گری' پر حملہ کیا اور وہاں سے بہت مال و دولت حاصل کیا ۔ جب جلال الدین نے اپنے بھتیجے کی شاندار فتح کا حال سنا تو اس کے استقبال کے لیے پہنچا لیکن ملاقات کے وقت علاء الدین نے اپنے چچا کو قتل کر دیا اور خود حکمران بن گیا ۔

علاء الدین خلجی ۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء

علاء الدین خلجی ۱۲۹۶ء میں تخت نشین ہوا ۔ وہ برصغیر کے عظیم الشان حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے ۔ وہ زبردست فاتح اور قابل جرنیل تھا ۔ وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا ، جس نے جنوبی برصغیر میں کئی علاقے فتح کیے ۔ علاء الدین سے پہلے مسلم حکومت صرف

برصغیر کے شمالی حصے تک محدود تھی اور جنوبی ہند تک کوئی مسلمان حکمران نہ پہنچا تھا ۔ اس کی شاندار فتوحات کی وجہ سے اسے سکندر ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ علاء الدین نے منگولوں کے حملوں کو بھی روکا اور نظام حکومت میں بھی کئی اصلاحات کیں ۔

علاء الدین کی فتوحات

علاء الدین نے پہلے شمالی ہند کی ہندو ریاستوں کو فتح کیا ۔ ۱۲۹۷ء میں اس نے اپنے مشہور جرنیل الغ خاں اور نصرت خاں کو گجرات فتح کرنے کے لیے بھیجا ۔ وہاں کا راجا بھاگ گیا اور گجرات فتح ہوگیا ۔ گجرات سے ایک ہندو غلام ملک کافور ، دہلی لایا گیا ۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی قابلیت کی وجہ سے مسلم فوج کا سپہ سالار بنا ۔

رنتھمبور ، راجپوتانہ کا مشہور قلعہ تھا ۔ علاء الدین نے خود اس پر چڑھائی کی ۔ راجا مارا گیا اور قلعہ فتح ہوگیا ۔ پھر اس نے راجپوتانہ کی مشہور ریاست میواڑ پر حملہ کیا اور چتوڑ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا ۔ راجپوتوں نے سخت مقابلہ کیا ، لیکن شکست کھائی اور چتوڑ فتح ہوگیا ۔ چتوڑ کے بعد علاء الدین نے مالوہ پر حملہ کیا اور اسے بھی فتح کر لیا ۔

فتوحات دکن

شمالی ہند کی مکمل فتح کے بعد علاء الدین کی توجہ جنوبی ہند کی طرف ہوئی ۔ کوہ وندھیاچل کے اس پار دکن میں چار بڑی سلطنتیں قائم تھیں ۔ دیو گری ، وارنگل ، دوارسمدر اور معبر ۔ علاء الدین نے دکن کو فتح کرنے کے لیے زبردست فوج تیار کی اور ملک کافور کو اس فوج کا سالار بنایا ۔ دشوار گزار راستوں اور دور دراز علاقوں کے باوجود علاء الدین کی افواج نے تمام دکن کو روند ڈالا ۔ ملک کافور ۱۳۱۱ء میں ان تمام ریاستوں کو فتح کرکے بے انتہا مال و دولت کے ساتھ واپس دہلی لوٹا ۔ اس طرح علاء الدین کی سلطنت

پورے شمالی و جنوبی برصغیر میں پھیل گئی ۔ اتنا ضرور ہے کہ علاء الدین نے دکن کی ریاستوں کو براہ راست سلطنت میں شامل نہ کیا ۔ اس نے وہاں کے ہندو راجاؤں کو برقرار رکھا ، جو اسے سالانہ 'باج' ادا کرتے تھے ۔ اس طرح علاء الدین نے بڑی عقلمندی اور دور اندیشی کا ثبوت دیا کیونکہ دکن ، دہلی سے بہت دور تھا اور اس پر دہلی سے حکومت کرنا آسان نہ تھا ، راستے دشوار گزار اور ذرائع آمد و رفت کا معقول انتظام نہ تھا ، نیز دکن میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم تھی ۔ ان حالات میں وہاں کا انتظام سنبھالنا سراسر غلطی تھی اور علاء الدین جیسا سمجھ دار انسان ایسی غلطی نہیں کر سکتا تھا ۔ دکن سے متعلق اس کی یہ پالیسی بہت کامیاب رہی ۔

منگولوں کی روک تھام

علاء الدین کے زمانے میں منگول ، افغانستان اور ایران پر قابض ہو چکے تھے ۔ وہ ہر سال شمال مغربی دروں کے راستے برصغیر پر حملے کرتے اور وہ علاقہ جو آج کل پاکستان میں شامل ہے ، ان کے حملوں کا خاص نشانہ بنتا ۔ علاء الدین کے عہد (۱۲۹۹ء) میں ایک لاکھ منگول اپنے سردار قتلغ کی قیادت میں دہلی تک آ پہنچے ، لیکن شاہی فوجوں نے انھیں زبردست شکست دی اور وہ راتوں رات واپس بھاگ گئے ۔ اس حملے نے علاء الدین کو چوکنا کر دیا اور اس نے منگولوں کے حملوں سے بچنے کے لیے بلبن کی سرحدی حکمت عملی پر عمل کیا ۔ شمال مغربی سرحد سے لے کر دہلی تک تمام پرانے قلعوں کی مرمت کروائی گئی ۔ نئے قلعے بنوائے گئے اور ان میں مضبوط فوج رکھی گئی ۔ علاء الدین نے غازی ملک کو جو کہ ایک قابل جرنیل تھا ، پنجاب اور سندھ کا حاکم مقرر کیا ۔ اس نے کئی دفعہ منگولوں کو شکست فاش دی ۔ اس کامیاب حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ منگولوں کی ہمت ٹوٹ گئی ۔ ان کے حملے رک گئے اور سلطنت میں امن و امان قائم ہو گیا ۔

انتظام سلطنت و اصلاحات

سلطان علاء الدین نے شاندار فتوحات کے ساتھ ساتھ اپنی سلطنت کا انتظام بھی نہایت اعلیٰ طریقے سے کیا - جب وہ فتوحات میں مصروف تھا تو یکے بعد دیگرے چار بغاوتیں ہوئیں - سلطان ان بغاوتوں سے بہت پریشان ہوا اور ان کا سبب معلوم کیا - وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ بغاوتوں کی وجوہ یہ ہیں :

۱ - بادشاہ کی ملکی معاملات سے بے خبری -
۲ - شراب کا استعمال -
۳ - امراء کے باہمی تعلقات -
۴ - مال و دولت کی فراوانی جس سے لوگوں کے دلوں میں باغیانہ خیالات پیدا ہوتے ہیں -

اس نے ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اصلاحات کیں - ملکی معاملات سے باخبر رکھنے کے لیے محکمہ جاسوسی کو منظم کیا - سلطان ملک نے طول و عرض میں جاسوس پھیلا دیے جو ہر بات کی اطلاع بادشاہ تک پہنچاتے تھے - امراء ان جاسوسوں سے اس قدر سہمے رہتے تھے کہ وہ اپنے گھر میں معمولی بات چیت کرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے - سلطان نے شراب بنانا ، فروخت کرنا اور پینا جرم قرار دیا - شراب کی محفلیں ممنوع قرار دے دیں - اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں - سلطان نے امراء کا باہمی میل جول ختم کرنے کے لیے حکم دیا کہ آیندہ بغیر اجازت کوئی دعوت یا محفل منعقد نہ کی جائے - نہ ہی سلطان کی اجازت کے بغیر امراء آپس میں رشتے ناطے کریں -

دولت کی فراوانی سے چونکہ امراء کو سازش کرنے کی ہمت ہوتی تھی ، اس لیے سلطان نے ہر ممکن طریقے سے زائد دولت پر قبضہ کر لیا - مسلم امراء کی جاگیریں ضبط کر لیں اور ہندو رؤسا کی

خصوصی مراعات ختم کر دیں ۔ ان اصلاحات سے ملک میں ہر طرف امن و امان ہو گیا ۔

قیمت بندی

علاء الدین کی وسیع سلطنت میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے اور منگولوں کے حملوں کی روک تھام کے لیے مضبوط اور مستقل فوج کی ضرورت تھی ۔ اگر سپاہیوں کی تنخواہ کم ہوتی تو ان کا گزارا مشکل تھا ۔ اگر ان کو زیادہ تنخواہ دی جاتی تو خزانہ میں اتنی رقم موجود نہ تھی ۔ سلطان نے اس مسئلہ کو عقل مندی سے حل کیا ۔ اس نے زرعی اصلاحات نافذ کیں جس سے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں سستی ہو گئیں اور کم تنخواہ پانے والے ملازمین و سپاہی بھی مطمئن ہو گئے ، کیونکہ اب تھوڑی تنخواہ میں بھی وہ آسانی سے گزارا کر سکتے تھے ۔

علاء الدین کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا تھا چنانچہ اس نے بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تمام اشیا کی قیمتیں مقرر کر دیں ۔ کل پیداوار کا آدھا حصہ مالیہ مقرر کیا گیا ۔ سرکاری مالیہ جنس کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا جسے سرکاری گوداموں میں جمع کر دیا جاتا تھا ۔ قحط کے زمانے میں حکومت کی طرف سے ڈپو کھول دیے جاتے اور گوداموں سے غلہ سپلائی کیا جاتا تھا ۔ منڈی تک غلہ لانے کا معقول انتظام تھا ۔ غلہ فروشوں کے نام رجسٹر میں درج تھے ۔ نرخوں کی نگرانی کے لیے افسران مقرر تھے ۔ بددیانت سوداگروں اور دوکانداروں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں ۔ سلطان نے تمام قیمتی اشیا کے لیے خصوصاً کپڑے کے لیے علیحدہ منڈی بنا دی نیز جانوروں کی بھی قیمتیں مقرر کر دی گئیں ۔

سلطان جاسوسوں کے ذریعے ہر وقت کی خبریں معلوم کرتا تھا ۔ مقررہ قیمتوں سے زیادہ وصول کرنے والوں کو سخت سزائیں دی

جائیں ۔ کوئی دوکاندار ضرورت سے زیادہ غلہ جمع نہیں کرسکتا تھا اور نہ کوئی خریدار زیادہ خرید سکتا تھا ۔ غلہ دبا کر رکھنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتیں ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دوکاندار ایمانداری کے ساتھ چیزیں فروخت کرنے لگے اور عوام خوشحال ہوگئے ۔ سلطان نے معمولی تنخواہ دے کر بڑی فوج تیار کرلی ، جس کے باعث بیرونی حملوں کا خطرہ بھی دور ہوگیا اور ملک میں بھی امن و امان قائم ہوگیا ۔ نیز دکن میں بھی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں اور مسلم سلطنت وسیع تر ہوگئی ۔

ان شاندار کارناموں کی وجہ سے دہلی کے تمام سلاطین میں سے علاء الدین کا مقام سب سے بلند ہے ۔ اس نے غیر معمولی ذہانت سے کام کیا ۔ اس کے عہد میں تمام سلطنت ایک منظم شہر کی مانند معلوم ہوتی تھی ۔ امن و سکون اور انتظامی اصلاحات کے نفاذ سے رعایا خوشحال ہوگئی ۔ بیرونی حملوں کا خطرہ جاتا رہا ۔ اس کے عہد میں علم و ادب نے بھی ترقی کی ۔ اس کے دربار میں ہر فن کے ماہرین موجود تھے ۔ ۱۳۱۶ء میں اس عظیم حکمران نے وفات پائی ۔ کہا جاتا ہے کہ ملک کافور نے اسے زہر دے کر مار دیا تھا ۔ اس کی وفات کے بعد ملک کافور نے اس کے چھے سالہ لڑکے کو تخت پر بٹھا کر خود حکومت سنبھال لی ، لیکن اسے قتل کر دیا گیا ۔ امراء نے قطب الدین مبارک شاہ کو تخت پر بٹھایا لیکن ہر طرف فتنہ فساد شروع ہوگیا ۔ حکومت کا کام نو مسلم غلام خسرو خاں کے ہاتھ میں تھا جس نے خاندان خلجی کا بچہ بچہ قتل کروا دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا ۔ مسلم عوام اس کی حکومت سے سخت غیر مطمئن تھے ۔ اس پر امراء نے غازی ملک کو پنجاب سے بلوایا ، جس نے خسرو خاں کو شکست دی اور امراء نے بالاتفاق اسے تخت پر بٹھا دیا ۔

سوالات

(۱) شمالی برصغیر اور دکن میں علاء الدین خلجی کی فتوحات کا حال تحریر کیجیے۔

(۲) علاءالدین خلجی کے انتظام حکومت اور قیمت بندی پر تبصرہ کیجیے۔ سلطان کو اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی ؟

(۳) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :

(الف) جلال الدین فیروز خلجی

(ب) ملک کافور

(ج) علاءالدین خلجی کے عہد میں منگولوں کی روک تھام



پاکستان وہند (سنہ 1525ء)
بابر کی سلطنت
کشمیر
پنجاب
دولت خاں لودھی
ملتان کی لنگاہ سلطنت
پانی پت
دہلی
رانا سانگا
والئ میواڑ کے ماتحت
راجپوتوں کا اتحاد
سندھ کی
ارغون سلطنت
سلطنت لودھی
ابراہیم لودھی
بندھیل کھنڈ
بہار
بنگال
مالوہ
گجرات
خاندیش
گونڈوانہ
برار
احمد نگر
گولکنڈہ
بیدر
بیجاپور
اڑیسہ
وجیانگر
لنکا
سلطنت لودھی
دوسری ریاستیں
دکن کی مسلم ریاستیں

ساتواں باب

تغلق خاندان

۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۴ء

غیاث الدین تغلق ۱۳۲۰ء تا ۱۳۲۵ء

غازی ملک ، غیاث‌الدین تغلق شاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا ۔ اس کا باپ ترک تھا ۔ اس نے جلال الدین خلجی کے عہد میں فوجی ملازمت کا آغاز کیا اور علاء الدین خلجی کے عہد میں دیپال پور کا صوبے دار مقرر ہوا ۔ اس حیثیت میں اس نے پنجاب کی سرحد کو مضبوط کیا اور ۲۹ معرکوں میں منگولوں کو شکست دے کر ''غازی ملک'' کا لقب پایا ۔ خسرو کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر امراء نے غازی ملک کو دہلی آنے کی دعوت دی ۔ اس نے فوج کشی کر کے خسرو کو شکست دی اور امراء کے کہنے پر خود تخت نشین ہوا ۔

غیاث الدین تغلق قابل اور رحم دل بادشاہ تھا ۔ اس کی تخت نشینی کے وقت ، حکومت کی عظمت لوگوں کے دلوں سے مٹ چکی تھی ۔ نظام حکومت درہم برہم ہو چکا تھا ۔ دور دراز صوبے دکن ، بنگال ، سندھ وغیرہ خود مختار ہو چکے تھے ۔ سلطان نے کل پانچ سال حکومت کی لیکن اس مختصر عرصے میں اس نے ہر کام سوچ سمجھ کر کیا ۔ اس نے نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی برتی ۔ اس نے بغاوتوں کو دبایا ، مرکز کو مضبوط کیا اور انتظام سلطنت کو درست کیا ۔ بنگال کی مہم سے سلطان واپس آیا تو دہلی کے

نزدیک لکڑی کے ایک محل کے گرنے سے جو اس کے بیٹے جونا خاں نے بنوا رکھا تھا ، مر گیا ۔ بہت سے مؤرخوں کی رائے ہے کہ محل کا گرنا اتفاقیہ معاملہ نہ تھا بلکہ ایک سازش تھی ۔ غیاث الدین تغلق کی موت کے بعد اس کا بیٹا جونا خاں ، محمد بن تغلق کے لقب سے بادشاہ بنا ۔

محمد بن تغلق ۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء

محمد بن تغلق غیرمعمولی شخصیت کا مالک تھا ۔ وہ بڑا ذہین اور عالم تھا ۔ اس کی یاد داشت غضب کی تھی ۔ وہ ایک اچھا شاعر اور خطیب تھا ۔ اسے علم نجوم ، طب ، ریاضی ، منطق ، قانون اور فلسفے پر عبور حاصل تھا ۔ وہ حافظِ قرآن بھی تھا ۔ بڑے بڑے علمائے دین مذہبی مسائل پر اس سے بحث کرتے ہوئے گھبراتے تھے ۔ اس کی سخاوت بہت مشہور تھی اور اسے عدل و انصاف کا بھی بڑا خیال رہتا تھا ۔ وہ بڑا بہادر اور نڈر تھا اور اسے انتظام سلطنت کا وسیع تجربہ تھا ، لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ محمد بن تغلق میں کچھ بڑی کمزوریاں بھی تھیں ۔ اس میں جلد بازی ، خودسری اور ہٹ دھرمی تھی ۔ معمولی باتوں پر غصے میں آ جاتا ۔ وہ انتہا پسند اور ضدی تھا ۔ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا تو انجام پر غور کیے بغیر اسے کر کے ہی چھوڑتا ۔ اس کی طبیعت میں متضاد اوصاف موجود تھے ۔ ایک طرف تو سخاوت میں مشہور تھا اور دوسری طرف بے رحم اور ظالم ۔ یہی وجہ ہے کہ اسے 'متضاد صفتوں والا بادشاہ' بھی کہتے ہیں اور بعض مؤرخ اسے 'دیوانہ' بھی قرار دیتے ہیں ۔ سلطان اعلیٰ خیالات کا مالک تھا اور وہ نئے نئے منصوبے سوچتا تھا ۔ اس کے منصوبے بذاتِ خود درست ہوتے تھے لیکن قبل از وقت اور حالات کے مطابق نہ ہوتے تھے ۔ اس لیے عوام ان منصوبوں کو نہ سمجھ سکے اور نہ ہی سلطان نے لوگوں کے جذبات کا خیال رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس سے تعاون نہ کر سکے ، لہٰذا اس

کے تمام منصوبے ناکام ہو کر رہ گئے - اگر اس کے منصوبے کامیاب ہو جاتے تو یقیناً محمد بن تغلق نہایت ہی کامیاب حکمران ثابت ہوتا ان منصوبوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :

لگان میں اضافہ

گنگا اور جمنا کا درمیانی علاقہ نہایت زرخیز اور شاداب تھا اور وہاں کے کاشت کار بہت خوش حال تھے - سلطان نے اس علاقے میں مالیے میں اضافہ کر دیا - محمد بن تغلق کی بدقسمتی تھی کہ جوں ہی اس نے مالیے میں اضافے کا حکم دیا اس علاقے میں خوفناک قحط پڑ گیا مگر مالیہ سختی سے لیا جاتا رہا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا تباہ ہو گئی اور یہ زرخیز علاقہ ویران ہوگیا - لوگوں نے تنگ آ کر بغاوت کر دی - جب سلطان کو اصل حالات کا علم ہوا تو اس نے تباہ کاری کی تلافی کی بہت کوشش کی - کاشت کاروں کو روپیہ قرض دیا اور آب پاشی کے انتظامات کیے، مگر اس کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں -

دارالحکومت کی تبدیلی

سلطان نے دہلی کے بجائے دیوگیری کو دارالخلافہ بنایا اور اس کا نام دولت آباد رکھا - اس کا یہ منصوبہ برا نہیں تھا ، بلکہ سوچ سمجھ کر تیار کیا گیا تھا - سلطان جانتا تھا کہ تمام شمالی ہند کے علاوہ دکن بھی سلطنت دہلی میں شامل ہوچکا ہے اس لیے دارالحکومت برصغیر پاک و ہند کے عین وسط میں واقع ہونا چاہیے - اس کے علاوہ منگولوں کے حملوں کی وجہ سے دہلی محفوظ مقام نہیں رہا تھا ، نیز سلطان ، دکن میں بھی اسلام پھیلانا چاہتا تھا تاکہ دکن میں مسلم آبادی بڑھے - اس نے تمام امراء ، علماء و مشائخ کو وہاں جانے کا حکم دے دیا - اس نے دہلی سے دولت آباد تک عمدہ سڑک تعمیر کروائی اور راستے میں ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں - نئے

دارالحکومت میں خوبصورت محل ، مسجدیں اور عمارات بنوائیں - لیکن لوگوں کو دور دراز سفر میں کافی تکلیف ہوئی اور وہاں جا کر انہیں دکن کی آب و ہوا راس نہ آئی - سلطان نے جب یہ دیکھا کہ لوگ دولت آباد میں خوش نہیں ہیں ، تو اس نے پھر انہیں واپس دہلی جانے کی اجازت دے دی - اس طرح اس کا منصوبہ ناکام رہا -

علامتی سکے

سلطان نے چاندی کے سکوں کے بجائے تانبے کے علامتی سکے جاری کیے اور ان کی قیمت چاندی کے سکوں کے برابر مقرر کی - دراصل اس زمانے میں چین اور فارس میں کاغذی سکے چل رہے تھے اس لیے سلطان کو بھی تانبے کا علامتی سکہ جاری کرنے کا شوق ہوا لیکن عوام اس کی سکیم کو نہ سمجھ سکے - انھوں نے جعلی سکے بنانے شروع کر دیے - اس سے حکومت کو بہت نقصان ہوا - جب سلطان کو علم ہوا تو اس نے تانبے کے سکے واپس لے کر چاندی کے سکے خزانے سے ادا کیے - اس طرح خزانے کو اور بھی نقصان ہوا -

فتوحات کا منصوبہ

اب سلطان کے دماغ میں فتوحات کا خیال سمایا ، اور اس نے خراسان فتح کرنے کا عظیم منصوبہ بنایا - اس منصوبے پر عمل کرنا آسان تھا کیونکہ وہاں کے سیاسی حالات اچھے نہیں تھے - اس نے پونے چار لاکھ فوج تیار کی - ایک سال کی تنخواہ پیشگی دے دی - لیکن چند ایک مشکلات کی وجہ سے یہ ارادہ ترک کرنا پڑا اور فوج برخواست کر دی گئی - اس سے خزانے پر بڑا بوجھ پڑا - پھر سلطان نے ایک لاکھ سپاہی تبت کو فتح کرنے کے لیے بھیجے لیکن راستے کی دشوار گزاری اور موسم کی خرابی سے یہ منصوبہ بھی ناکام رہا - ساری فوج تباہ ہو گئی اور صرف دس آدمی بچ کر واپس آئے -

اس طرح سلطان کے تمام منصوبے ناکام رہے اور وہ عوام میں غیر مقبول ہو گیا ۔ شاہی وقار کو سخت نقصان پہنچا ۔ سلطنت کی مالی حالت خراب ہو گئی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کو بے شمار بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ ایک جگہ بغاوت فرو نہ ہوتی تھی کہ دوسری جگہ بغاوت شروع ہوجاتی ۔ دکن اور بنگال کے صوبے خود مختار ہو گئے - ۱۳۵۱ء میں سلطان ، سندھ کی بغاوت کو فرو کر رہا تھا کہ ٹھٹھہ کے مقام پر اس نے وفات پائی ۔

فیروز شاہ تغلق ۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء

فیروز شاہ تغلق ، سلطان محمد بن تغلق کا چچا زاد بھائی تھا وہ بڑا رحم دل ، خدا ترس اور رعایا پرور حکمران تھا ۔ فیروز شاہ کو سلطنت وسیع کرنے کی خواہش نہ تھی بلکہ اسے فتوحات سے زیادہ اصلاحات کا شوق تھا ۔ اس نے رعایا کی بہتری کی طرف توجہ دی جس سے ملک میں امن و امان قائم ہو گیا اور لوگ خوشحال ہو گئے اس لیے اسے تغلق خاندان کا سب سے اچھا حکمران شمار کیا گیا ہے ۔

فوجی مہمات

فیروز شاہ تغلق اچھا جرنیل نہیں تھا اور نہ ہی اسے فتوحات کا شوق تھا ، اس لیے اسے فوجی مہموں میں کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں ہوئی ۔ اس نے دکن کو فتح کرنے کی کوشش نہیں کی اور وہ علاقہ مکمل طور پر خود مختار ہو گیا ۔ سلطان نے بنگال کو جو محمد بن تغلق کے زمانے میں خود مختار ہو گیا تھا ، فتح کرنے کے لیے دو دفعہ کوشش کی ۔ وہاں کے حکمران نے سلطان کی بالا دستی مان لی مگر بنگال خود مختار رہا ۔ اس کے بعد سلطان نے جاج نگر (اڑیسہ) پر حملہ کیا اور راجا نے اطاعت قبول کر لی ۔ پھر نگر کوٹ کے قلعے کا محاصرہ کیا اور وہاں کے راجا نے بھی اطاعت قبول کر لی ۔ اس کے بعد ٹھٹھہ کے حکمران کے خلاف فوج کشی کی لیکن رسد کی

نمی کے باعث اسے واپس لوٹنا پڑا ۔ اس نے دوبارہ لشکر تیار کیا اور زبردست حملہ کیا لیکن ابھی جنگ جاری تھی کہ بادشاہ نے اپنی فوج کو میدان جنگ سے واپس بلا لیا ۔ اس طرح کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور سلطان اپنی فوج سمیت وہیں رہا ۔ آخر سندھیوں نے تنگ آ کر اطاعت قبول کرلی ۔

فیروز شاہ کی اصلاحات

فیروز شاہ تغلق ایک لائق اور قابل حکمران تھا ۔ اس نے رعایا کی خوشحالی کے لیے ہر ممکن کوشش کی ۔ اس نے عوام کی بہتری کے لیے بہت سے کام کیے ۔ اس نے زمین کا لگان کم کر دیا اور تمام غیر شرعی ٹیکس ختم کر دیے ۔ سلطان نے محمد بن تغلق کے زمانے کے مصیبت زدہ لوگوں کا پتا لگایا ۔ ان کی جائدادیں جو ضبط کر لی گئی تھیں ، واپس کر دیں ۔ سلطان نے زراعت کی ترقی کے لیے دریائے جمنا اور ستلج سے نہریں نکالیں ۔ اس طرح بہت سی بنجر زمینیں سیراب اور سرسبز ہوگئیں ۔ ان اصلاحات سے زراعت و تجارت میں ترقی ہوئی ۔ لوگ خوش حال ہوگئے اور سرکاری آمدنی بھی بڑھ گئی سلطان نے بے شمار باغات بھی لگوائے ۔ صرف دہلی میں بارہ سو باغات لگوائے ۔ ان باغوں میں انگور ، انار ، ناشپاتی اور دیگر کئی قسموں کے پھل ہوتے تھے ۔ فیروز شاہ نے اپنی سلطنت میں چھتیس کارخانے قائم کیے ، جن میں کپڑا ، قالین ، کمبل ، برتن اور دیگر اشیا تیار ہوتی تھیں ۔

سلطان کو عدل و انصاف کا بہت خیال تھا ۔ اس نے سخت سزاؤں کو نرم کر دیا ۔ اسے غلام جمع کرنے کا بہت شوق تھا ۔ اس کے کل ایک لاکھ اسی ہزار غلام تھے اور وہ ان کا خاص خیال رکھتا تھا ۔ فیروز شاہ کو علم سے لگاؤ تھا ۔ اس نے علما کی بھی حوصلہ افزائی کی ۔ اس کے عہد میں ضیاء الدین برنی اور شمس سراج نے

تاریخ کی کتابیں لکھیں ۔ فیروز شاہ نے اپنی سوانح حیات ''فتوحات فیروز شاہی'' لکھی ۔ اس نے تیس چالیس کے قریب مدرسے تعمیر کروائے ۔ ان میں سب سے بڑا دہلی کا ''مدرسہ فیروز شاہی'' تھا ۔ طلبا کو وظائف دیے جاتے تھے ۔ شاہی فوج کی تعداد نوے ہزار تھی ، اس کے علاوہ دو لاکھ فوج جاگیرداروں کے ماتحت تھی ۔

رفاہ عامہ و تعمیرات

فیروز شاہ نے عوام کی خاطر مدرسے ، مساجد ، خیراتی ہسپتال ، سرائیں ، پل ، حمام اور تالاب بنوائے ۔ تقریباً دو سو شہروں کو آباد کیا ۔ اس نے فیروز آباد ، جونپور ، حصار فیروزہ اور فتح آباد کے شہر تعمیر کروائے ۔ فیروز آباد میں عالیشان مسجد بنوائی ۔ اس نے غریب لوگوں کے لیے خیرات کا الگ محکمہ قائم کیا ۔ غریب لڑکیوں کی شادی کے انتظامات کے لیے مالی مدد دی جاتی تھی ۔ بے روزگاروں کو روزی دلانے کا انتظام کیا ۔ فیروز شاہ کی ذاتی زندگی بھی بہت پاکیزہ تھی ۔ وہ حتی المقدور اسلامی شریعت کے مطابق زندگی بسر کرتا تھا ۔ فیروز شاہ کے زمانے میں عوام نے جس قدر آرام اور سکھ پایا ، اتنا کسی حکمران کے عہد میں نہ پایا تھا ۔

فیروز شاہ کی اصلاحات بڑی مفید تھیں لیکن اس نے چند ایک غلطیاں بھی کیں ۔ اس نے فوجی افسروں کو تنخواہ دینے کی بجائے جاگیریں دینے کا طریقہ دوبارہ شروع کر دیا ۔ اس نے فوجیوں کا عہدہ موروثی کر دیا ۔ یعنی جب فوجی افسر بوڑھے ہو جاتے تو ان کی جگہ ان کے بیٹے بھرتی کر لیے جاتے ۔ اس سے فوج میں نا اہل لوگ جمع ہو گئے اور امرا کو باغی ہونے کا موقع مل گیا ۔ ۱۳۸۸ء میں فیروز شاہ نے وفات پائی ۔ اس کی وفات کے بعد ملک میں بدنظمی پھیل گئی اور تغلق خاندان کو زوال آ گیا ۔

سوالات

(۱) غیاث الدین تغلق شاہ کی ابتدائی زندگی اور عہد حکومت پر مختصر نوٹ لکھیے -

(۲) محمد بن تغلق کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیے اور اس کے کارناموں کا جائزہ لیجیے -

(۳) محمد بن تغلق کے منصوبوں کا حال بیان کیجیے - ان کی ناکامی کے کیا اسباب تھے ؟

(۴) فیروز شاہ کی اصلاحات اور رفاہ عامہ کے کاموں پر بحث کیجیے -

آٹھواں باب

سید و لودھی خاندان
امیر تیمور کا حملہ

امیر تیمور کا حملہ ۱۳۹۸ء

امیر تیمور ایشیا کا سب سے طاقتور حکمران تھا ۔ وہ وسط ایشیا کے علاقہ کیش کے ایک چغتائی سردار کا بیٹا تھا ۔ تینتیس سال کی عمر میں وہ اپنے قبیلے کا سردار بنا ۔ اس نے تمام قبائل کو متحد کر کے فتوحات کا آغاز کیا ۔ پہلے ایران و عراق کو فتح کیا ۔ پھر عثمانی ترکوں کو شکست دی ۔ موجودہ افغانستان اور روس کے بعض حصے بھی اس کے ماتحت آ گئے اور وہ یہیں سے برصغیر پاک و ہند پر حملہ آور ہوا ۔ تیمور کے حملے کے وقت تغلق خاندان کا آخری حکمران محمود تغلق دہلی میں حکمران تھا ۔ وہ کمزور بادشاہ تھا ۔ ملک کی سیاسی حالت بہت خراب تھی اور ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی ۔ تیمور ان حالات سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا ۔ وہ فتوحات کا شوقین تھا اور زیادہ سے زیادہ علاقے فتح کرنا چاہتا تھا ۔ برصغیر پاک و ہند کی دولت بھی اس کے لیے باعثِ کشش تھی ۔

امیر تیمور نے ۱۳۹۸ء میں برصغیر کا رخ کیا ۔ اس کے ساتھ تقریباً ۹۰ ہزار فوج تھی ۔ وہ پنجاب کو فتح کر کے دہلی کی طرف بڑھا ۔ ادھر دہلی سے سلطان محمود تغلق تقریباً دس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ فوج لے کر امیر تیمور کے مقابلے کو نکلا مگر شکست کھا کر

گجرات کی طرف بھاگ گیا ۔ امیر تیمور فاتح کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا اور جمعہ کے دن اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا ۔ ایک دن اس کے سپاہیوں اور دہلی کے لوگوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا جس پر تیمور کے چند سپاہی مارے گئے ۔ تیمور نے غصے میں آ کر قتلِ عام کا حکم دے دیا ۔ پانچ دن تک متواتر دہلی میں قتل عام جاری رہا، جس سے دہلی ایک ویران شہر بن گیا ۔

دس دن دہلی میں قیام کے بعد تیمور نے میرٹھ فتح کیا اور شوالک کی پہاڑیوں تک جا پہنچا ۔ جموں کے راجا نے اطاعت قبول کر لی ۔ امیر تیمور نے خضر خان کو اپنی طرف سے لاہور ، ملتان اور دیپال پور کا صوبے دار مقرر کیا اور خود واپس سمرقند چلا گیا ۔

حملے کے اثرات

امیر تیمور بہت کم مدت برصغیر میں رہا ، لیکن اس کے حملے سے برصغیر کو جتنا نقصان پہنچا ، پہلے کبھی نہیں ہوا تھا ۔ تیمور جہاں کہیں بھی گیا ، علاقوں کو ویران اور شہروں کو برباد کرتا گیا ۔ بے شمار جانیں تلف ہوئیں ۔ اس کے جانے کے بعد دہلی میں سخت قحط پڑا ۔

دہلی کی تمام رونق اور شان و شوکت جاتی رہی ۔ امیر تیمور کو دہلی کی عمارات بہت پسند آئیں ، چنانچہ وہ بہت سے ہنرمندوں اور کاریگروں کو اپنے ساتھ لے گیا ۔ اس سے برصغیر کی صنعت پر بُرا اثر پڑا ۔

امیر تیمور کے حملے سے تغلق خاندان کا رہا سہا وقار بھی ختم ہو گیا ۔ تمام برصغیر ایک بار پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا ۔ جونپور ، بنگال ، گجرات ، مالوہ ، پنجاب اور سندھ وغیرہ سب خود مختار ہو گئے ۔ اس طرح سلطنت دہلی کی مرکزیت ختم ہو گئی ۔

خضر خان (جسے تیمور نے پنجاب کا حاکم مقرر کیا تھا) نے دہلی پر قبضہ کر کے سید خاندان کی بنیاد ڈالی ۔

سید خاندان ۱۴۱۴ء تا ۱۴۵۱ء

۱۴۱۳ء میں سلطان محمود تغلق کی وفات کے بعد تغلق حکومت کا خاتمہ ہو گیا ۔ افغان امرا نے دولت خان کو اپنا سردار چن لیا مگر جلد ہی پنجاب کے حاکم خضر خان نے دہلی پر قبضہ کر کے سید خاندان کی بنیاد ڈالی ۔ خضر خان ۱۴۱۴ء میں دہلی کا بادشاہ بنا ۔ یہ سید نسل سے تھا اس لیے اس خاندان کو سید خاندان کہتے ہیں ۔ اس خاندان میں کل چار حکمران ہوئے اور انھوں نے کل ۳۷ سال حکومت کی ۔

خضر خان

خضر خان ایک مقبول حکمران اور بارعب سپہ سالار تھا ۔ لیکن اس کا عہد بغاوتوں کو کچلنے میں صرف ہوا ۔ اگر وہ بہتر حالات میں حکومت سنبھالتا تو یقیناً کامیاب حکمران ثابت ہوتا ۔ اس نے رعایا کی خوشحالی اور قیامِ امن کی ہر ممکن کوشش کی ۔ بغاوتوں کو دبانے میں اسے وقتی طور پر کامیابی بھی ہوتی رہی مگر وہ ملک سے انشتار و ابتری کو ختم نہ کر سکا ۔

اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مبارک شاہ حکمران بنا ۔ اس کا عہد بھی بغاوتوں اور شورشوں میں گزرا اور اسے قتل کروا دیا گیا مبارک شاہ کے قتل کے بعد اس کا بیٹا محمد شاہ تخت نشین ہوا ۔ اس کے عہد میں دربارِ دہلی ، سازشوں کا مرکز بن چکا تھا ۔ اس کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی گئی ۔ گوالیار اور دوسری باج گذار ہندو ریاستوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ۔ لاہور کے حاکم بہلول لودھی نے بھی بغاوت کر دی ۔ سید خاندان کا آخری حکمران علاءالدین شاہ تھا ، لیکن وہ بھی سست اور نااہل ثابت ہوا اور پنجاب کے حاکم بہلول لودھی نے بلا روک ٹوک دہلی پر قبضہ کر لیا ۔ سلطان تخت سے دستبردار ہو گیا ۔ اس طرح ۱۴۵۱ء میں بہلول لودھی نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے لودھی خاندان کی بنیاد ڈالی ۔

خاندان لودھی

۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء

بہلول لودھی ۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۹ء

بہلول لودھی پہلا افغان بادشاہ تھا - یہ لودھی خاندان کا بانی تھا - اس نے ۳۸ سال حکومت کی - دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے سلطنتِ دہلی کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرنے کی بہت کوشش کی- جاگیرداروں کو اپنا مطیع بنایا - بہلول لودھی کے پورے پچیس سال جونپور کی شرقی حکومت سے جنگ کرنے میں گزرے آخر کار اس نے جونپور کو فتح کر لیا ، جس سے اس کی عزت میں اضافہ ہوا - وہ سادہ مزاج تھا - غرور اور تکبر سے اسے سخت نفرت تھی ، وہ رعایا کا خاص خیال رکھتا تھا ، اور ان کی شکایات خود سنا کرتا تھا -

سکندر لودھی ۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۷ء

بہلول‌لودھی کی وفات (۱۴۸۹ء) کے بعد اس کا بیٹا سکندر لودھی تخت نشین ہوا - وہ طاقتور اور قابل حکمران تھا - اس نے گوالیار ، چندیری اور مالوہ کو فتح کیا - اس نے دہلی کے بجائے آگرہ کو دارالحکومت بنایا - باغیوں کو سختی سے دبایا، اور امن و امان قائم کیا - اس نے تجارت و زراعت کو ترقی دی ، جس سے رعایا خوشحال ہو گئی - سکندر لودھی کو رعایا کی فلاح و بہبود کا ہر وقت خیال رہتا تھا - شاہی خزانے سے بہت سا روپیہ خیرات کے طور پر تقسیم کیا جاتا تھا - اس کی ذاتی زندگی بہت پاکیزہ تھی - وہ علما کی بڑی قدر کرتا تھا -

ابراہیم لودھی ۱۵۱۷ء تا ۱۵۲۶ء

سکندر لودھی کی وفات (۱۵۱۷ء) کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم تخت نشین ہوا - یہ لودھی خاندان کا آخری حکمران تھا - یہ فطرتاً

ضدی اور بد مزاج تھا ۔ اس نے افغان امرا پر سختی کی ، جس سے کڑہ ، قنوج اور جونپور کے امرا نے بغاوت کر دی اور شاہی افواج کو شکست دی ۔ دریں اثنا پنجاب کے حاکم دولت خان لودھی نے ابراہیم کی سختیوں سے تنگ آ کر کابل کے بادشاہ بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی ۔ بابر نے موقع غنیمت جانا اور ۱۵۲۶ء میں پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم لودھی کو شکست دی ۔

ابراہیم لڑائی میں مارا گیا اور بابر دہلی کے تخت کا مالک بن گیا ۔ ابراہیم کی موت سے سلاطین دہلی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور مغلیہ سلطنت کی بنیاد پڑی ۔

سوالات

(۱) برصغیر پر امیر تیمور کے حملے کا حال بیان کیجیے ۔ اس کے کیا اثرات برآمد ہوئے ؟

(۲) سید خاندان کے عروج و زوال کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟

(۳) لودھی خاندان کے عروج و زوال کا مختصر حال لکھیے ۔

نواں باب

ہندو معاشرے پر اسلام کے اثرات

مسلمانوں کی آمد سے برصغیر کے لوگوں کی مذہبی اور معاشرتی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا ۔ مذہب اسلام کی خوبیوں نے ہندوؤں پر گہرا اثر ڈالا ۔ مسلم سلطنت کے قائم ہونے کے کچھ مدت بعد دونوں قومیں اچھے ہمسایوں کی مانند رہنے لگیں ۔ اس لیے قدرتی طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل ملاپ سے معاشرے پر اثر ہوا ۔

مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت فیاضی کا برتاؤ کیا ۔ مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے ، اور دور دراز علاقوں سے آئے تھے ۔ ان کے مقابلے میں ہندو یہاں بہت زیادہ تھے ، مسلمانوں نے ہندوؤں کو ملک کی حکومت میں مناسب حصہ دیا ۔ ہندو بے روک ٹوک اپنی مذہبی رسومات ادا کرتے ۔ کسی ہندو کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا ۔ مسلمان سلاطین نے جس حُسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا وہ دنیا کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے ۔

مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں اسلام پھیلا ، لیکن اسلام کی اشاعت میں بادشاہوں کا حصہ کم اور بزرگان دین کا حصہ بہت زیادہ ہے ۔ ان بزرگوں نے وسط ایشیا کے ملکوں سے آ کر پاک و ہند میں سکونت اختیار کی اور اپنے اخلاق ، رحم دلی اور شفقت کی وجہ سے لوگوں کے دل موہ لیے ، یہی وجہ تھی کہ ہندو عوام ، اسلام کی طرف راغب ہوئے اور انھوں نے اسلام کے عمدہ اصولوں سے متاثر

ہو کر مذہب اسلام قبول کر لیا ۔ یہ بزرگ تمام قوموں کو ایک انسانی کنبہ سمجھتے تھے ۔ وہ برہمنوں اور شودروں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتے تھے ، ان کی تعلیم سے ہندوؤں کے اوہام دور ہوئے ۔ ان کی بُری رسموں کا خاتمہ ہوا ۔ ان صوفیائے اکرام میں شیخ علی ہجویریؒ جن کو عام طور پر داتا گنج بخش کہا جاتا ہے ، خواجہ معین الدین چشتیؒ ، شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ، خواجہ بختیار کاکیؒ ، بابا فرید گنج شکرؒ ، اور حضرت نظام الدین اولیاؒ مشہور ہیں ۔ بنگال میں شیخ جلال الدین بخاریؒ سب سے پہلے تبلیغِ اسلام کے لیے آئے تھے ۔

کچھ ہندو رہنماؤں نے اسلامی اثرات کو بہت زیادہ قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو مذہب میں اسلامی توحید کا اثر نظر آنے لگا اور "بھگتی تحریک" شروع ہو گئی ۔ اس تحریک کے بانی خدا پرست ہندو تھے اور ان کے عقائد ، اسلام سے ملتے جلتے تھے ۔ انھوں نے مسلمان صوفیا سے رواداری ، محبت ، اخوت اور توحید کا سبق سیکھا اور ان ہی اصولوں کو اپنا لیا ۔ اس تحریک کے پرچارک بت پرستی سے نفرت کرتے تھے ۔ ذات پات کو برا سمجھتے تھے اور خدائے واحد کی عبادت پر زور دیتے تھے ۔ بھگتی تحریک کے خاص طور پر مشہور پرچارک چے تنیہ اور گورو نانک تھے ۔ چے تنیہ ۱۴۸۵ء میں بنگال میں پیدا ہوا ۔ پچیس برس کی عمر میں تارک الدنیا ہو گیا اور لوگوں کو بنی نوع انسان سے محبت کا سبق دینے لگا ۔ وہ ہر ایک کی عزت کرتا ، غریبوں کے دکھ میں کام آتا اور غرور سے نفرت کرتا تھا ۔ اس کے نزدیک برہمن اور شودر سب بھائی بھائی تھے ۔ بنگال کے ہندوؤں پرچے تنیہ کی تعلیم کا بہت اثر ہوا ۔

گورو نانک

نانک ، تلونڈی ننکانہ صاحب ضلع شیخو پورہ کے گاؤں میں ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے ۔ انھیں بچپن سے ہی غور و فکر کی عادت تھی ۔

تیس برس کی عمر میں فقیر ہو گئے ، اور دور دراز کے علاقوں کی سیاحت پر روانہ ہو گئے - وہ سادھوؤں اور مسلمان صوفیوں کی صحبت میں بیٹھے - پھر انھوں نے خدا کی وحدنیت کی تبلیغ کی - انھیں ذات پات سے سخت نفرت تھی - وہ خود غرضی ، جھوٹ اور دنیاداری کے سخت خلاف تھے - نانک کے خیالات میں اسلامی تعلیم کی جھلک نظر آتی ہے - جس فرقے نے اس کی تعلیم کو اپنایا وہ سکھ کہلایا -

بھگتی تحریک سے برصغیر میں بسنے والوں میں یک جہتی اور محبت کا جذبہ پیدا ہوا - مذہبی تعصب میں کمی ہوئی -

مسلمانوں کی آمد سے پہلے اکثر ہندو جاہل تھے کیونکہ ہندوؤں میں پڑھنے لکھنے کا کام صرف برہمنوں کے سپرد تھا - مسلمانوں نے برصغیر میں تعلیم عام کی - بہت سے ہندوؤں نے عربی اور فارسی زبانیں سیکھی - مسلمانوں نے سنسکرت کی کتابوں کا مطالعہ کیا - سرکاری زبان فارسی تھی اور مدرسوں میں تعلیم بھی اسی زبان میں دی جاتی - ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی میل جول سے جو نئی زبان پیدا ہوئی ، اس کو ''اردو'' کہا جاتا ہے - ''اردو'' ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''لشکر'' کے ہیں - یہ زبان فارسی ، ہندی ، عربی اور پنجابی زبانوں کے ملاپ سے بنی -

مسلم سلاطین ، رعایا کی جان و مال کے محافظ تھے - قحط کے دنوں میں حکومت کی طرف سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی بلا لحاظ مذہب مدد کی جاتی - علاءالدین خلجی نے جب اشیا کی قیمتیں مقرر کیں ، تو ملتان کے ہندو تاجروں کو کئی لاکھ ٹنکے مدد دی -

مسلمانوں سے قبل ہندو ، لباس کے معاملہ میں بہت پس ماندہ تھے - وہ اپنے جسم کو ایک یا دو چادروں سے ڈھانپ لیتے تھے - مسلمانوں نے پہلی دفعہ لباس سینے کا طریقہ رائج کیا -

سوالات

(۱) عہد سلاطین میں مسلمانوں نے ہندو معاشرے اور مذہب کو کس انداز میں متاثر کیا ؟

(۲) سلطنتِ دہلی کے دور میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے میل جول سے کیا اثرات برآمد ہوئے ؟

(۳) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :

(الف) بھگتی تحریک

(ب) چیتنیہ

(ج) گورو نانک

دسواں باب

سلطنتِ مغلیہ کا قیام

۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء

برصغیر پاک و ہند کی پوری تاریخ میں مغلیہ خاندان کی سی عظمت و سر بلندی کسی اور خاندان کو نصیب نہیں ہوئی ۔ اس خاندان کی بنیاد ۱۵۲۶ء میں بابر نے ڈالی اور عظمت کا یہ دور ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد ختم ہوا ۔ اس کے بعد مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہوئی ، تاہم ۱۸۵۷ء تک مغل شہنشاہ برائے نام حکمران رہے ۔ مغلوں سے پہلے دہلی کے حکمران ، سلاطین کہلاتے تھے ۔ مغل حکمرانوں نے سلطان کے بجائے ''بادشاہ'' کا لقب اختیار کیا ۔ زمانۂ عروج میں مغلوں کی سلطنت کابل سے لے کر بنگال و آسام تک اور کشمیر سے لے کر کرناٹک تک پھیلی ہوئی تھی ۔ ان کے دربار میں یورپ اور ایشیا کے ملکوں سے سفیر حاضر ہوتے اور سلطنت کا جاہ و جلال دیکھ کر دنگ رہ جاتے ۔

ظہیرالدین محمد بابر ۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء

ظہیرالدین محمد بابر والد کی طرف سے تیمور (چغتائی) اور والدہ کی طرف سے چنگیز خاں (تاتار) کی نسل سے تھا ۔ اس طرح اس کی رگوں میں وسط ایشیا کے دو بڑے فاتحوں کا خون دوڑ رہا تھا ۔ اس زمانے میں برصغیر کے لوگ شمال مغرب سے آنے والے حملہ آوروں

کو منگول کہتے تھے (منگول یا مغل ہم معنی الفاظ گنے جاتے ہیں) اس لیے بابر کا خاندان مغلیہ خاندان کے نام سے مشہور ہوا۔ بابر ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ عمر شیخ مرزا، فرغانہ کا حکمران تھا۔ فرغانہ، روسی ترکستان میں واقع ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ بابر، بارہ سال کی عمر میں اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ شروع ہی سے اسے سپاہیانہ زندگی اختیار کرنا پڑی۔ اس کے رشتہ دار اس کے دشمن بن گئے یہاں تک کہ اسے اپنا آبائی وطن (فرغانہ) بھی چھوڑنا پڑا۔ بابر نے تین دفعہ سمرقند کو فتح کیا لیکن یہ بھی اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ پھر بھی بابر مایوس نہ ہوا اور جد و جہد جاری رکھی۔ اس نے ان ابتدائی مہمات میں بڑی بہادری اور مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔ اس وجہ سے ترک سردار اسے بابر یعنی شیر کہتے تھے۔

جب بابر کو وسط ایشیا میں کامیابی کی کوئی امید نہ رہی، تو اس نے ۱۵۰۴ء میں کابل کو فتح کر کے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ بابر مدت سے ہندوستان پر حملہ کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ۱۵۲۵ء میں اس نے دولت خاں لودھی کو شکست دے کر لاہور اور دیپال پور پر قبضہ کر لیا۔

برصغیر پر حملے کی وجوہ

(۱) بابر، تیمور کی اولاد میں سے تھا۔ چونکہ تیمور نے برصغیر کو فتح کیا تھا، اس لیے بابر اسے اپنی میراث سمجھتا تھا اور فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

(۲) برصغیر پاک و ہند میں اس وقت کئی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں تھیں جن میں زیادہ مشہور سندھ، کشمیر، جونپور، بنگال، گجرات، مالوہ اور میواڑ کی ریاستیں تھیں۔ سلطنت دہلی اندرونی پھوٹ کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھی۔ ابراہیم لودھی، دہلی کا

حکمران بڑا مغرور اور ظالم تھا جس سے افغان سرداروں میں بد دلی پھیل گئی تھی - پنجاب کے حاکم دولت خاں لودھی نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور بابر کو برصغیر پر حملہ کرنے کی دعوت دی - چونکہ برصغیر کے دفاع کے لیے کوئی مرکزی حکومت موجود نہ تھی لٰہذا بابر نے اس موقعے کو غنیمت جانا -

پانی پت کی پہلی لڑائی ۱۵۲۶ء

بابر، بارہ ہزار فوج کے ساتھ برصغیر میں داخل ہوا - سب سے پہلے اس نے پنجاب کو فتح کیا - پھر دہلی کی طرف بڑھا - سلطان ابراہیم ایک لاکھ کا لشکر لے کر پانی پت کے میدان میں اس سے مقابلہ کرنے کے لیے پہنچا - ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو لڑائی شروع ہوئی - جلد ہی افغان فوج میں افراتفری پھیل گئی - اس کے ساتھ ہی بابر کا توپ خانہ گولے برسانے لگا - دوپہر تک لڑائی کا فیصلہ ہو گیا - افغان گھبرا کر بھاگ نکلے اور سلطان ابراہیم میدانِ جنگ میں لڑتا ہوا مارا گیا -

اس لڑائی میں بابر کو شاندار فتح ہوئی - اس نے آگے بڑھ کر دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا - یہ جنگ فیصلہ کن جنگ تھی - ابراہیم لودھی کی شکست سے پٹھانوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور مغلیہ سلطنت کی بنیاد پڑ گئی -

جنگ کنواہہ ۱۵۲۷ء

پانی پت کے میدان میں کامیابی کے بعد بابر، دہلی کے تاج و تخت کا مالک تو بن گیا مگر اسے شمالی برصغیر میں اقتدار حاصل کرنے کے لیے ابھی راجپوتوں سے ٹکر لینا تھی - راجپوتوں کا سب سے بڑا سردار رانا سانگا، میواڑ کا حاکم تھا - وہ بہت دلیر اور بے شمار لڑائیوں میں حصہ لے چکا تھا - وہ شمالی ہند میں ہندو حکومت قائم

کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ بابر کے حملے سے خوش تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بابر، ابراہیم لودھی کو شکست دے کر واپس چلا جائے گا اور اس طرح اس کے لیے شمالی ہند پر قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ لیکن جب اس کی امید کے خلاف بابر نے برصغیر میں سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا تو وہ بابر سے مقابلے کو تیار ہو گیا۔ اس موقعے پر ایک سو بیس راجے بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ رانا سانگا کی فوج بابر کی فوج سے سات، آٹھ گنا زیادہ تھی۔ کنواہہ کے میدان میں دونوں فوجوں کے مابین جنگ ہوئی۔ شروع میں مغل کچھ ہراساں ہوئے، لیکن بابر کی ولولہ انگیز تقریر سے مغل فوج کے حوصلے بلند ہو گئے۔ بابر نے اس وقت شراب پینے سے توبہ کی۔ مغل فوج نے بڑی دلیری سے حملہ کیا۔ راجپوتوں کو شکست ہوئی اور رانا سانگا میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔

اس شکست سے راجپوتوں کی بحالی کے امکانات ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔ اب کوئی ہندو ریاست ایسی نہ رہی جو بابر کے مقابلے پر آنے کا حوصلہ کر سکتی۔ بابر برصغیر میں بڑی طاقت بن گیا۔ اس فتح سے مغل حکومت کی بنیادیں اور مستحکم ہو گئیں۔ اگلے سال ۱۵۲۸ء میں بابر نے راجپوتوں کے مشہور قلعے چندیری کو فتح کر لیا۔ یہ قلعہ راجپوت سردار میدنی راؤ کے قبضے میں تھا۔ راجپوتوں سے فارغ ہو کر بابر نے افغانوں کی طرف توجہ دی۔ محمود لودھی بہار پر قبضہ کیے ہوئے تھا۔ افغان سردار اس کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے۔ بابر نے محمود لودھی کو گھاگھرا کے کنارے شکست دی۔ بنگال کے حاکم نے بھی بابر سے صلح کر لی۔ اس طرح بابر کی حکومت کابل سے لے کر بنگال تک وسیع ہو گئی۔ برصغیر میں مغلیہ سلطنت قائم کرنے کے چار سال بعد بابر وفات پا گیا۔

اس کی وفات عجیب انداز میں ہوئی۔ اس کا بیٹا ہمایوں بیمار ہو گیا۔ کسی علاج سے اسے فائدہ نہ ہوا۔ بابر کو ہمایوں سے بڑی

محبت تھی ۔ اس نے چار پائی کے گرد سات چکر لگائے اور خلوصِ دل سے اس کی صحت کی دعا کی اور اس کے عوض اپنی جان کی قربانی پیش کی ۔ چنانچہ ہمایوں رفتہ رفتہ تندرست ہو گیا ، مگر بابر بتدریج بیمار ہوتا چلا گیا اور ۱۵۳۰ء میں وفات پائی ۔ اس کی وصیت کے مطابق اسے کابل میں دفنایا گیا ۔

بابر کا کردار

بابر مضبوط جسم کا انسان تھا ۔ وہ دو آدمیوں کو بغلوں میں دبا کر قلعہ آگرہ کی دیواروں پر بھاگ سکتا تھا ۔ وہ اچھا تیراک تھا ۔ اس نے برصغیر کے تمام دریا تیر کر عبور کیے ۔ بابر خوش طبع اور فیاض بادشاہ تھا ۔ دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرنے کے بعد اسے بڑی دولت ملی ، لیکن بابر نے بڑی فیاضی سے کام لیا یہاں تک کہ خزانہ خالی ہو گیا ۔ بعد ازاں اس کے جانشین ہمایوں کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔

بابر مخلص ، مذہبی انسان تھا ۔ وہ اپنی تمام کامیابیوں کو اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ قرار دیتا اور میدان جنگ میں سربسجود ہو کر خدا کا شکر بجا لاتا ۔ رعایا کے ہر فرد کے ساتھ اس کا سلوک عمدہ تھا ۔ شروع میں اسے شراب سے کافی لگاؤ تھا لیکن جنگ کنواہہ کے بعد اس نے شراب نوشی ترک کر دی ۔ بابر کو قدرتی مناظر سے بڑی محبت تھی ۔ اس نے خوبصورت باغ لگوائے ۔ عالی شان عمارات اور مساجد تعمیر کرائیں ۔ اب ان میں سے اکثر تباہ ہو چکی ہیں ۔

بابر کو علم و ادب سے بہت لگاؤ تھا ۔ اسے فارسی اور ترکی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا ۔ اس نے اپنی سوانح حیات ”تزکِ بابری“ ترکی زبان میں لکھی جس کا طرز تحریر بہت عمدہ ہے ۔ اس کتاب میں برصغیر کے حالات بڑے دلچسپ انداز میں ملتے ہیں ۔ اسے خوش خطی کا بھی بڑا شوق تھا ۔ اس نے خوش خطی کی جو نئی طرز ایجاد کی اسے ”خطِ بابری“ کہتے ہیں ۔

بابر پیدائشی طور پر سپاہی اور عظیم فاتح تھا ۔ ابراہیم لودھی اور رانا سانگا جیسے طاقتور دشمنوں کو شکست دینا کوئی معمولی بات نہ تھی ۔ اس لیے اسے دنیا کے بہترین جرنیلوں میں شمار کیا جاتا ہے ۔

بابر تمام زندگی لڑائیوں میں مصروف رہا ۔ اس کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ انتظام سلطنت کی طرف توجہ دیتا ، تاہم اس نے ملک میں امن و امان بحال کیا اور رعایا کی بہتری کا خیال رکھا ۔

سوالات

(۱) بابر کی زندگی اور برصغیر میں اس کی فتوحات کا حال بیان کیجیے ۔

(۲) بابر کی سیرت اور کردار پر تبصرہ کیجیے ۔

(۳) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :

(أ) پانی پت کی پہلی لڑائی ۔

(ب) رانا سانگا ۔

گیارھواں باب

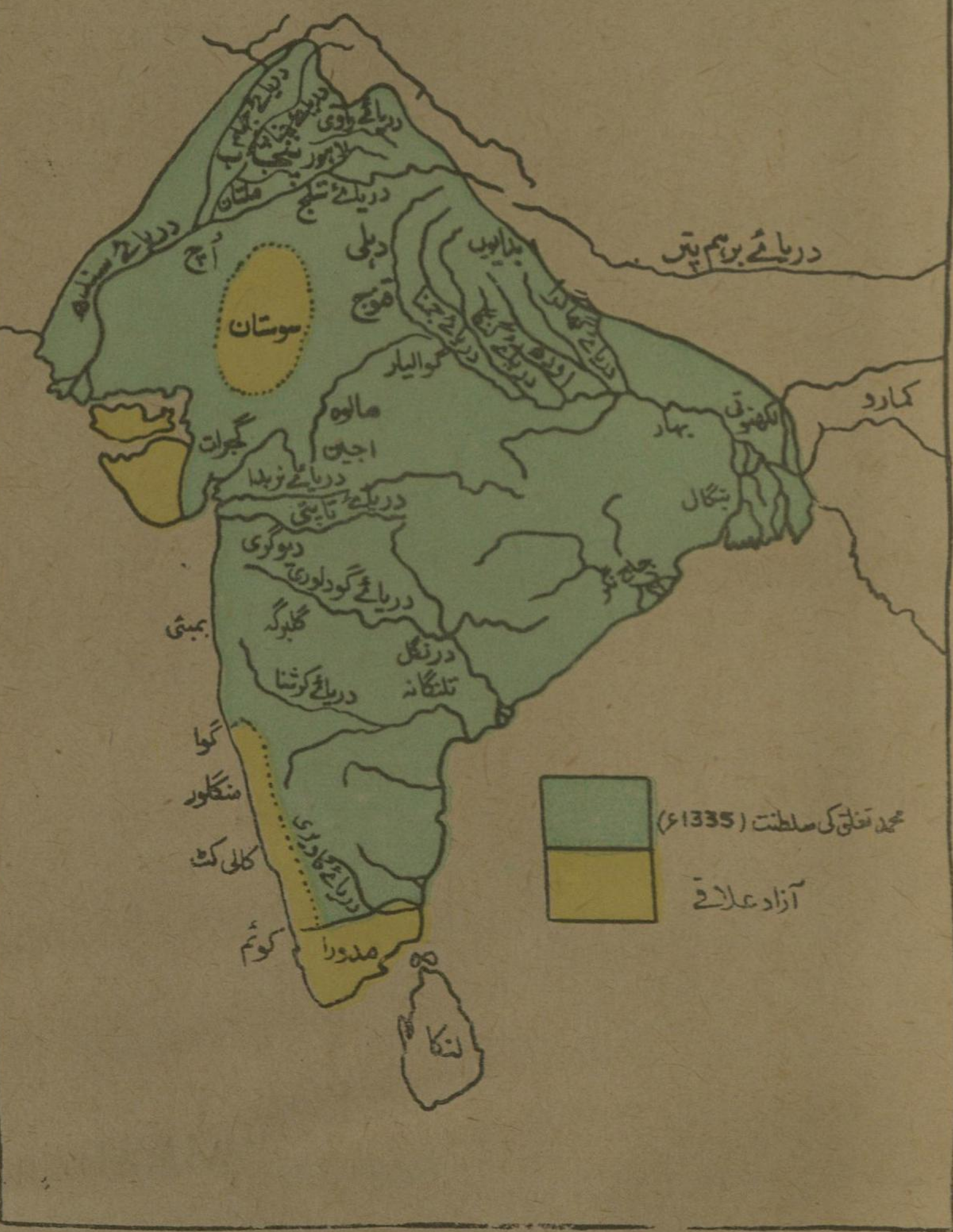
ہمایوں
۱۵۳۰ء تا ۱۵۵۶ء

ہمایوں ۱۵۰۷ء میں پیدا ہوا - بابر نے اسے بہت اچھی تعلیم دلائی تھی - وہ اپنے باپ کے ساتھ رہ کر ملکی انتظام کا تجربہ بھی حاصل کر چکا تھا - جب ۱۵۳۰ء میں بابر کی وفات ہوئی تو اس نے باپ کی جگہ لی اور نصیرالدین محمد ہمایوں کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

ہمایوں کو تخت نشین ہونے کے بعد چند ایک مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ، جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بابر کو اپنی مختصر زندگی میں سلطنت کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا موقع نہ ملا۔ اگرچہ بابر نے افغانوں کو پانی پت اور گھاگھرا کی لڑائیوں میں شکست دی تھی مگر ان کی قوت پوری طرح نہ کچلی جا سکی - نتیجہ یہ ہوا کہ بابر کے مرتے ہی دشمنوں نے سر اٹھا لیا - جونپور میں محمود لودھی ، بنگال میں شیر شاہ اور گجرات میں بہادر شاہ ، سب ہمایوں کو برصغیر سے نکالنے کے درپے ہو گئے اور انھوں نے جا بجا فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دیا -

ہمایوں فیاض حکمران تھا - وہ ضرورت سے زیادہ رحم دل تھا - ہمایوں کو باپ نے وصیت کی تھی کہ بھائیوں سے رواداری اور مہربانی کا سلوک کرنا - ہمایوں نے اپنے باپ کی وصیت کا پورا پورا احترام کیا اور اپنی سلطنت کے بہترین علاقے اپنے بھائیوں کو دے دیے - کامران کو قندھار اور کابل ، عسکری کو سنبھل ، ہندال کو الور

سلطنتِ تغلق (1335ء)



اور میوات کے علاقے دے دیے۔ یہ سلوک بے حد فیاضانہ تھا، لیکن یہ تینوں سوتیلے بھائی ہمایوں کے بدخواہ ثابت ہوئے، اور قدم قدم پر انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ کامران نے پنجاب پر بھی قبضہ کر لیا اور ہمایوں نے نرم مزاجی سے کام لیتے ہوئے پنجاب کو اس کے حوالے کر دیا۔ یہ ہمایوں کی بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ فوج کے بہترین سپاہی پنجاب کی سر زمین سے بھرتی کیے جاتے تھے۔ کامران کی دغا بازی سے ہمایوں عمدہ فوج سے محروم ہو گیا اور یوں اس کی فوجی طاقت کمزور پڑ گئی۔

ہمایوں بہادر سپاہی تھا لیکن اچھا سالار نہیں تھا۔ اس کے کردار میں کچھ خامیاں تھیں۔ وہ پختہ ارادے کا مالک نہیں تھا۔ جس کام کو شروع کرتا اسے ادھورا چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جاتا۔ ہمایوں نے سب سے پہلے کالنجر کے قلعے کا محاصرہ کیا لیکن اس مہم کو ادھورا چھوڑ کر جونپور کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے جونپور کے محمود لودھی کو شکست دی اور اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ پھر شیر شاہ سوری کو چنار کا قلعہ خالی کرنے کا حکم دیا، مگر شیر شاہ نے انکار کر دیا۔ اس پر ہمایوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ شیر شاہ نے صلح کی درخواست کی تو ہمایوں نے کم عقلی سے کام لیا اور شیر شاہ کو بھی معاف کر دیا۔

شیر شاہ جیسے دشمن کی طاقت کو کچلے بغیر وہ بہادر شاہ والیٔ گجرات سے مقابلہ کرنے کے لیے بڑھا۔ جب ہمایوں نے گجرات پر چڑھائی کی تو بہادر شاہ، چتوڑ کی رانی کے خلاف جنگ کر رہا تھا۔ اس نے ہمایوں کو لکھا کہ میں راجپوتوں کے خلاف جہاد کر رہا ہوں لہٰذا آپ ابھی میری مخالفت نہ کریں۔ اس پر ہمایوں نے دور اندیشی سے کام نہ لیا اور لڑائی سے ہاتھ روک لیا۔ دوسری طرف چتوڑ کی رانی نے ہمایوں سے مدد مانگی لیکن ہمایوں نے اس کی مدد نہ کی۔ بعد میں ہمایوں نے بہادر شاہ کے خلاف جنگ لڑی اور اسے فتح ہوئی لیکن اس نے گجرات کا انتظام اپنے نالائق بھائی عسکری کے

سپرد کر دیا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال بعد دوبارہ بہادر شاہ نے گجرات پر قبضہ کر لیا ۔

شیر شاہ سے مقابلہ

شیر شاہ پورے صوبہ بنگال و بہار پر قابض ہو چکا تھا ۔ جب ہمایوں اس کے خلاف بڑھا تو اس نے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی ۔ بلکہ بلا روک ٹوک ہمایوں کو ملک کے اندر دور تک جانے دیا چنانچہ اس نے بنگال کے صدر مقام گوڑ پر بھی قبضہ کر لیا ۔ ہمایوں نے اس شہر کا نام جنت آباد رکھا اور آٹھ ماہ تک وہاں عیش عشرت میں مصروف رہا ۔ لیکن موسم برسات کے شروع ہوتے ہی شیر شاہ نے ہمایوں کے مواصلات کا سلسلہ منقطع کر دیا ۔ جب ہمایوں نے واپس آگرہ لوٹنا چاہا (کیونکہ اس کے بھائی ہندال نے بغاوت کر دی تھی) تو شیر شاہ نے راستہ روک لیا ۔

۱۵۳۹ء میں چونسہ کے مقام پر دونوں میں جنگ ہوئی ۔ ہمایوں کی فوج کو سخت نقصان پہنچا ۔ آٹھ ہزار کے قریب سپاہی دریا میں ڈوب کر مر گئے ۔ ہمایوں نے بھاگ کر جان بچائی اور گھوڑا دریا میں ڈال دیا ۔ نظام سقہ نے اس کی جان بچائی (بعد میں ہمایوں نے اسے ایک دن کی بادشاہت عطا کی) چونسہ کی فتح سے شیر خاں کا وقار بہت بلند ہو گیا ۔ اس نے ''شیر شاہ'' کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ۔ اس نے ہمایوں کا پیچھا کیا ۔ ہمایوں نے دہلی پہنچ کر فوج اکٹھی کی مگر اس نازک وقت میں بھی بھائیوں نے اس کی کوئی مدد نہ کی ۔ قنوج کے مقام پر ۱۵۴۰ء میں شیرشاہ سے پھر جنگ ہوئی مگر ہمایوں کو شکست ہوئی ۔ اسے ملک چھوڑنا پڑا ۔ وہ شکست فیصلہ کُن تھی ۔ ہمایوں تاج و تخت سے محروم ہو گیا ۔ شیر شاہ بادشاہ بن گیا اور پاک و ہند میں از سر نو افغانوں کا اقتدار قائم ہو گیا ۔

شیر شاہ سے آخری بار شکست کھا کر ہمایوں لاہور پہنچا تاکہ کامران سے مدد مانگے لیکن اس سے مایوس ہو کر ، اس نے سندھ کا

رخ کیا اور کئی مصیبتیں جھیلتا ہوا عمر کوٹ کے رانا کے ہاں پہنچا یہیں ۱۵۴۲ء میں اس کا بڑا لڑکا اکبر پیدا ہوا - ہمایوں وہاں سے قندھار کے راستے ایران چلا گیا - شاہِ ایران نے کچھ شرطوں پر اس کی مدد کرنا منظور کر لی - چودہ سو ایرانی سپاہی لے کر اس نے پہلے قندھار اور پھر کابل فتح کیا - شیر شاہ سوری وفات پا چکا تھا - اس کے جانشین نہایت کمزور تھے - چنانچہ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے برصغیر پر حملہ کیا - پنجاب فتح کرنے کے بعد سکندر سوری کی فوجوں سے سرہند کے مقام پر مقابلہ ہوا اور مغلوں کو فتح ہوئی - ہمایوں نے دہلی اور آگرہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا - اب کے اس نے چھے مہینے حکومت کی - ۲۴ جنوری ۱۵۵۶ء کو ہمایوں کتب خانے کی چھت سے گر کر مر گیا -

ہمایوں علم دوست اور کتابوں کا شوقین تھا - اس نے سفر کے زمانے میں بھی اپنا کتب خانہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا - ستاروں کے علم سے بھی ہمایوں کو بڑی دلچسپی تھی - اس نے سات سیاروں کے نام پر سات دیوان تعمیر کروائے - وہ ایران سے مصور اور اہلِ علم و فن اپنے ساتھ لایا جن سے یہاں کے فنکاروں نے ان کا فن سیکھا - اس نے آگرہ کے قریب دریائے جمنا میں کئی کشتیاں جوڑ کر ایک تیرتا ہوا محل بنوایا جس کی کئی منزلیں تھیں - اس کے ساتھ باغ اور بازار بھی تھے - ہمایوں ثابت قدم سپاہی تھا اور اپنا کھویا ہوا تخت دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا -

سوالات

(۱) ہمایوں کی سیرت پر بحث کیجیے - اس کی ناکامی میں اس کی سیرت کا کہاں تک حصہ تھا ؟

(۲) ہمایوں کی فوجی مہمات کا حال بیان کیجیے -

بارھواں باب

شیر شاہ سوری

شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید خان تھا ۔ اس کا باپ حسن خان صوبہ بہار میں معمولی جاگیر دار تھا ۔ فرید اپنی سوتیلی ماں کے سلوک سے تنگ آ کر جونپور چلا گیا اور وہاں دل لگا کر علم حاصل کیا ۔ باپ نے خوش ہو کر اسے واپس بلا لیا اور جاگیر کا انتظام اس کے سپرد کر دیا ۔ فرید نے جاگیر کا عمدہ انتظام کیا لیکن سوتیلی ماں نے اس کے پاؤں نہ جمنے دیے اور وہ دوبارہ گھر سے نکلنے پر مجبور ہو گیا ۔ اب اس نے دہلی میں ابراہیم لودھی کے امیر دولت خان کے ہاں ملازمت کر لی ۔ جب اس کا باپ فوت ہوا تو دولت خان نے سلطان سے سفارش کر کے جاگیر اسے دلوا دی ۔ بعد ازاں فرید ، بہار کے صوبے دار کے ہاں ملازم ہو گیا ۔ یہاں اس نے خوب ترقی کی اور ایک شیر کو مار کر شیر خان کا خطاب پایا ۔ پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے وہ بہار کا خود مختار حاکم بن گیا ۔ اس کے بعد اس نے بنگال پر بھی قبضہ کر لیا ۔ شیر خان بڑا ذہین ، موقع شناس اور عقل مند تھا ۔ اس نے ہمایوں کی غلطیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ۔ جب ہمایوں اس کے خلاف بڑھا تو اس نے پہلے اسے چونسہ اور پھر قنوج کے مقام پر شکست دی ۔ ہمایوں ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گیا اور شیر خان ، شیر شاہ کے لقب سے برصغیر کا بادشاہ بن گیا ۔ اس طرح شیر شاہ نے اپنی ذاتی قابلیت اور ہمت سے ایک معمولی جاگیر دار کے بیٹے سے حیرت انگیز ترقی کر کے دہلی کا تاج و تخت حاصل کر لیا ۔

شیر شاہ کی فتوحات

شیر شاہ عمدہ جرنیل اور زبردست فاتح تھا ۔ دہلی و آگرہ کو فتح کر کے اس نے وقت ضائع کیے بغیر پنجاب پر قبضہ کر لیا اور سرحدی قبائل کو مطیع کیا ۔ پنجاب سے لے کر بنگال تک امن و امان قائم کرنے کے بعد اس نے اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کے لیے فتوحات شروع کیں اور گوالیار ، مالوہ اور رنتھمبور پر قبضہ کر لیا ۔ ۱۵۴۳ء میں اس کے جرنیلوں نے ملتان اور سندھ کو فتح کر لیا ۔ اس سے اگلے سال سلطان نے مارواڑ کے مشہور راجپوت راجا مالدیو کو شکست دی ۔ پھر میواڑ کا رخ کیا ، اور وہاں کے مشہور قلعے چتوڑ کو فتح کیا ۔ ۱۵۴۵ء میں اس نے کالنجر کے قلعے کا محاصرہ کیا لیکن بارود میں آگ لگ جانے کی وجہ سے جھلس گیا اور چند روز بعد جب قلعہ فتح ہوا تو شیر شاہ وفات پا گیا ۔

شیر شاہ بڑا دانشمند ، موقع شناس اور قابل حکمران تھا ۔ اس نے برصغیر پر صرف پانچ سال حکومت کی لیکن اس مختصر عہد میں بھی اس نے شاندار اصلاحات نافذ کیں ۔ مرکزی حکومت کو مضبوط بنایا ، رواداری اور انصاف سے حکومت کی ۔ ذرائع آمد و رفت کو ترقی دی ۔ زراعت کو ترقی دے کر رعایا کو خوش حال بنایا ۔ یہی وجہ ہے کہ شیر شاہ برصغیر کا قابل ترین حکمران مانا جاتا ہے ۔

اصلاحات

شیر شاہ بڑا محنتی اور بیدار مغز حکمران تھا ۔ اس نے نظم و نسق سنوارنے کے لیے دن رات محنت کی ۔ حکومت کے تمام محکموں کی وہ خود نگرانی کرتا تھا ۔ انتظام میں سہولت پیدا کرنے کے لیے اس نے اپنی سلطنت کو ۴۷ سرکاروں میں تقسیم کیا ۔ ہر سرکار میں کئی پرگنے ہوتے تھے ۔ ہر پرگنے میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے ، انصاف کرنے کے لیے اور مالیہ وصول کرنے کے لیے افسران مقرر

تھے - اس طرح پرگنے کے کام کی نگرانی کے لیے ہر سرکار میں افسران مقرر تھے -

مالی اصلاحات

شیر شاہ نے سلطنت کی تمام قابلِ کاشت زمین کی پیمائش کروائی اور اسے بیگھوں میں تقسیم کیا - پیداوار کا ایک تہائی حصہ سرکاری مالیہ مقرر کیا گیا - کاشتکاروں کو اختیار تھا کہ لگان جنس یا نقدی میں ادا کریں - انھیں مالیہ براہ راست خزانے میں داخل کرنے کی اجازت تھی - قحط کے زمانے میں مالیہ معاف کر دیا جاتا اور کاشتکاروں کی ہر ممکن مدد بھی کی جاتی -

فوجی اصلاحات

شیر شاہ کا فوجی نظام نہایت عمدہ تھا - اس نے مستقل شاہی فوج بھرتی کی، جس میں تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار سوار، پچیس ہزار پیادہ اور پانچ ہزار ہاتھی تھے - شیرشاہ نے سلطنت کے مختلف حصوں میں چھاؤنیاں قائم کیں - چھاؤنی کے اعلیٰ افسر کو فوج دار کہتے تھے - شیر شاہ فوج کا باقاعدہ معائنہ کرتا تھا - سپاہیوں کی تنخواہ خود مقرر کرتا تھا - بھرتی کے وقت ہر سپاہی کا تفصیلی حُلیہ لکھا جاتا - اس نے فوج کے گھوڑوں کو داغنے کا طریقہ رائج کیا - ان اقدامات سے فوج میں فریب کاری ختم ہو گئی - فوجیوں کو سختی سے ہدایت تھی کہ وہ لڑائی پر جاتے وقت فصلوں کو نقصان نہ پہنچائیں -

عدل و انصاف

شیر شاہ انصاف پسند حکمران تھا - اس کے زمانے میں امیر، غریب اور چھوٹے بڑے سب قانون کی نگاہ میں برابر تھے - اس نے انصاف کے لیے ہر پرگنے میں امین، قاضی اور منصف مقرر کیے - سزائیں سخت اور عبرت ناک تھیں - رعایا کی حفاظت کے لیے پولیس

کا انتظام بڑا عمدہ تھا ۔ چوری یا قتل کی واردات ہو جاتی تو گاؤں کا نمبردار پتا لگاتا تھا ۔ اگر مجرموں کا پتا نہ چلتا تو نمبردار کو نقصان پورا کرنا پڑتا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جرائم بالکل ختم ہو گئے ۔

ذرائع آمد و رفت

شیر شاہ نے رعایا کی سہولت کے لیے بہت سی سڑکیں بنوائیں۔ سب سے بڑی سڑک ۱۵۰۰ میل لمبی تھی ، جو سنار گاؤں(بنگال) سے شروع ہو کر رہتاس(جہلم)تک جاتی تھی ، آج کل اسے جرنیلی سڑک کہا جاتا ہے ۔ دوسری سڑک آگرہ سے برہان پور تک ، تیسری آگرہ سے جودھ پور اور چوتھی لاہور سے ملتان جاتی تھی ۔ ان سڑکوں کے دونوں طرف سایہ دار درخت لگوائے گئے اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سرائیں اور کنوئیں بھی تعمیر کروائے گئے ۔

ان سراؤں میں ڈاک لے جانے والے تازہ دم گھوڑے بھی موجود رہتے جس سے ڈاک کا انتظام باقاعدہ ہو گیا ۔ سڑکوں کی تعمیر سے ذرائع آمد و رفت بہتر ہو گئے ، جس سے تجارت کو فروغ ہوا۔شیرشاہ نے ملک بھر میں جاسوس پھیلا رکھے تھے ، جو ہر علاقے کی خبریں جمع کر کے بادشاہ کو روزانہ روانہ کرتے تھے ۔ اس طرح وہ سلطنت کے حالات سے باخبر رہتا تھا ۔

شیر شاہ کو عمارتوں کا بھی شوق تھا ۔ اس نے دہلی کا نیا شہر بسایا ۔ سہسرام میں اس نے اپنا مقبرہ خود بنوایا تھا ۔ جہلم کے قریب ''قلعہ رہتاس نو'' تعمیر کرایا ۔

شیر شاہ نے سابق حکمرانوں کے سکے ختم کر کے نئے سکے جاری کیے ۔ شیر شاہی روپیہ ، چاندی کا اور سولہ آنے کا تھا ۔ اس سے تجارت کے فروغ میں بھی مدد ملی ۔

خیراتی ادارے

شیر شاہ نے خیراتی مقاصد کے لیے دل کھول کر رقمیں دیں - وہ کہا کرتا تھا کہ "میری سلطنت کی خوش حالی مذہبی لوگوں، غریبوں اور حاجت مندوں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے"۔ اس نے علم و ادب کی بھی سرپرستی کی اور علما، طالب علموں اور مسجدوں کے اماموں کے وظیفے مقرر کیے - ملک بھر میں لنگر خانے قائم کیے جہاں غریبوں کو کھانا مفت دیا جاتا تھا -

مذہبی رواداری

شیر شاہ سوری 'سنی' حکمران تھا اور شرعی احکام کا پابند تھا لیکن وہ تنگ نظر نہیں تھا۔ وہ رعایا کے ساتھ بلالحاظ مذہب، شفقت سے پیش آتا تھا - اس نے ہمیشہ رواداری سے کام لیا - ہندوؤں کو حکومت کے کام میں حصہ لینے کا پورا موقع دیا - انھیں ملازمتیں دیں - پیدل فوج میں کافی ہندو تھے - اس کا ایک فوجی سالار ہندو تھا - ہندوؤں کو مکمل مذہبی آزادی تھی - اسی طرح شیر شاہ نے آنے والی نسلوں کو بھی رواداری کا سبق سکھایا -

مؤرخین نے بجا طور پر شیر شاہ کو اکبر کا پیش رو گنا ہے۔ دراصل اکبر کی اصلاحات شیر شاہ کے نقش قدم پر تھیں - شیر شاہ کی فوجی اصلاحات، مالیہ کا نظام، عدل و انصاف اور مذہبی رواداری کی پالیسی اکبر کے لیے ایک نمونہ تھی - اس نے شیر شاہ کے نظامِ حکومت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا -

شیر شاہ کا جانشین سلیم شاہ اپنے باپ جیسی قابلیت نہ رکھتا تھا - اس نے آٹھ سال کی حکومت کے بعد وفات پائی - پھر عادل شاہ سوری حکمران بنا، لیکن وہ بڑا عیاش اور بُزدل شخص تھا - اس نے سلطنت کا کام ایک ہندو بنیے ہیموں کے سپرد کر دیا - اس سے ملک میں کئی جگہ بغاوتیں شروع ہو گئیں - پنجاب میں سکندر سوری

خود مختار ہو گیا ۔ یہ حالت دیکھ کر ہمایوں کو دوبارہ واپس آنے کا موقع مل گیا ۔

سوالات

(۱) شیر شاہ سوری نے کس طرح تخت حاصل کیا ؟ اس کی فتوحات تحریر کیجیے ۔

(۲) شیر شاہ سوری کی انتظامی اصلاحات اور کارنامے بیان کیجیے ۔

تیرھواں باب

اکبر اعظم

۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء

مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر نے انچاس (۴۹) برس حکومت کی ۔ وہ مغلیہ خاندان کا سب سے بڑا حکمران تھا ۔ اس کے عہد میں شاندار فتوحات ہوئیں ، جس سے مغلیہ سلطنت بڑی وسیع ہو گئی ۔ اکبر تعلیم یافتہ نہ تھا لیکن بڑا قابل ، دانش مند اور دُور اندیش حکمران تھا ۔ اس نے راجپوتوں اور ہندوؤں سے اچھا سلوک کرکے انھیں اپنا مطیع کر لیا اور مفید اصلاحات سے مغلیہ سلطنت کو مضبوط کیا ۔ اسی لیے اُسے مغلیہ سلطنت کا اصل بانی کہا جاتا ہے اور وہ اکبر اعظم کہلانے کا مستحق ہے ۔

اکبر ۱۵۴۲ء میں پیدا ہوا ۔ جب ہمایوں کا انتقال ہوا تو اکبر کی عمر چودہ سال کی تھی اور وہ اس وقت کلانور ضلع گورداسپور میں تھا ۔ اس کے اتالیق اور وفادار جرنیل بیرم خان نے اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا ۔ اکبر ناتجربہ کار اور نو عمر تھا ۔ ہر جانب دشمنوں کے نرغے میں تھا ۔ ہمایوں نے صرف پنجاب ، دہلی اور آگرہ پر ہی قبضہ کیا تھا ۔ باقی سلطنت ابھی تک دشمنوں کے ہاتھ میں تھی ۔ بنگال ، مالوہ ، گجرات ، سندھ ، ملتان ، کشمیر اور راجپوتانہ کی ریاستیں اپنی اپنی جگہ خود مختار تھیں ۔ سوری خاندان کا بادشاہ عادل شاہ سوری خود چنار میں مقیم تھا اور اس کا جرنیل ہمیوں ، مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کھڑا تھا ۔

پانی پت کی دوسری لڑائی

ہیموں بقال نے پیش قدمی کر کے مغل گورنر تردی بیگ کو شکست دی اور دہلی و آگرہ پر قبضہ کر لیا ۔ دارالحکومت چھن جانے سے مغلوں کے لیے حالات بڑے مایوس کن ہو گئے ۔ اکثر امرا کابل لوٹ جانا چاہتے تھے لیکن بیرم خان نے ہیموں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی اور تردی بیگ پر جو میدان جنگ سے بھاگ آیا تھا ، غداری اور بزدلی کا الزام لگا کر پھانسی دے دی ۔ اس کا حشر دیکھ کر دوسرے سردار خوفزدہ ہو گئے اور انھوں نے واپس جانے کا نام نہ لیا ۔

پانی پت کے تاریخی میدان میں مغل فوج اور ہیموں کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی ۔ ہیموں کو شکست ہوئی ۔ پانی پت کی دوسری لڑائی سے دہلی اور آگرہ پر اکبر کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور مغل خاندان کی بادشاہت از سر نو بحال ہوئی ۔ کچھ عرصے کے بعد سکندر سور نے بھی اکبر کی اطاعت کر لی ۔

فتوحات

اکبرِ اعظم ایک عظیم فاتح تھا ۔ وہ کہا کرتا تھا "بادشاہ کو ہمیشہ فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے ورنہ ہمسائے اس کے خلاف ہتھیار سنبھال کر کھڑے ہو جائیں گے" ۔

اکبر کے عہد حکومت کے پہلے چار برسوں میں بیرم خان نے گوالیار ، اجمیر اور جونپور کے علاقے فتح کیے ۔ ۱۵۶۰ء میں اکبر نے پیر محمد اور ادہم خان کو فوج دے کر مالوہ کا علاقہ فتح کرنے کے لیے بھیجا ۔ مالوہ کے حاکم باز بہادر کو شکست ہوئی اور یہ صوبہ مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا ۔ مغل جرنیل آصف خان نے ۱۵۶۴ء میں گونڈوانہ کی رانی درگاوتی کو شکست دی اور سارا علاقہ مغل حکومت میں شامل کر لیا ۔

چتوڑ

میواڑ کی ریاست راجپوتانہ میں سب سے زیادہ مشہور تھی - چتوڑ اس ریاست کا پایۂ تخت تھا - وہاں کا راجا اودے سنگھ رانا سانگا کا لڑکا تھا(رانا سانگا نے بابر کا مقابلہ کیا تھا) اس حکمران خاندان کا غرور و تکبر مشہور تھا - اکبر خود فوج لے کر چتوڑ کی طرف بڑھا - راجا خود پہاڑوں میں چھپ گیا اور اکبر نے وہاں کے مشہور قلعے چتوڑ کو ۱۵۶۸ء میں فتح کر لیا لیکن اودے سنگھ کا بیٹا رانا پرتاپ مغلوں کے خلاف لڑتا رہا اور اُس نے مغلوں کی اطاعت قبول نہ کی - ۱۵۶۹ء میں مغل سالاروں نے رنتھمبور اور کالنجر کی ریاستیں بھی فتح کر لیں اور وہاں کے راجاؤں نے اکبر کی اطاعت قبول کر لی - ۱۵۷۰ء میں بیکانیر ، جیسلمیر اور جودھ پور کے حکمرانوں نے بھی اکبر کی اطاعت قبول کر لی - اس طرح تمام راجپوتانہ اکبر کے قبضے میں آ گیا -

گجرات

۱۵۷۲ء میں اکبر خود فوج لے کر گجرات روانہ ہوا - وہاں کے حکمران نے اس کی اطاعت قبول کر لی، لیکن اس کی واپسی کے فوراً بعد بغاوت کر دی - اکبر نے دوبارہ گجرات کا رخ کیا اور بغاوت فرو کی - ۱۵۸۶ء میں گجرات ، مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا -

بنگال

اکبر نے ۱۵۷۴ء میں بنگال پر فوج کشی کی اور وہاں کے حکمران کو شکست دی - ۱۵۷۶ء میں بنگال , مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا -

مغلیہ افواج نے ۱۵۸۱ء میں کابل ، ۱۵۸۶ء میں کشمیر ، ۱۵۹۰ء میں جنوبی سندھ ، ۱۵۹۲ء میں اوڑیسہ ، ۱۵۹۴ء میں بلوچستان اور ۱۵۹۵ء میں قندھار فتح کر لیے - (ان مہمات میں بھگوان داس ،

قاسم خان اور عبدالرحیم خان خاناں سالار تھے) ۔ تمام شمالی ہند پر قابض ہونے کے بعد اکبر نے دکن کو فتح کرنے کا ارادہ کیا ۔ دکن میں ان دنوں چار مسلم حکومتیں تھیں ۔ خاندیش ، احمد نگر ، بیجا پور اور گولکنڈہ ۔

احمد نگر کی فتح

۱۵۹۳ء میں اکبر کی فوجوں نے عبدالرحیم خان خاناں کے شہزادہ مراد کے تخت احمد نگر پر حملہ کیا ۔ شاہِ احمد نگر کی سرپرست اس کی پھوپھی چاند بی بی تھی ۔ اس نے مردانہ وار مقابلہ کیا ۔ جب تک چاند بی بی زندہ رہی مغل فوج احمد نگر کے قلعے کو فتح نہ کر سکی ۔ کچھ عرصہ بعد وہاں کے سرداروں نے چاند بی بی سے غداری کر کے اسے قتل کر دیا اور مغلوں نے احمد نگر کو فتح کر لیا ۔ ۱۶۰۱ء میں اکبر نے خاندیش کے مشہور قلعے اسیر گڑھ کا محصرہ کیا اور یہ قلعہ طویل محاصرے کے بعد اس کے قبضے میں آ گیا ۔ اکبر نے دکن کے مفتوحہ علاقوں کو تین صوبوں میں تقسیم کیا ۔ احمد نگر ، خاندیش اور برار ۔ اس طرح مغلیہ سلطنت کی حدیں دور تک وسیع ہو گئیں ۔

اکبر اور راجپوت

اکبر دور اندیش حکمران تھا ۔ اس نے حالات کے مطابق راجپوتوں کو ساتھ ملانے کی پالیسی اختیار کی ۔ ان کے خلاف لڑنے کی بجائے انھیں اپنے حسن سلوک سے گرویدہ بنا لیا ۔ اکبر نے راجپوتوں کی بہت دل جوئی کی اور اپنے فیاضانہ سلوک سے ہندوؤں کا دل موہ لیا ۔ غیر مسلم رعایا میں وہ حد سے زیادہ ہردلعزیز ہو گیا جس سے مغلیہ سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہوئیں ۔

اکبر سے پہلے بھی مسلمان سلاطین اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بہت رواداری سے پیش آتے تھے لیکن اکبر کی رواداری حد سے

زیادہ بڑھ گئی ۔ اس نے راجپوت شہزادیوں سے شادیاں کر کے راجپوتوں کو اپنا رشتہ دار بنالیا ۔ ان کی بہت عزت و توقیر کی ۔ محل کے اندر انھیں ہندوؤانہ طریق پر عبادت کی اجازت دے دی ۔ گائے کے گوشت کا استعمال ممنوع قرار دے دیا ۔

اکبر نے راجپوت سرداروں کو اعلیٰ منصب عطا کیے۔ انھیں دربار میں مسلمان امرا کے برابر جگہ دی ۔ راجا بھگوان داس ، بیربل ، ٹوڈرمل اور مان سنگھ ، اکبر کے مشہور افسروں میں سے تھے ۔ ۱۵۶۴ء میں اکبر نے جزیہ بھی معاف کر کے ہندو رعایا کو خوش کر دیا ۔ جب اس نے دینِ الٰہی رائج کیا تو ہندو رعایا اور بھی خوش ہوئی ۔ ان اقدامات سے اکبر نے راجپوت حکمرانوں کو لڑے بغیر اپنا مطیع کر لیا ۔

نتائج

اکبر کی راجپوت حکمتِ عملی کامیاب رہی ۔ اس حکمت عملی سے مغلوں کے بدترین دشمن اُن کے جانثار بن گئے ۔ ہندو ، خاص طور پر راجپوت ہندؤ ، سلطنت مغلیہ کے قوی بازو بن گئے ۔ راجپوتوں نے حکومت کے ہر شعبے میں بہترین خدمات سر انجام دیں ۔ راجپوت فوجی مہموں میں جرنیل بنے ۔ کئی صوبوں کے گورنر بھی بنے ۔ مغلیہ سلطنت کو اس حکمت عملی سے وقتی طور پر فائدہ پہنچا ۔

ہندوؤں کا احیاء

اکبر کی اس حکمتِ عملی کے دور رس نتائج بہت تباہ کن نکلے ۔ اکبر نے رعایا کی اکثریت کو خوش کرنے کے لیے اسلام اور اس اصولوں کو خیر باد کہہ دیا ۔ حالانکہ اگر وہ اسلامی اصولوں پر چلتا ، تبلیغ کے ذریعے ہندوؤں کو دین برحق کی طرف بلاتا ، مسلمانوں کو حکمران طبقے کا درجہ دیتا تو اس سے سلطنت اور مضبوط ہوتی ۔ لیکن اکبر خود ہندوؤں کی طرف مائل ہو گیا ۔ ان کی خوشامد کے

لیے ان کے طور طریقے اور رسمیں اختیار کرلیں جس سے دین دار مسلمان بددل ہوگئے اور مغل حکومت سے ان کی دلی ہمدردی کم ہوگئی۔

اکبر نے راجپوتوں کو اپنی سلطنت کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا حالانکہ پنجاب کے مسلمان، مغل اور پٹھان، مسلم سلطنت کے قوی دست و بازو بن سکتے تھے۔ اس نے راجپوتوں کو ترجیح دے کر ہندوؤں کی فوجی طاقت کو مضبوط کیا اور مسلمانوں کی فوجی سپرٹ کو بیکار و مردہ کر دیا۔

اکبر کی حکمت عملی کا مدعا یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قوم بنائی جائے لیکن یہ بات ناممکن تھی۔ وجہ یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی روایات، مذہب، تہذیب و تمدن اور طور طریقے علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں۔ یہ دونوں قومیں کبھی بطور ایک قوم کے متحد نہیں ہوسکتیں۔ پس ہندوؤں اور مسلمانوں کی تفریق نہ مٹنی تھی نہ مٹ سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کی اس حکمت عملی سے ہندو طاقت پکڑتے گئے۔ ہندو راجے، شاہی خاندان کے معاملوں میں دخیل ہو گئے۔ زیادہ تر فوجی طاقت ان کے ہاتھ میں تھی اور وہ کافی بیدار ہو چکے تھے۔ چنانچہ انھوں نے مغل شہزادوں کی نااتفاقی کو ہوا دی اور مغلیہ سلطنت کے زوال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اکبر کے مذہبی رجحانات

اکبر شروع میں خوش عقیدہ مسلمان تھا۔ اسلامی فرائض پابندی سے ادا کرتا۔ اسے صوفیوں اور درویشوں سے بڑی عقیدت تھی۔ بزرگوں کے مزاروں پر حاضری دیتا۔ وہ اپنے ہم عصر بزرگ شیخ سلیم چشتیؒ کا مرید تھا۔ جب جہانگیر پیدا ہوا تو اِنھیں کی نسبت سے بیٹے کا نام سلیم رکھا، لیکن رفتہ رفتہ اکبر کے مذہبی خیالات میں تبدیلی آتی چلی گئی۔

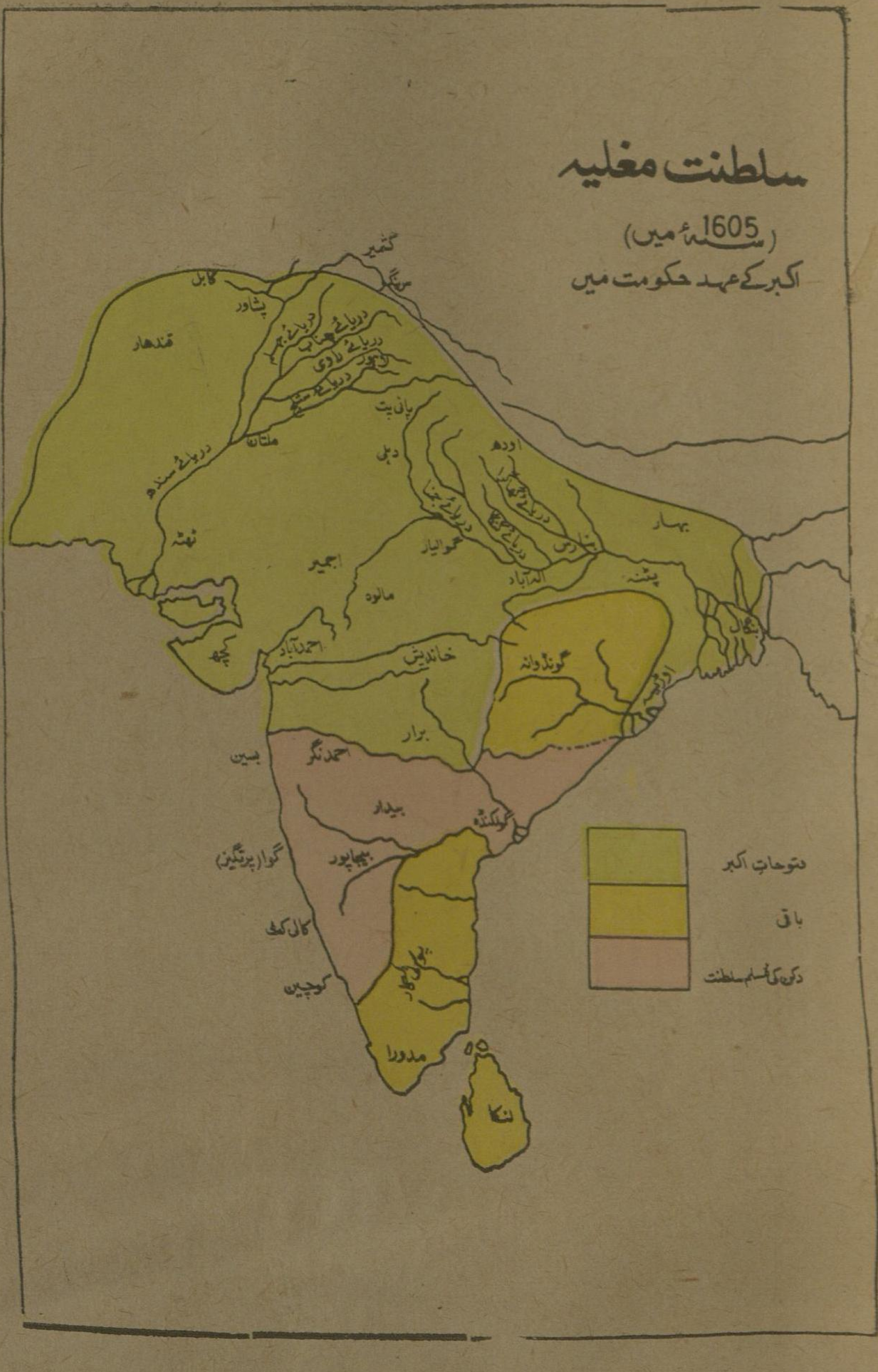
خیالات میں تبدیلی کی وجہ

شروع ہی سے اکبر ہر مذہب سے متعلق روا داری کا نظریہ رکھتا تھا ۔ وہ مغلیہ حکومت کو مستحکم بنانے کے لیے پاک و ہند کی تمام آبادی کا تعاون حاصل کرنا چاہتا تھا ۔ اکبر کے دل میں یہ خواہش تھی کہ وہ صرف مسلمانوں کا حکمران نہ کہلائے بلکہ تمام برصغیر کے عوام کا حکمران ہو ۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل ملاپ سے ایک نئی قوم معرض وجود میں لانا چاہتا تھا ۔ وہ اپنی رعایا کو متحدہ وحدت میں مدغم کرنے کا آرزو مند تھا ۔

اکبر نے ۱۵۶۲ء میں راجپوت شہزادیوں سے شادیاں کیں ، جس سے اس کے مذہبی عقائد پر بُرا اثر پڑا ۔ ہندو بیویوں کو خوش کرنے کے لیے اس نے جزیہ معاف کر دیا اور بہت سی ہندووانہ رسمیں اختیار کرلیں ۔ اکبر کے مشیر ابوالفضل اور فیضی آزاد خیال عالم تھے ۔ ان کے خیالات سے بھی بادشاہ کے مذہبی عقائد میں تبدیلی پیدا ہو گئی ۔ اکبر ہر بات کا تنقیدی جائزہ لیتا تھا اور بحث مباحثہ میں بھی دلچسپی رکھتا تھا ۔

۱۵۷۵ء میں اس نے مذہبی بحث کے لیے وسیع ہال بنوایا ، جس کا نام عبادت خانہ رکھا ۔ اس میں مختلف مذاہب کے علما بحث و مباحثہ کے لیے شریک ہوتے اور اپنے اپنے مذاہب کی برتری ثابت کرتے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر ، کم علمی کی وجہ سے اسلام سے دور ہوتا چلا گیا ۔

۱۵۷۹ء میں خوشامدی علما نے یہ فتویٰ دے دیا کہ مذہبی معاملات میں بادشاہ ہی سب سے بڑا مجتہد یا راہنما ہے ۔ حالانکہ ان پڑھ اور مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی بنا پر اسے مجتہد بننے کا کوئی حق نہ تھا ۔ یہ منصب سنبھالنے کے بعد اس نے مذہبی معاملات میں دخل دینا شروع کر دیا ۔



سلطنت مغلیہ
(سنہ 1605ء میں)
اکبر کے عہد حکومت میں
کشمیر
سرینگر
کابل
پشاور
قندھار
ملتان
دریائے سندھ
دریائے جہلم
دریائے چناب
دریائے راوی
دریائے ستلج
پانی پت
دہلی
اودھ
دریائے جمنا
بہار
بنارس
الہ آباد
پٹنہ
بنگال
ٹھٹہ
اجمیر
گوالیار
مالوہ
احمد آباد
کچھ
خاندیش
گونڈوانہ
اڑیسہ
برار
احمد نگر
بسین
بیدار
گولکنڈہ
بیجاپور
گوا (پرتگیز)
کالی کٹ
کوچین
مدورا
لنکا
فتوحاتِ اکبر
باقی
دکن کی مسلم سلطنت

اکبر سمجھتا تھا کہ تمام مذاہب میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہے لہٰذا اپنی عقل کے مطابق اس نے مختلف مذاہب کے چند اصولوں کو جمع کرکے ۱۵۸۲ء میں ایک نئے مذہبی طریقے کی بنیاد ڈالی جس کو عام طور پر ''دین الٰہی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے - اس میں اسلام کے علاوہ عیسائیوں، آتش پرستوں اور ہندوؤں کے عقائد و رسومات شامل تھیں - اس مذہب کے خاص اصول یہ تھے کہ خدا ایک ہے اور اکبر اس کا خلیفہ ہے - دین الٰہی کے پیرو، اکبر کے لیے اپنا دین، جان، مال اور عزت قربان کرنے کے لیے تیار تھے - دین الٰہی کے ارکان، سورج کی پوجا کرتے تھے- اس مذہب میں سؤر اور شیر کا گوشت حلال تھا - دین الٰہی کے اصول اس قدر لغو تھے کہ صرف چند اشخاص نے ہی اسے قبول کیا اور اکبر کے مرتے ہی اس مذہب کا خاتمہ ہوگیا - ''دین الٰہی'' سے ہندو رعایا مزید خوش ہوئی اور شہنشاہ کی رواداری کی تعریفیں ہونے لگیں -

نظامِ حکومت

اکبر نے ملک میں بڑا عمدہ نظام حکومت قائم کیا - اپنی سلطنت کو پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا - ہر صوبے کے حاکم کو صوبے دار (گورنر) کہتے تھے - اس کی امداد کے لیے دو افسر ہوتے تھے ایک دیوان اور دوسرا بخشی - دیوان، مالی معاملات کی نگرانی کرتا تھا اور بخشی، فوج کا اعلیٰ افسر ہوتا تھا - صوبے، سرکاروں اور پرگنوں میں تقسیم تھے - سرکار کے بڑے افسر کو فوجدار کہتے تھے - اس کی مدد کے لیے عامل اور دوسرے افسران ہوتے تھے - ہر صوبے میں وقائع نویس ہوتے تھے جو بادشاہ کو صوبے کے حالات کی رپورٹ بھیجتے تھے - اگر صوبے کے انتظام میں کوئی خرابی ہوتی تھی تو بادشاہ سختی سے پوچھ گچھ کرتا -

منصب داری نظام

حکومت کے افسر منصب دار کہلاتے تھے - منصب داری نظام

کا مقصد یہ تھا کہ فوج اور حکومت کا انتظام قابلِ اعتماد افراد کے ہاتھ میں رہے ۔ اکبر سے پہلے امرا اور جاگیرداروں کا فرض ہوتا تھا کہ ضرورت کے وقت بادشاہ کو سواروں کی ایک مقررہ تعداد بہم پہنچائیں ، لیکن بعض جاگیردار بددیانت تھے بلکہ جب ان کے فوجیوں کا معائنہ ہوتا تو عام لوگوں کو وردیاں پہنا کر پیش کر دیتے۔ اس طریقے کی خرابیوں کو رفع کرنے کے لیے اکبر نے منصب داری نظام قائم کیا ۔ جس طرح آج کل حکومتوں کے ملازموں کے مختلف درجے مقرر ہیں اسی طرح اس زمانے میں منصب داروں کے کئی درجے ہوتے تھے۔ چھوٹے سے چھوٹا منصب دس کا اور بڑے سے بڑا دس ہزار کا ہوتا تھا ۔ ہر منصب دار اپنے منصب کے مطابق گھڑ سواروں ، ہاتھیوں اور بار برداری کے جانوروں کی ایک مقررہ تعداد اپنے پاس رکھتا تھا اور لڑائی کے وقت بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا تھا ۔ ان منصب داروں کو نقد تنخواہ دی جاتی تھی ۔ منصب داروں کے تقرر ، ان کی ترقی اور برطرفی کا اختیار صرف بادشاہ کو ہی تھا ۔ بعض دفعہ چھوٹے درجے کا منصب دار آہستہ آہستہ ترقی کرکے بلند ترین منصب پر پہنچ جاتا تھا ۔ منصب دار کا عہدہ موروثی نہیں تھا ۔ ہر منصب دار کے مرنے پر اس کا عہدہ ، تنخواہ اور خطاب سب ختم ہو جاتے تھے ۔ مغلوں کے زمانے میں سول اور فوجی محکمے علیٰحدہ علیٰحدہ نہیں تھے ۔ منصب داری نظام میں ہر محکمے میں منصب داروں کا تبادلہ ہو سکتا تھا ۔ وزیروں کو فوجی افسر اور افسروں کو وزیر بنا دیا جاتا تھا ۔

مالی اصلاحات

اکبر نے مال گزاری کا نیا بندوبست قائم کیا ۔ اس نے قابلِ کاشت زمین کی پیمائش کروائی اور زمین کو پیداوار کے لحاظ سے چار قسموں میں تقسیم کیا ۔ پیداوار کا تیسرا حصہ ، سرکاری لگان

مقرر کیا گیا - قحط کے دنوں میں لگان میں کمی کر دی جاتی تھی اور کسانوں کو امدادی قرضے دیے جاتے - مالیہ کاشت کاروں سے براہ راست وصول کیا جاتا تھا اور مالیہ وصول کرنے والے افسروں کو ہدایت تھی کہ وہ کاشت کاروں کو تنگ نہ کریں - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسانوں کی حالت بہتر ہو گئی -

علمی و ثقافتی ترقی

اکبر کے عہد حکومت میں علم و ادب ، مصوری ، موسیقی اور ثقافت نے بے مثال ترقی کی - اس کے دربار میں بڑے قابل لوگ جمع تھے جن میں شیخ مبارک ، ابوالفضل ، فیضی ، عبدالرحیم خان خانان، راجہ بیربل ، راجہ ٹوڈر مل ، حکیم ابو الفتح اور تان سین کے نام خاص طور پر مشہور ہیں - اس دور میں بے شمار ہندی کتابوں کے ترجمے ہوئے - تاریخ کی کتابیں لکھی گئیں - ابوالفضل نے تاریخ کی دو کتابیں لکھیں جن کا نام ''اکبر نامہ'' اور ''آئین اکبری'' ہے - تان سین اس زمانے کا مشہور گویا تھا - اس کے بنائے ہوئے راگ آج تک گائے جاتے ہیں - عبدالصمد اس کے عہد کا مشہور مصوّر تھا - ملّا عبدالقادر بدایونی مشہور مؤرخ اور نظیری ، فیضی اور عرفی مشہور شاعر تھے - شیخ عبدالحق محدثؒ جیسے مسلمان عالم بھی اس عہد میں موجود تھے -

سیرت

اکبر رعب دار شخصیت کا مالک تھا - اس کا قد درمیانہ اور رنگ گندمی تھا - اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی - آواز پُر وقار اور بلند تھی - اس کی صحت نہایت عمدہ تھی اور اس کے چہرے سے جلال ٹپکتا تھا - وہ شکار اور سواری کا بہت شوقین تھا - درندوں کا شکار اس بے باکی سے کرتا تھا کہ دیکھنے والے دم بخود رہ جاتے - ہاتھیوں کی لڑائی میں وہ خاص لطف حاصل کرتا تھا -

اکبر اگرچہ تعلیم حاصل نہ کر سکا، لیکن وہ بڑا ذہین تھا۔ مشکل سے مشکل بات آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ اسے علم سے لگاؤ تھا۔ حافظہ زبردست ہونے کی وجہ سے ایک دفعہ سنی ہوئی بات اسے مشکل سے ہی بھولتی تھی۔ مختلف علوم کی کتابوں کا ذخیرہ شاہی لائبریری میں موجود تھا اور مشیر اسے کتابیں پڑھ کر سناتے تھے۔

اکبر فراخ دل، بلند حوصلہ اور رواداار تھا۔ اس نے غیر مسلموں کو اعلیٰ عہدے دیے۔ انہیں نہ صرف مذہبی آزادی دی بلکہ ہندو معاشرے کی بری رسموں کی اصلاح کی۔ اگرچہ اس کا غصہ غضب ناک تھا مگر وہ بڑا انصاف پسند تھا۔

اکبر عظیم جرنیل تھا۔ وہ میدان جنگ میں بڑا دلیر تھا۔ بڑے عزم و حوصلے سے مہمات کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا۔ اس نے شاندار فتوحات حاصل کیں اور ملک میں بہترین نظم و نسق رائج کیا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو دہلی و آگرہ بھی اس کے قبضے میں نہ تھے اور جب اس نے وفات پائی تو مغل سلطنت وسیع اور مضبوط ہوچکی تھی اور دنیا کی عظیم ترین حکومتوں میں شمار ہوتی تھی۔

سوالات

(۱) اکبر اعظم کی فتوحات اور وسعتِ سلطنت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(۲) اکبر نے راجپوتوں سے کیسا سلوک کیا اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

(۳) کن اسباب کی بنا پر اکبر کے مذہبی خیالات تبدیل ہوئے اور دین الٰہی قائم ہوا؟ دین الٰہی کے بنیادی اصول بیان کیجیے۔

(۴) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے:

(ا) بیرم خان۔ (ب) منصب داری نظام۔

(ج) اکبر کی مالی اصلاحات۔

(د) اکبری عہد میں علمی و ادبی ترقی۔

چودھواں باب

جہانگیر

۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء

اکبر کے بعد اس کا بیٹا شہزادہ سلیم ، نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا ۔ اس نے رواداری ، نرمی اور انصاف سے حکومت کی ۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی شاہی قلعے کے باہر زنجیرِ عدل لٹکانے کا حکم دیا تاکہ فریادی بلا روک ٹوک شہنشاہ کی خدمت میں فریاد لے کر آئیں ۔ یہ زنجیر سونے کی تھی اور اس میں ۶۰ گھنٹیاں تھیں ۔ جب کوئی فریادی اسے کھینچتا تو شاہی محل میں گھنٹیاں بجنے لگتیں اور جہانگیر بذاتِ خود فریادی کو بلوا کر داد رسی کرتا ۔

جہانگیر رعایا پرور حکمران تھا ۔ اس نے رعایا کی بہتری کے لیے احکامات جاری کیے ۔ محصوصولات کم کر دیے تاکہ اشیا سستی ہو جائیں ۔ شدید قسم کی سزائیں منسوخ کر دیں ۔ شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کی ممانعت کر دی ۔ خیراتی اداروں کے لیے جاگیریں بخش دیں ۔ اس نے ہندوؤں کو اعلٰی عہدوں پر بحال رکھا ۔ اس نے راجپوتوں سے ایسا سلوک کیا جیسا کہ اس کے باپ نے ان سے کیا تھا ، لیکن اسلامی معاشرے کو بگڑنے نہیں دیا ۔

تخت نشینی کے چند ماہ بعد جہانگیر کے بیٹے خسرو نے بغاوت کر دی ۔ جہانگیر نے لاہور کے قریب اسے شکست دی اور وہ گرفتار کر لیا گیا ۔ اس کے ساتھیوں کو سخت سزائیں دی گئیں ۔ سکھوں

کے گرو ارجن دیو نے باغی شہزادے کا ساتھ دیا ، اسے بھی جہانگیر نے موت کی سزا دی ۔ بعد میں خسرو کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر اندھا کر دیا گیا ۔

فتوحات

جہانگیر کے زمانے میں زیادہ فتوحات نہیں ہوئی ۔ پھر بھی چند ایک علاقے فتح کر کے مغلیہ سلطنت میں شامل کیے گئے ۔

میواڑ کی فتح

رانا پرتاپ کی وفات کے بعد رانا امر سنگھ ، میواڑ کا حکمران بنا ۔ اس نے بھی جہانگیر کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا ۔ جہانگیر نے اس کے خلاف کئی مہمیں بھیجیں ۔ آخر شہزادہ خرم کے ہاتھوں ۱۶۱۴ء میں رانا کو شکست ہوئی ۔ اس نے خراج دینے کا وعدہ کیا اور اطاعت قبول کر لی ۔ جہانگیر اس فتح سے بہت خوش ہوا کیونکہ راجپوتوں کی یہ مشہور ریاست اکبر کے زمانے میں فتح نہیں ہو سکی تھی ۔

کانگڑہ کی فتح

۱۶۲۰ء میں جہانگیر نے کانگڑہ کو فتح کیا ۔ یہ مضبوط قلعہ اکبر کے عہد میں فتح نہیں ہو سکا تھا ۔ اس طرح کشمیر کا کچھ حصہ ابھی آزاد تھا ۔ مغلوں نے اسے بھی فتح کر لیا ۔

دکن

احمد نگر کی ریاست اکبر کے عہد میں فتح ہو گئی تھی لیکن وہاں کے ملک عنبر نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ۔ جہانگیر نے شہزادہ خرم کو احمد نگر بھیجا لیکن وہاں مکمل امن قائم نہ ہوسکا اور ملک عنبر ، مغلوں کا مقابلہ کرتا رہا ۔

قندھار

قندھار کا علاقہ اکبر نے فتح کیا تھا مگر ۱۶۲۲ء میں ایرانیوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور یہ علاقہ سلطنت مغلیہ سے علیٰحدہ ہو گیا۔

سر طاس راؤ

جہانگیر کے زمانے میں انگلستان کے بادشاہ جیمز اول کی طرف سے سرطامس راؤ سفیر بن کر آیا۔ سرطامس راؤ درباری آداب سے واقف تھا۔ وہ ایک قابل، معاملہ فہم اور چالاک شخص تھا۔ اس کے آنے کا مقصد 'برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی، کے لیے تجارتی رعائیتیں حاصل کرنا تھا۔ وہ یہاں تین سال رہا۔ جہانگیر نے ایک فرمان کے ذریعے انگریزوں کو سورت میں تجارتی مراعات دے دیں۔ یہی اجازت نامہ برصغیر میں انگریزی اقتدار کی بنیاد ثابت ہوا۔ سرطامس راؤ نے جہانگیر کے زمانے کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ شاہی دربار بڑا پرشکوہ تھا اور شہنشاہ کے الفاظ قانون کا درجہ رکھتے تھے۔ ملک میں مال و دولت کی فراوانی تھی۔ امرا بہت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جہانگیر کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ وہ روادار حکمران تھا اور غیر ملکیوں کے ساتھ اس کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اس نے دربارِ جہانگیر کے مصوروں کی بہت تعریف کی ہے۔

نور جہاں

جہانگیر کی مشہور ملکہ کا نام نور جہاں تھا۔ اس کا اصل نام مہرالنساء تھا اور وہ ایران کے معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے والد کا نام مرزا غیاث تھا اور وہ تلاشِ روزگار کے سلسلے میں برصغیر آ رہا تھا کہ نور جہاں ۱۵۷۷ء میں قندھار کے قریب پیدا ہوئی۔ مرزا غیاث، اکبر کے دربار میں ملازم ہو گیا۔ نورجہاں جب

جوان ہوئی تو اس کی شادی ایرانی سردار، سردار شیر افگن سے کر دی گئی جسے بردوان میں جاگیر دی گئی۔ کچھ عرصے بعد حاکمِ بنگال اور شیر افگن کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا۔ شیر افگن نے بنگال کے حاکم کو قتل کر دیا۔ اس پر صوبے دار کے محافظوں نے شیر افگن کو قتل کر دیا اور نور جہاں شاہی محلات میں لائی گئی۔

۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے اس سے شادی کر لی۔ نور جہاں بڑی حسین، قابل اور حاضر جواب عورت تھی۔ قدرت نے اسے بڑی خوبیاں عطا کی تھیں۔ وہ خوش مزاج، حوصلہ مند اور باتدبیر تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ملکی سیاست کو بھی سمجھتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس نے جہانگیر پر اپنا اثر جما لیا۔ بادشاہ نے اسے نور جہاں کا خطاب دیا۔ انتظام سلطنت میں وہ اس کے مشورے پر عمل کرنے لگا اور ملکہ، ملکی سیاست پر چھا گئی۔ بادشاہ کے نام کے ساتھ اس کا نام سکوں پر کندہ ہونے لگا۔ اس نے اپنے باپ مرزا غیاث کو ''اعتمادالدولہ'' اور بھائی آصف خاں کو ''آصف جاہ'' کا خطاب عطا کیا اور انھیں اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا۔ اس نے اپنی بھتیجی ممتاز محل کی شادی شہزادہ خرم (شاہ جہاں) سے کر دی۔ اس کی اپنی بیٹی جو اس کے پہلے خاوند شیر افگن سے تھی، کی شادی جہانگیر کے دوسرے بیٹے شہریار سے ہوئی۔

نورجہاں چونکہ اپنے داماد شہریار کو شہزادہ خرم کے مقابلے میں آگے لانا چاہتی تھی اس لیے ملکی سیاست پر برا اثر پڑا۔ شہزادہ خرم اور مغل فوج کے سپہ سالار مہابت خان نے نورجہاں کے اثر و رسوخ سے تنگ آ کر بغاوتیں کر دیں۔

نور جہاں سلیقہ شعار خاتون تھی۔ وہ غریبوں کی بڑی ہمدرد تھی۔ اس نے کئی لاوارث اور غریب لڑکیوں کی شادیاں اپنے خرچ پر کیں۔ بے بس عورتوں کے سالانہ وظیفے مقرر کیے۔ اس نے

نئے نئے فیشن ایجاد کیے ۔ گلاب کا عطر نور جہاں کی ایجاد ہے ۔ اس نے دربار کی شان و شوکت میں اضافہ کیا ۔ جہانگیر کی وفات کے بعد نورجہاں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ۔ ۱۶۴۵ء میں اس نے وفات پائی ۔ جہانگیر کے مقبرے کے قریب شاہدرے میں اسے دفن کیا گیا ۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نام احمد تھا ۔ وہ ۱۵۶۴ء میں سرہند کے مقام پر پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالاحد سے پائی ۔ تفسیر و حدیث کی تکمیل کے بعد سترہ برس کی عمر میں آگرہ چلے آئے اور کچھ عرصہ ابوالفضل اور فیضی کی صحبت میں رہے ۔ آپ اکثر دہلی اور لاہور آتے رہے اور لوگوں کو پرہیزگاری کی تلقین کرتے رہے ۔ آپ نے بعض امرا کی معرفت اکبر کو بھی راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے ۔

آپ کو مجدد اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ نے اکبری عہد کی بے دینی کے خلاف زبردست تحریک کا آغاز کیا اور اسلام کو نئے سرے سے فروغ دیا ۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد لوگوں نے شکایت کی کہ شیخ احمدؒ مجدد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سلطنت کے لیے خطرے کا باعث نہ بن جائے ۔ اس پر جہانگیر نے ان کو دربار میں طلب کیا ۔ جب آپ دربار میں داخل ہوئے تو عام دستور کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہ کیا ۔ اس پر بادشاہ غضبناک ہو گیا اور اس نے آپ کو گوالیار کے قلعے میں نظربند کر دیا ۔ نظربندی کے زمانے میں شہزادہ خرم نے کہلا بھیجا کہ اگر آپ بادشاہ کے سامنے سجدہ کر بھی دیتے تو چنداں مضائقہ نہ تھا ۔ آپ نے جواب دیا کہ مسلمان کی شان یہی ہے کہ خدائے تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکائے ۔ ایک سال بعد جہانگیر نے آپ کو رہا کیا اور اپنے کیے کی معذرت کی ۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے قرآن و سنت کی پیروی پر بہت زور دیا ۔ انھوں نے شریعت کو دوبارہ زندہ کرنے اور عہدِ اکبر کی بے راہ روی ختم کرنے کی کوشش کی ۔ مسلم صوفیوں نے 'ہندو یوگ، کے کئی طریقے اپنا لیے تھے ۔ حضرت مجددؒ نے اسلامی تصوف کو ان اثرات سے پاک کیا ۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلم قوم کی الگ اور جداگانہ حیثیت برقرار رہی ۔ آپ نے جہانگیر سے کئی ملاقاتیں کیں ۔ درباری امرا بھی آپ سے بہت متاثر ہوئے ۔ آپ کی تعلیمات کا اثر دوسرے مسلم ممالک میں بھی پہنچ گیا ۔ آپ نے ۱۶۲۴ء میں وفات پائی اور سرہند کے مقام پر دفن کیے گئے ۔

جہانگیر کی سیرت

جہانگیر منصف مزاج اور فراخ دل حکمران تھا ۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا ۔ اس نے اپنی زندگی کے حالات اپنی کتاب "توزک جہانگیری" میں درج کیے ہیں ۔ وہ قدرتی نظاروں کا دلدادہ تھا ۔ اسے کشمیر کے پھل اور پھول بہت پسند تھے ۔ اس نے وہاں کئی باغات لگوائے ۔ سری نگر کا شالیمار باغ اس عہد میں بنوایا گیا ۔ ڈھاکہ کا شہر جہانگیر کے زمانے میں آباد ہوا ۔ ان دنوں اس کا نام جہانگیر نگر تھا ۔ اس نے شیخوپورہ کے قریب ہرن مینار بنوایا ۔ اس کے عہد میں مصوری نے بہت ترقی کی ۔ اس میں شراب نوشی کی بری عادت تھی جس سے اس کی صحت بہت خراب ہو گئی ۔ ۱۶۲۷ء میں وفات پائی اور لاہور کے قریب شاہدرے کے ایک باغ میں دفن کیا گیا ۔

سوالات

(۱) جہانگیر کی سیرت بیان کیجیے ۔ رعایا کی بھلائی کے لیے اس نے کیا اقدامات کیے ؟

(۲) نورجہاں کے حالاتِ زندگی اور سیرت تحریر کیجیے ۔ اس کے اثر و رسوخ کا سیاست پر کیا اثر ہوا ؟

(۳) حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زندگی اور تعلیمات پر روشنی ڈالیے ؟

پندرھواں باب

شاہ جہاں

۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۸ء

جہانگیر کی وفات کے وقت اس کے چار بیٹوں خسرو ، پرویز ، خرم اور شہریار میں سے خرم اور شہریار زندہ تھے ۔ خرم بڑا دلیر اور قابل تھا ، اس نے شہریار کو شکست دی اور فروری ۱۶۲۸ء میں شہاب الدین شاہ جہاں کے لقب سے تخت نشین ہوا ۔

شاہ جہاں نے تیس سال تک حکومت کی ، وہ نرمی اور شفقت کی وجہ سے مشہور تھا اور رعایا میں بے حد مقبول تھا ۔ یورپ کے ایک سیاح نے لکھا ہے کہ شاہ جہاں کی حکومت اپنی رعایا کے لیے ایسی تھی جیسی ایک خاندان کے لیے باپ کی ہوتی ہے ۔ اس کا عہد مغلیہ حکومت کا سنہری دور تھا ۔ رعایا خوشحال تھی ۔ ملک میں امن و امان تھا ۔ ملکی تجارت و زراعت ترقی پر تھی ۔ انتظامِ حکومت عمدہ تھا ۔ خزانہ بھرا ہوا تھا اس لیے شاہ جہاں نے عمارتوں پر دل کھول کر روپیہ خرچ کیا ۔ تختِ طاؤس ، شاہ جہاں نے بنوایا جس سے درباری شان و شوکت میں اضافہ ہوا ۔ اس کے دربار میں فارسی ، سنسکرت اور ہندی زبانوں کے ماہرین موجود تھے ۔ بیرونی ممالک سے سیاح بھی آئے اور انھوں نے شاہ جہاں کے دور کی بڑی تعریف کی ہے ۔

کارنامے

شاہ جہاں نے تخت نشین ہوتے ہی دربار میں غیر اسلامی رسمیں بند کر دیں ۔ بادشاہ کے سامنے سجدہ منسوخ قرار دے دیا ۔ شاہ جہاں پکا مسلمان تھا ، لیکن رواداری کا قائل تھا ، اس نے ہندوؤں کو مکمل مذہبی آزادی دی ۔

ممتاز محل کی وفات

ممتاز محل ، شاہ جہاں کی چہیتی بیوی تھی ۔ وہ نہایت سمجھدار اور سلیقہ شعار ملکہ تھی ۔ شاہ جہاں اسے بہت چاہتا تھا ۔ ۱۶۳۱ء میں وہ وفات پا گئی ۔ شاہ جہاں نے اس کی یاد میں روضہ تاج محل تعمیر کروایا ۔

پرتگیزوں کی سرکوبی

مغل حکومت کی اجازت سے پرتگیز ، بنگال میں تجارت کر رہے تھے ۔ ہگلی ان کا مرکز تھا جہاں انھوں نے قلعہ نما تجارتی کوٹھیاں بنائی ہوئی تھیں ۔ ان لوگوں نے اس علاقے میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا ہوا تھا ۔ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے بچوں کو پکڑ کر غلام بنا لیتے تھے اور پھر بیچ ڈالتے تھے ۔ لوگوں کو جبراً عیسائی بناتے ۔ حکومت نے انھیں جو تجارتی مراعات دے رکھی تھیں ، ان سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے ۔ شاہ جہاں ان واقعات سے سخت ناراض ہوا اور بنگال کے صوبے دار کو ہگلی پر حملہ کرنے کے لیے کہا ۔ اس حملے سے دس ہزار پرتگیز ہلاک ہوئے ۔ چار ہزار چار سو کو قیدی بنا لیا گیا اور جن دس ہزار بے گناہ باشندوں کو پرتگیزوں نے قیدی بنا رکھا تھا انھیں آزاد کروایا گیا ۔

دکن کی مہمیں

احمد نگر کی تسخیر اکبر کے زمانے میں شروع ہوئی تھی اور شاہ جہاں کے عہد میں مکمل ہو گئی ۔ دکن میں دو بڑی حکومتیں

بیجا پور اور گولکنڈہ رہ گئی تھیں ۔ ان کے حکمران مغلوں کے خلاف برابر سازشیں کرتے رہتے تھے ۔ شاہ جہاں نے ان کے درباروں میں سفیر بھیجے اور انہیں اطاعت قبول کرنے کو کہا ۔ گولکنڈہ کے حکمران نے اطاعت قبول کر لی لیکن بیجا پور کے حکمران نے اطاعت نہ کی لہٰذا اس کے خلاف فوج کشی کی گئی ۔ مجبور ہو کر اس نے بھی اطاعت کر لی اور خراج دینا منظور کر لیا ۔ شہزادہ اورنگ زیب کو دکن کا نائب مقرر کیا گیا ۔ وہ ۱۶۳۶ء سے ۱۶۴۴ء اور پھر ۱۶۵۳ء تا ۱۶۵۸ء تک وہاں رہا ۔ اس نے وہاں امن و امان بحال رکھا اور رعایا کی بھلائی کے لیے کوشاں رہا ۔

بلخ و بدخشاں کی مہم

بلخ و بدخشاں کے علاقے افغانستان کے شمال میں واقع ہیں ۔ یہ علاقے کسی زمانے میں امیر تیمور کی ملکیت تھی ۔ شاہ جہاں پورے برصغیر کو فتح کر لینے کے بعد ان علاقوں کو فتح کرنا چاہتا تھا ۔ اس نے شہزادہ اورنگ زیب کو فوج کی ایک بھاری جمعیت کے ہمراہ ان علاقوں کی تسخیر کے لیے بھیجا ۔ لڑائیوں میں اورنگ زیب کو کامیابی ہوئی لیکن دشوار گزار راستوں اور دور دراز فاصلوں کی وجہ سے اس علاقہ پر مستقل قبضہ جانا آسان نہ تھا ، اس لیے مغل فوج کو واپس بلا لیا گیا ۔

قندھار

جہانگیر کے زمانے میں قندھار ایرانیوں نے لے لیا تھا ۔ شاہ جہاں نے قندھار پر قبضہ کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے تین مہمیں بھیجیں ، لیکن کامیابی نہ ہوئی اور یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے مغلوں کے ہاتھ سے نکل گیا ۔

تعمیرات

شاہ جہاں کو عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا ۔ اس نے دہلی

آگرہ ، لاہور اور ٹھٹہ میں پرکشش اور عالی شان عمارتیں بنوائیں ، جن پر کروڑوں روپے خرچ ہوئے ۔ ان عمارات میں سنگ سرخ ، سنگ مرمر اور سنگ سیاہ استعمال کیا گیا ۔

آگرہ میں سب سے مشہور عمارت تاج محل ہے ۔ یہ مقبرہ ۲۲ سال میں تین کروڑ روپے کی لاگت سے تیار ہوا اور دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے ۔ آگرہ میں موتی مسجد بھی شاہ جہاں نے بنوائی ۔ دہلی کا لال قلعہ اور دہلی کی جامع مسجد بھی اسی نے تعمیر کروائی ۔ لاہور میں شاہدرہ کے قریب جہانگیر کا مقبرہ ، قلعہ لاہور میں شیش محل و دیوانِ خاص ، لاہور کا شالیمار باغ اور مسجد وزیر خاں اسی کے عہد کی یادگاریں ہیں ۔

شاہ جہاں نے سندھ کے شہر ٹھٹہ میں بھی ایک شاندار جامع مسجد بنوائی ۔ یہ سندھ کی عظیم ترین مسجد ہے ۔ اس نے پرانی دہلی کے قریب، ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جس کو شاہ جہاں آباد کہتے ہیں ۔

شہزادوں کے درمیان تخت و تاج کے لیے جنگ

شاہ جہاں کے چار لڑکے تھے ۔ دارا ، شجاع ، اورنگ زیب اور مراد ۔ یہ چاروں سگے بھائی تھے اور ممتاز محل کے بطن سے تھے ۔ شاہ جہاں نے ہر ایک کو سلطنت کے علیحدہ علیحدہ صوبوں پر صوبے دار مقرر کیا ہوا تھا ۔

دارا

دارا ، شاہ جہاں کا سب سے بڑا اور چہیتا بیٹا تھا ۔ وہ پنجاب کا صوبے دار تھا، لیکن آگرہ میں اپنے باپ کے پاس رہتا تھا ۔ وہ خوش مزاج اور فیاض شہزادہ تھا ، لیکن حکومت کے کاموں کی طرف کم توجہ دیتا ۔ وہ بڑا ضدی اور خود پسند بھی تھا ۔ وہ اس غلط فہمی میں تھا کہ

وہ ہر شخص کا منظور نظر ہے - مذہبی معاملات میں وہ اپنے دادا اکبر کی طرح آزاد خیال تھا - اکثر مسلمان تو اسے ملحد کہتے تھے -

شجاع

شجاع ، بنگال کا صوبے دار تھا - وہ بڑا ذہین اور حوصلہ مند تھا لیکن شراب نوشی اور عیش و عشرت نے اسے نکما کر دیا تھا -

اورنگ زیب

اورنگ زیب سب بھائیوں میں سے لائق ، تجربہ کار اور سمجھ دار تھا ، دکن کا صوبے دار تھا - وہ اعلیٰ درجے کا جرنیل اور قابل منتظم تھا - وہ متقی انسان تھا اور مسلمانوں میں بڑا ہردلعزیز تھا -

مراد

شاہ جہاں کا سب سے چھوٹا بیٹا مراد ، گجرات کا صوبے دار تھا - وہ بہادر تو تھا لیکن سیاست کو نہیں سمجھ سکتا تھا -

شاہ جہاں ۱۶۵۷ء میں سخت بیمار ہو گیا - اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی - اس وقت دارا اپنے باپ کے پاس آگرہ میں تھا ، جب کہ دوسرے شہزادے اپنے اپنے صوبوں میں تھے - دارا کی کوشش یہ تھی کہ باپ کی بیماری کی خبر دوسرے شہزادوں تک نہ پہنچ سکے - اس نے بنگال ، گجرات اور دکن جانے والے راستے بند کر دیے - اس سے یہ افواہ پھیلی کہ بادشاہ وفات پا چکا ہے -

کیونکہ مغلیہ خاندان میں تخت کا وارث بننے کا کوئی واضح اصول نہیں تھا ، اس لیے ہر شہزادہ تخت کا وارث بننا چاہتا تھا - سب سے پہلے شجاع نے بنگال میں خود مختاری کا اعلان کیا اور ایک زبردست فوج لے کر آگرہ کی طرف روانہ ہوا - اس کو روکنے کے لیے

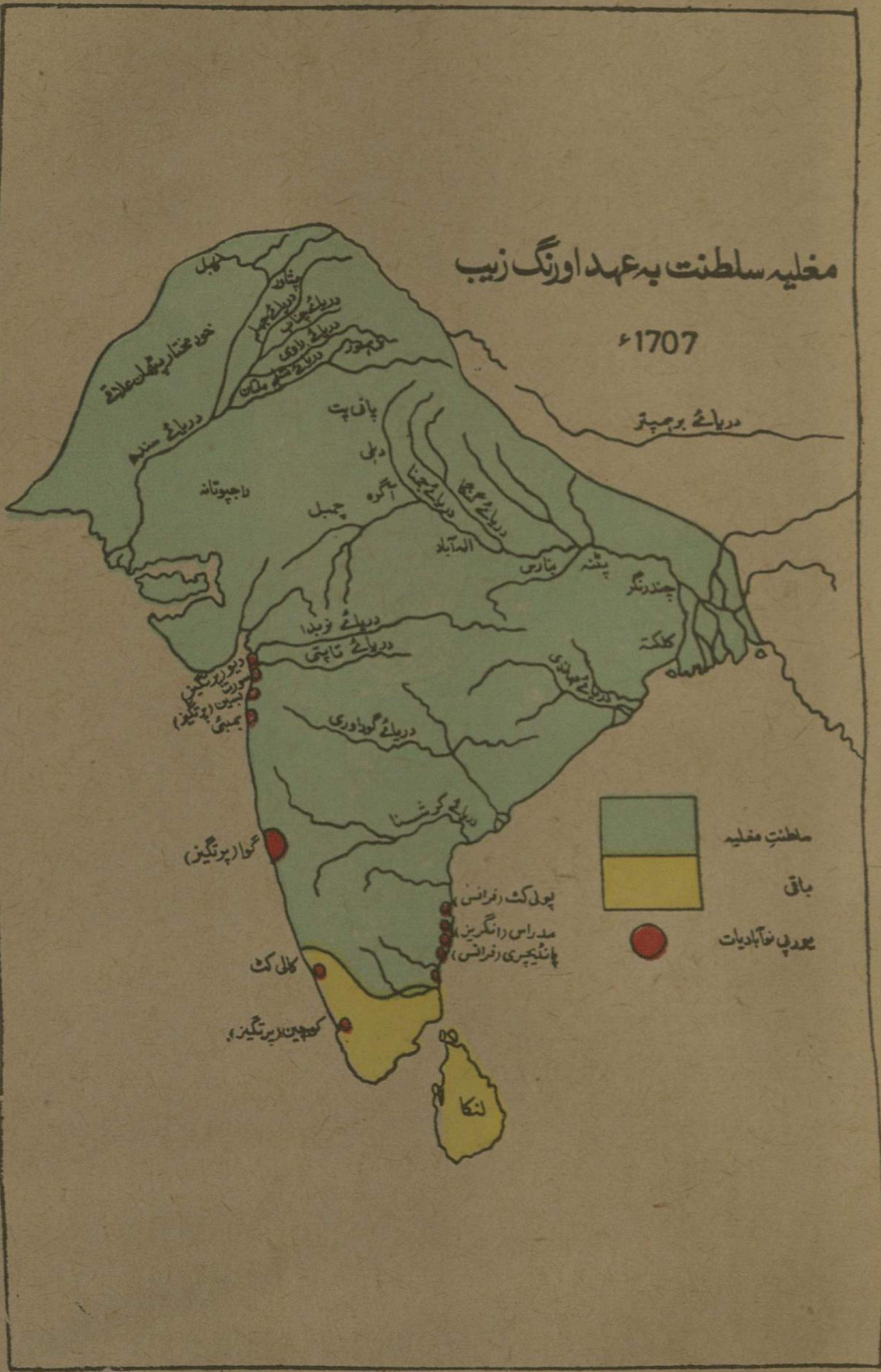
دارا نے اپنے لڑکے سلیمان شکوہ اور راجا جے سنگھ کو بھیجا ۔ شجاع کو زبردست شکست ہوئی اور وہ بنگال کی طرف بھاگ گیا ۔

اورنگ زیب نے سمجھ داری سے کام لیا ۔ اس نے شہزادہ مراد کو اپنے ساتھ ملایا اور طے یہ پایا کہ فتح کی صورت میں وہ سلطنت آپس میں تقسیم کر لیں گے ۔ دونوں بھائیوں کی فوجیں آگرہ کی طرف بڑھیں ، شاہ جہاں اس اثنا میں صحت یاب ہو چکا تھا ۔ اس نے خود میدان جنگ میں جانے کا ارادہ کیا تاکہ بیٹوں کو اپنی شکل دکھا سکے ، لیکن دارا ضد پر اڑا رہا اور اسے میدان جنگ میں نہ جانے دیا ۔ وہ اپنے بھائیوں کو کچل دینے پر تلا ہوا تھا ۔ اس نے زبردست فوج لی اور بھائیوں کے مقابلے کو نکلا ۔ ۱۶۵۸ء میں سموگڑھ کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی ۔ لڑائی عین زوروں پر تھی کہ چند گولے دارا کے ہاتھ پر گرے ۔ اس پر وہ گھبرا کر ہاتھی سے کود پڑا اور میدان جنگ سے بھاگ گیا ۔ اس کی فوج تتر بتر ہو گئی ۔ اورنگ زیب نے فوراً آگرہ پر قبضہ کر لیا ۔ اب شاہ جہاں کی طرف سے اسے قلعے میں بلایا گیا لیکن اسے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ شاہ جہاں اسے قتل کرانا چاہتا ہے ۔ اس پر اورنگ زیب نے شاہ جہاں کو قلعے میں نظر بند کر دیا جہاں اس نے ۱۶۶۶ء میں وفات پائی ۔ اس نے مراد کو بھی گوالیار کے قلعے میں نظر بند کر دیا ۔ دارا بعد میں گرفتار ہوا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۔ اس طرح اورنگ زیب تخت و تاج کا وارث بنا ۔

سوالات

(۱) شاہ جہاں کا عہد مغلیہ دور کا سنہری زمانہ کہلاتا ہے ۔ بحث کیجیے ۔

(۲) شاہ جہاں کے بیٹوں کے درمیان جنگ تخت نشینی کا حال بیان کیجیے ۔


مغلیہ سلطنت بہ عہد اورنگ زیب
1707ء
کابل
پشاور
خود مختار پٹھان علاقہ
دریائے سندھ
دریائے جہلم
دریائے چناب
دریائے راوی
دریائے ستلج
لاہور
ملتان
پانی پت
دہلی
آگرہ
چمبل
راجپوتانہ
دریائے جمنا
دریائے گنگا
الہ آباد
بنارس
پٹنہ
چندرنگر
کلکتہ
دریائے برہم پتر
دریائے نربدا
دریائے تاپتی
دریائے مہاندی
دریائے گوداوری
دریائے کرشنا
دیو (پرتگیز)
سورت
بسین (پرتگیز)
بمبئی
گوا (پرتگیز)
پولی کٹ (فرانس)
مدراس (انگریز)
پانڈیچری (فرانس)
کالی کٹ
کوچین (پرتگیز)
لنکا
سلطنتِ مغلیہ
باقی
یورپی نو آبادیات

سولھواں باب

اورنگ زیب عالمگیر

۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء

اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۵۸ء کو دہلی میں محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کے لقب سے تخت نشین ہوا - وہ مغلیہ خاندان کا آخری عظیم حکمران تھا - اس نے ۴۹ برس حکومت کی - اس کے عہد میں مغل سلطنت بڑی وسیع ہو گئی تھی - برصغیر کی تاریخ میں اس سے پہلے کسی حکمران کو اتنی وسیع سلطنت نصیب نہ ہوئی -

اورنگ زیب کے عہد کی فتوحات

اورنگ زیب کی تخت نشینی کے دو سال بعد بنگال کے گورنر میر جملہ نے بہار فتح کرکے آسام پر بھی قبضہ کر لیا - اس طرح مغلیہ سلطنت کی سرحد چین سے جا ملی - چند سال بعد مغل افواج کا اراکان اور چاٹگام پر بھی قبضہ ہوگیا اس سے اورنگ‌زیب کی سلطنت غزنی سے چٹاگانگ تک اور کشمیر سے کرناٹک تک وسیع ہو گئی -

بغاوتیں

اورنگ زیب کے عہد میں شمالی برصغیر میں غیر مسلموں نے چند بغاوتیں کیں - ان بغاوتوں کی تہہ میں ہندوؤں کی مسلم دشمنی کا جذبہ کار فرما تھا - یہ بغاوتیں ست نامیوں ، سکھوں ، جاٹوں اور راجپوتوں نے کیں -

جاٹوں کی بغاوتیں

۱۶۶۹ء میں متھرا کے غیر مسلم جاٹوں نے بغاوت کی - یہ لوگ بڑے جفاکش تھے اور کئی سال تک مغل فوج کے لیے پریشانی کا باعث بنے رہے - ۱۶۸۱ ، ۱۶۸۸ اور ۱۶۹۱ میں انھوں نے بار بار بغاوتیں کیں اور مغل شہنشاہ اکبر کی قبر سے اس کی ہڈیاں نکال کر جلا ڈالیں -

ست ناسیوں کی بغاوت

ست نامی ہندوؤں کا جنگ جو فرقہ تھا - ۱۶۷۲ء میں انھوں نے بغاوت کی - اورنگ زیب نے زبردست فوج بھیجی اور ان کی بغاوت کا قلمع قمع کیا - لڑائی میں پانچ ہزار ست نامی مارے گئے -

سکھوں کی شورش

اورنگ زیب کے عہد میں سکھوں کے گورو تیغ بہادر نے پنجاب اور کشمیر میں بغاوت پھیلا کر لوٹ مار شروع کر دی - اس پر اسے گرفتار کرکے بغاوت کے جرم میں قتل کر دیا گیا - تیغ بہادر کے بعد اس کے جانشین گورو گوبند سنگھ نے سکھ فرقہ کو فوجی تنظیم میں بدل دیا اور مغلوں کے خلاف اشتعال انگیز کارروائیاں کرتا رہا - مغل افواج نے اسے شکست دی - بعد میں اس نے اطاعت قبول کر لی -

اورنگ زیب کی مذہبی حکمت عملی

اورنگ زیب عالمگیر اسلام کا حقیقی محافظ تھا - وہ حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک احیائے دین کا علم بردار تھا - وہ اسلامی روایات کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتا تھا - اس نے پختہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ برصغیر پر اسلامی شریعت کے مطابق حکومت کرے گا - چنانچہ اس نے تخت نشین ہوتے ہی اسلامی طرز زندگی کو رواج دیا اور

معاشرے کو پاکیزہ بنانے کی جد و جہد شروع کر دی۔

تخت نشینی کے فوراً بعد اس نے ۸۰ کے قریب غیر شرعی ٹیکس منسوخ کر دیے۔ غیر اسلامی رسموں کو ممنوع قرار دیا۔ شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال بند کر دیا۔ سکوں پر کلمہ لکھنا ممنوع قرار دیا تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو۔ مسجدوں کی مرمت کروائی اور ائمہ مساجد کے لیے تنخواہیں مقرر کیں۔ رعایا کے اخلاق کی نگرانی کے لیے محتسب مقرر کیے گئے۔

اس نے شاہی دربار میں موسیقی کو بند کر دیا۔ ہر سال سالگرہ کے موقعے پر بادشاہ کے تلنے کی رسم بھی موقوف کر دی۔ درباری نجومیوں کو خیر باد کہا۔ اس سے قبل مغل حکمران ہر صبح جھروکے میں درشن دیا کرتے تھے۔ اس نے یہ رسم بھی اڑا دی۔ اورنگ زیب نے خود سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرکے عوام کے سامنے اعلیٰ مثال پیش کی۔

اورنگ زیب نے ہندوؤں سے بڑی روا داری کا سلوک کیا۔ انہیں مکمل مذہبی آزادی دی۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ہندوؤں کے قدیم مندروں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے لیکن ایسے مندر جو حکومت کی اجازت حاصل کیے بغیر تعمیر کیے گئے تھے، اس کے حکم سے گرا دے گئے یا پھر ایسے مندر گرائے گئے جو حکومت کے خلاف سازشوں کا اڈہ تھے۔

اورنگ زیب پر غیر مسلم مورخین نے الزام عائد کیا ہے کہ اس نے رعایا کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کیا۔ اس نے ہندوؤں کو ملازمتوں سے نکال دیا اور صرف مسلمانوں کو ملازمتیں دیں۔ یہ الزام بالکل غلط ہے کیونکہ اورنگ زیب کے دربار میں بڑے بڑے عہدیدار ہندو تھے مثلاً جسونت سنگھ اور جے سنگھ اس کے اعلیٰ منصب دار تھے۔

اورنگ زیب نے ہندوؤں پر جزیہ دوبارہ نافذ کر دیا ۔ اکبر نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے جزیہ ختم کر دیا تھا حالانکہ یہ شرعی ٹیکس تھا ۔ یہ درست ہے کہ جزیہ کا دوبارہ عائد کرنا ہندوؤں کو ناگوار گزرا ، تاہم جزیہ کے نفاذ سے پہلے ہی ہندوؤں نے ملک بھر میں بغاوتیں شروع کر رکھی تھیں ۔

ہندو دل سے مسلمانوں کے دشمن تھے اور انھیں اسلامی حکومت سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ جب انھیں اورنگ زیب سے بے جا قسم کی مراعات ملنے کی امید نہ رہی تو انھوں نے بغاوتیں شروع کر دیں ۔ برصغیر میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی ، اس لیے ہندوؤں کی دشمنی ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی ۔

اورنگ زیب کی راجپوت حکمت عملی

اکبر نے راجپوتوں کے ساتھ بڑی فیاضی کا برتاؤ کیا تھا ۔ ان سے رشتے ناطے کیے ۔ انھیں حکومت کے ہر شعبے میں ملازمتیں دیں ۔ اس حسن سلوک سے راجپوت وقتی طور پر مغلوں کے وفادار بن گئے لیکن اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر راجپوت طاقت پکڑتے گئے اور شاہی خاندان کے معاملوں میں دخیل ہوگئے ۔ رفتہ رفتہ وہ اتنے خود سر ہوگئے کہ انھیں مغل بادشاہوں کے ماتحت رہنے کی کوئی ضرورت نہ رہی ۔ چنانچہ اورنگ زیب کے عہد میں انھوں نے بغاوتیں کیں ۔

راجپوتانہ میں راجپوتوں کی تین مشہور ریاستیں تھیں ۔ میواڑ ، جودھ پور اور جے پور (جے پور کے راجے ہمیشہ مغل حکمرانوں کے وفادار رہے) اورنگ زیب کے عہد میں جودھ پور اور ریاست میواڑ کے راجپوتوں نے بغاوت کی ۔ جودھ پور کا راجا جسونت سنگھ ، اورنگ زیب کی طرف سے کابل کا گورنر تھا ۔ اس نے ریاست کا انتظام اپنے وزیر درگا داس کے سپرد کر رکھا تھا ۔ ۱۶۷۸ء میں جسونت سنگھ مر گیا ۔ اورنگ زیب نے اس کے ایک رشتہ دار کو جودھ پور کی گدی پر بٹھا دیا ۔

جسونت سنگھ کی رانیاں اور بچے اورنگ زیب کے دربار میں لائے گئے ۔ قدیم دستور کے مطابق وہ بچوں کی تعلیم و تربیت کرنا چاہتا تھا ، چنانچہ اس نے انھیں دہلی رہنے کا حکم دیا ۔ درگا داس جو کہ ریاست جودھ پور کا وزیر تھا ، اس نے مشہور کر دیا کہ اورنگ زیب ان بچوں کو مسلمان بنانا چاہتا ہے اور وہ ریاست کا مغلیہ سلطنت سے الحاق کرنا چاہتا ہے ۔ ان دنوں اورنگ زیب نے جزیہ بھی دوبارہ نافذ کر دیا تھا ۔ اس سے راجپوت بھڑک اٹھے ۔ میواڑ کا راجا بھی اس بغاوت میں شامل ہوگیا ۔ درگا داس ، رانیوں اور بچوں کو لے کر فرار ہوگیا ۔ اس پر اورنگ زیب نے فوجی کارروائی کا حکم دیا ۔ ۱۶۷۹ء میں مغلیہ افواج نے راجپوتوں کو شکست دی اور جودھ پور کی ریاست مغلیہ سلطنت میں شامل کر لی گئی ۔

اورنگ زیب کی دکنی حکمت عملی

اورنگ زیب ۱۶۸۱ء میں دکن چلا گیا اور اس نے اپنی زندگی کے آخری ۲۵ سال وہیں گزارے ۔ دکن کے معاملات اس قدر پیچیدہ تھے کہ اسے واپس دہلی آنا نصیب ہی نہ ہوا ۔

اورنگ زیب کے عہد میں دو مسلم ریاستیں بیجاپور اور گولکنڈہ موجود تھیں ۔ یہ دونوں ریاستیں شاہ جہاں کے عہد سے مغل حکومت کو 'باج' دیتی تھیں ۔ اورنگ زیب ان ریاستوں کو فتح کرکے سلطنت میں شامل کرنا چاہتا تھا ۔ اس کی کچھ وجوہ تھیں :

(۱) یہ ریاستیں مغلوں کو 'باج' کی رقم باقاعدگی سے ادا نہیں کرتی تھیں اور معاہدات کی پابندی نہیں کرتی تھیں ۔

(۲) مرہٹے ، مغلوں کے بڑے دشمن تھے ۔ یہ ریاستیں مرہٹوں سے ساز باز کرتی رہتی تھیں اور درپردہ ان کی امداد بھی کرتی تھیں ۔

(۳) ان ریاستوں کے حکمران انتہائی نااہل اور عیاش تھے، جس سے وہاں کا انتظام سلطنت بگڑ چکا تھا اور ہر طرف بدامنی اور ابتری پھیلی ہوئی تھی۔

اورنگ زیب نے ان ریاستوں کے خلاف فوج کشی کی۔ ۱۶۸۶ء میں اس نے بیجا پور کو فتح کرکے مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا اور وہاں کے حکمران عادل شاہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ ۱۶۸۷ء میں گولکنڈہ بھی فتح کر لیا گیا۔

اورنگ زیب نے پانچ سال میں ان ریاستوں کے نظم و نسق کو سنوارا۔ پورے علاقے کا دورہ کرکے رعایا کی حفاظت کا انتظام کیا۔

بیجا پور اور گولکنڈہ کے بعد اورنگ زیب، مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوا اور بیس سال تک ان سے جنگ میں مصروف رہا۔ مرہٹوں نے گوریلا جنگ جاری رکھی اور مغل فوجوں کو نقصان پہنچایا۔ مغلیہ فوج بھی مسلسل جنگوں کی وجہ سے بد دل ہو چکی تھی لہٰذا اورنگ زیب، مرہٹوں کی طاقت کو پوری طرح نہ کچل سکا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی وفات کے بعد مرہٹوں نے دوبارہ طاقت پکڑ لی۔

بیجا پور اور گولکنڈہ کو مغلیہ سلطنت میں شامل کرنے کے بعد مغلیہ سلطنت بڑی وسیع ہو گئی تھی جس سے انتظامی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئیں۔ اس زمانے میں جب کہ ذرائع آمد و رفت درست نہ تھے، اتنی بڑی سلطنت کا انتظام چلانا نہ صرف محال بلکہ ناممکن تھا۔

اورنگ زیب ۲۵ سال دارالحکومت دہلی سے دور رہا اور دکن میں اس قدر مصروف رہا کہ اس دوران شمالی ہند کا نظامِ حکومت بگڑ گیا، چنانچہ اس کے مرتے ہی ہر طرف بد امنی پھیل گئی اور مغلیہ سلطنت کو زوال آ گیا۔

کردار

اورنگ زیب بڑا محنتی، جفاکش اور فرض شناس حکمران تھا۔ تمام ملکی معاملات پر ذاتی توجہ دیتا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ

تاج تخت کا مالک ہونے کی حیثیت میں خدا مجھے اس لیے دنیا میں لایا کہ میں اپنے لیے نہیں ، دوسروں کے لیے زندہ رہوں ۔ محنت اور مشقت سے کام کروں تاکہ رعایا خوشحال رہے ۔ اسے عدل و انصاف کا بہت خیال رہتا تھا ۔ دن میں دو بار دربارِ عام منعقد کرتا جس میں ہر شخص بلا روک ٹوک آ سکتا تھا ۔

وہ سادہ مزاج اور پرہیز گار حکمران تھا ۔ ذاتی خرچ کے لیے شاہی خزانے سے ایک پائی نہ لیتا ۔ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں سی کر اور قرآن پاک کی کتابت کر کے گزر بسر کرتا تھا ۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ کچھ مورخین اسے ،درویش بادشاہ، کہتے ہیں ۔ وہ حافظِ قرآن تھا ۔ نماز باقاعدگی سے ادا کرتا ۔ گھمسان کی لڑائی میں بھی گھوڑے سے اتر کر نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتا تھا ۔ وہ خود بھی اسلامی اصولوں پر عمل کرتا اور دوسروں سے بھی پابندی کرواتا ۔ اس کے عہد کے لوگ اسے ''ولی'' کہتے تھے ۔ وہ تجربہ کار سپہ سالار تھا ۔ اس نے مرہٹوں ، سکھوں ، راجپوتوں ، جاٹوں اور ست نامیوں کی بغاوتوں کو سختی سے کچلا ۔ بیجا پور اور گولکنڈہ کی ریاستیں فتح کر کے وہاں امن و امان بحال کیا ۔

اورنگ زیب عالم تھا اور علما کی قدر کرتا تھا ۔ عربی ، فارسی ، ترکی اور ہندی زبانوں پر اسے عبور حاصل تھا ۔ اس نے نستعلیق خط میں بہت کمال پیدا کیا ۔ اس کی ہدایت پر ''فتاویٰ عالمگیری'' ترتیب دی گئی ۔ اس میں اہم معاملات کے بارے میں اسلامی قوانین اور اصول درج ہیں ۔ عمارات میں اس کی بنائی ہوئی شاندار ''شاہی مسجد'' لاہور ، دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے ۔

سوالات

(۱) اورنگ زیب کی مذہبی حکمتِ عملی تحریر کیجیے ۔ آپ کی رائے میں غیر مسلم مورخوں کے الزامات کہاں تک درست ہیں ؟

(۲) راجپوتوں کے بارے میں اورنگ زیب کی حکمت عملی پر بحث کیجیے۔

(۳) اورنگ زیب کی دکنی حکمت عملی اور فتوحات بیان کیجیے۔

(۴) اورنگ زیب کے کردار پر روشنی ڈالیے۔ تاریخ برصغیر میں اسے کیا مقام حاصل ہے؟

سترھواں باب

سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب

اورنگ زیب کی وفات کے ساتھ ہی مغلیہ سلطنت کو زوال آنا شروع ہو گیا ۔ مغلیہ دربار سازشوں کا مرکز بن گیا ۔ صوبائی گورنر خود مختار بن بیٹھے اور برصغیر کی مرکزی طاقت ختم ہوگئی ۔ اسی دوران میں انگریز تجارتی کمپنی نے ملکی سیاست میں دخل دینا شروع کر دیا اور برصغیر کے مختلف علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء میں مغلیہ حکومت کی جگہ انگریزی حکومت نے لے لی ۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے کئی اسباب ہیں ۔

نا اہل جانشین

اورنگ زیب کی وفات کے بعد تمام مغل بادشاہ ایک دوسرے سے بڑھ کر نا اہل اور نالائق ثابت ہوئے ۔ وہ عیش و عشرت کے دلدادہ تھے ۔ حکومت کے امور میں انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ ایسے حکمران ، امراء کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے ۔ اس ماحول میں بھانڈ ، ڈوم اور میراثی ، گروہ در گروہ اکٹھے ہوگئے اور درباریوں میں جگہ پانے لگے ۔ وہ بادشاہوں کی جھوٹی خوشامد کرتے اور ان کو بے کار مشغلوں میں الجھائے رکھتے ۔ محمد شاہ رنگیلا کے عہد میں تو عیش و عشرت کی انتہا ہوگئی ۔ جب حکمرانوں کی توجہ انتظام سلطنت سے ہٹ گئی تو ابتری بڑھتی گئی اور حکومت کمزور ہوتی گئی ۔

قانون وراثت کا نہ ہونا

مغلیہ خاندان میں تخت نشینی کا کوئی قاعدہ نہ تھا - جب ایک بادشاہ مر جاتا تو اس کے بیٹوں میں تخت و تاج کے لیے جنگ چھڑ جاتی - اورنگ زیب کی موت کے دس سال کے اندر اندر جانشینی کی سات خونریز لڑائیاں ہوئیں جن میں بہت سے شہزادے اور آزمودہ کار سپاہی مارے گئے - ان جنگوں سے نظم و نسق کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا -

امرا کا اخلاقی انحطاط

امراء سلطنت کا اخلاقی انحطاط بھی مغلیہ سلطنت کی تباہی کا باعث بنا - برصغیر میں چونکہ دولت کی فراوانی تھی اس لیے منصب دار اور سرکاری افسر عیش پسند ہو گئے - اورنگ زیب نے زندگی کے تکلفات کو کم کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی موت کے بعد امرا کی عادتیں پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بگڑ گئیں - ہر جگہ قوم فروش ، خود غرض اور سازشی امرا آگے آنے لگے - رشوت ستانی عام ہو گئی اور پورا معاشرہ ہی بگڑ گیا -

ہندوؤں کی بیداری

مسلمان برصغیر میں بطور فاتح داخل ہوئے تھے - انھوں نے ہندوؤں کے ساتھ نہایت فیاضی کا برتاؤ کیا ، لیکن مسلمانوں کے حسن سلوک کے باوجود ہندو ، دلی طور پر مسلم حکومت کے ہمیشہ مخالف رہے - ان کی دلی آرزو تھی کہ مسلمانوں کی حکومت کے جوئے کو جیسے بھی ہو سکے اپنی گردن سے اتار دیا جائے - اکبر نے ہندوؤں کی بڑی دل جوئی کی - انھیں اعلیٰ عہدے دیے ، جس سے فوج کی سپہ سالاری اور وزارتیں تک ان کے ہاتھ آ گئیں - لیکن اس سے بڑی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ ان میں بیداری کی لہر دوڑ گئی - وہ اپنے آپ کو منظم اور طاقتور بنانے لگے - شاہ جہاں کے زمانے

تک یہ تحریک دبی رہی لیکن اورنگ زیب نے جب انھیں دوبارہ حدود میں رکھنے کی کوشش کی تو مرہٹے، سکھ، راجپوت، جاٹ اور ست نامی سب اس تحریک کے ماتحت شورش برپا کرنے لگے۔ جاٹوں نے تو شہنشاہ اکبر کی قبر سے اس کی ہڈیاں نکال کر جلا ڈالیں کیوں کہ اس نے ہندو عورتوں سے شادیاں کی تھیں۔ ان سے ہندوؤں کے حقیقی جذبات واضح ہو جاتے ہیں۔

مرہٹوں اور سکھوں کا عروج

دکن میں مرہٹے اور پنجاب میں سکھ اپنی طاقت بڑھا رہے تھے۔ سیوا جی کی سرکردگی میں مرہٹوں نے ہندو بادشاہی کا نعرہ لگایا اور مغلیہ سلطنت کے تمام حصوں میں لوٹ مار کی مہم شروع کر دی۔ انھوں نے دہلی پر کئی حملے کیے اور شہر کی پرانی عمارتوں کو بے دردی سے بگاڑا۔ سکھوں نے پنجاب پر تسلط جما لیا۔

اسلامی احساس کا فقدان

برصغیر میں اسلامی حکومت کا دارو مدار ملک کے مسلم معاشرے پر تھا۔ شہنشاہ اکبر کی آزاد خیالی سے عوام، عام طور پر اسلام سے بے پرواہ ہو گئے۔ ہندووانہ رسمیں مسلمانوں میں رواج پا گئیں۔ دینی حمیت و غیرت مردہ ہوگئی اور مسلم معاشرہ تنزل کا شکار ہو گیا۔ ان میں جرأت و ہمت جانثاری اور اسلامی احساس کے جذبات سرد پڑ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مرہٹوں اور سکھوں نے سر اٹھایا تو مسلم عوام میں اتنی سکت نہ تھی کہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔

وسعتِ سلطنت

اورنگ زیب کے زمانے میں دکن کی ریاستوں کو مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا جس سے سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔ اتنی وسیع سلطنت کا انتظام سنبھالنا نہایت مشکل تھا، خاص کر جب کہ ذرائع

آمد و رفت اچھے نہ تھے اور خبر رسانی کا بھی خاطر خواہ انتظام نہ تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دور دراز صوبوں نے آزاد ہونا شروع کر دیا بنگال میں علی وردی خاں ، اودھ میں سعادت علی خاں اور دکن میں نظام الملک آزاد ہو گئے ۔

بیرونی حملے

مغلیہ سلطنت کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملے کیے جس سے سلطنت کی رہی سہی طاقت بھی تباہ ہوگئی ۔

مسلمانوں کا علمی و عسکری انحطاط

مغلیہ سلطنت کے زوال کا ایک سبب مسلمانوں کا علمی انحطاط بھی تھا ۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں یورپ کی دنیا میں علمی انقلاب آئے ، لیکن مسلمانوں کی علمی ترقی کی راہیں مسدود ہو کر رہ گئیں ۔ انھوں نے سائنس کی نئی انکشافات سے فائدہ نہیں اٹھایا ۔

یورپ کی قوموں نے فنون جنگ میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں، ان کے ہاں نئے آلاتِ حرب ، دور مار توپیں اور اعلیٰ قسم کا گولہ بارود تیار ہوتا ۔ اس طرح انھوں نے بحر ہند میں اپنی برتری قائم کر لی ، لیکن مغلوں نے بحری طاقت کی طرف توجہ نہ دی ۔

بنگال و بہار میں انگریزی حکومت کا قیام

یورپی اقوام برصغیر میں تجارت کی غرض سے آئی تھیں ۔ انھوں نے دیسی ریاستوں کی فوجی کمزوری کو بھانپ لیا اور ملکی ابتری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملکی سیاست میں دخل دینا شروع کر دیا ۔ وہ برصغیر میں اپنی حکومت قائم کرنے کے منصوبے باندھنے لگیں ۔ ان کے پاس جدید آلاتِ جنگ تھے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغل اور دیسی حکمران ، انگریزی تجارتی کمپنی سے مات کھا گئے ۔

۱۷۵۷ء میں انگریزوں نے بنگال فتح کر لیا اور یہیں سے وہ آہستہ آہستہ پورے برصغیر پر چھا گئے۔

سوالات

(۱) سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب بیان کیجیے۔
(۲) کن وجوہ کی بنا پر برصغیر میں مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا؟

اٹھارھواں باب

مغلیہ عہد کے ثقافتی و معاشرتی اثرات

مغلوں نے برصغیر میں تین سو سال کے قریب حکومت کی - ان کے ملکی اور انتظامی کارنامے جتنے عظیم تھے ان کے ثقافتی کارنامے بھی اتنے ہی شاندار تھے - ان کا دور، علم و فن کی ترقی کا عہد تھا - فن ادب، فن تعمیر، فن مصوری ہر شعبے میں مغلوں کا اثر نمایاں تھا - مغل شہنشاہ بڑے تعلیم یافتہ، روشن خیال اور با ذوق انسان تھے - ان کے دربار میں اہلِ علم کا ہجوم رہتا تھا - وہ لوگوں پر انعام و اکرام کی بارش کرتے، اس لیے ایران اور وسط ایشیا سے ہر فن کے ماہر، مغلیہ دربار میں جمع ہو گئے تھے -

بابر، عالم بادشاہ تھا، فارسی اور ترکی زبانوں کا ماہر تھا - اس نے اپنی سوانح عمری خود لکھی - ہمایوں جہاں جاتا اپنے کتب خانے کو ساتھ رکھتا - اکبر اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن ہر روز ایک نہ ایک عالم، بادشاہ کو کتابیں پڑھ کر سناتا اور اس کا معاوضہ حاصل کرتا تھا - اکبر نے علم و ادب کی سرپرستی کی - اس کے عہد میں سنسکرت اور دوسری زبانوں کی کتابوں کے فارسی میں ترجمے کیے گئے - فیضی نے مہابھارت کے بعض حصوں کا فارسی میں ترجمہ کیا - بدایونی نے رامائن کا فارسی میں ترجمہ کیا - اسی عہد میں "تزک بابری" کا ترکی سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا - ابوالفضل نے 'اکبر نامہ' اور 'آئین اکبری' اور بدایونی نے 'منتخب التواریخ' لکھی - یہ اس عہد کی معتبر تواریخ ہیں -

جہانگیر بھی ترکی اور فارسی دونوں زبانیں جانتا تھا ۔ اس نے اپنی سوانح حیات ''تزک جہانگیری'' لکھی ۔ اس کے عہد میں جو امیر لاوارث مر جاتا ، اس کی جائداد ضبط کر لی جاتی اور اس سے حاصل شدہ آمدنی مدرسوں کی تعمیر اور تعلیمی ترقی پر خرچ کر دی جاتی تھی ۔ شاہ جہاں نے دہلی کی جامع مسجد کے نزدیک ایک عظیم مدرسے کی بنیاد رکھی ۔

شاہ جہاں کے عہد کے حالات ملّا عبدالحمید لاہوری نے ''بادشاہ نامہ'' میں درج کیے ہیں ۔ شاہ جہاں کا بیٹا داراشکوہ عربی اور فارسی کا عالم تھا ۔ وہ ہندو پنڈتوں کی صحبت میں بیٹھتا تھا ، اس نے برہمنوں سے ''اپنشدوں'' کا فارسی میں ترجمہ کروایا ''بھگوت گیتا'' اور رامائن کا خود ترجمہ کیا ۔ اس نے اولیائے کرام کے حالات بھی قلمبند کیے ۔

اورنگ زیب نے تعلیم کی ترقی کی طرف ذاتی توجہ دی ۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ملک میں کوئی طالب علم اور مکتب مالی امداد کے بغیر نہ رہے ، اس کے عہد میں لکھنؤ ، ٹھٹھہ ، جونپور آگرہ ، دہلی ، سیالکوٹ اور لاہور میں بڑے بڑے تعلیمی مراکز قائم کیے گئے ۔

فن تعمیر

مغل اپنے ہمراہ ایران سے ماہرین فن تعمیر لائے تھے جس سے برصغیر کے فن تعمیر میں ایرانی اثر غالب آنے لگا ۔ بابر ''تزک بابری'' میں لکھتا ہے کہ صرف آگرہ میں ۶۸۰ سنگ تراش اور دیگر مقامات پر ۱۵۰۰ سنگ تراش ہر روز کام کرتے تھے ۔

اکبر کے عہد میں آگرہ کی جامع مسجد اور ہمایوں کا مقبرہ اس دور کے اسلامی فن کے بہترین نمونے ہیں ۔

جہانگیر نے باغات لگوائے ، کشمیر میں شالا مار باغ اور نشاط باغ اس کے عہد کی یادگار ہیں ۔ جہانگیر نے ''جہانگیر نگر''

کو بنگال کا صدر مقام بنایا، یہی شہر آج کل ڈھاکہ کہلاتا ہے۔

شاہ جہاں کے زمانے کی بہت سی عمارتیں دہلی اور آگرہ میں ہیں۔ ان میں آگرہ کی جامع مسجد اور تاج محل دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ لاہور میں شاہدرہ کے قریب جہانگیر کا مقبرہ اور ٹھٹہ کی جامع مسجد اسی عہد میں بنوائی گئی۔

اورنگ زیب نے بادشاہی مسجد لاہور اور جامع مسجد ڈھاکہ تعمیر کروائیں۔ یہ عمارتیں اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے بے مثال ہیں۔

فن مصوری

مغلیہ عہد میں مصوری نے بہت ترقی کی۔ بابر کو خاص طور پر مصوری سے گہرا لگاؤ تھا، ہمایوں بھی اپنے ساتھ دو مشہور مصوروں کو ایران سے برصغیر لایا۔ اکبر کے عہد میں مصوری کا علیحدہ شعبہ خواجہ عبدالصمد کی نگرانی میں قائم کیا گیا۔ اکبر نے دیواروں پر تصویریں بنانے کا فن دوبارہ رائج کیا۔ جہانگیر فن مصوری میں بے حد ماہر تھا اور وہ تصویر دیکھ کر بتا سکتا تھا کہ اسے کس مصور نے بنایا ہے۔ شاہ جہاں کو مصوری سے زیادہ تعمیرات کا شوق تھا، تاہم اورنگ زیب نے مصوری کی حوصلہ افزائی نہ کی۔

صنعت

مغلوں کے عہد میں سرکاری صنعتیں قائم تھیں۔ لاہور اور کشمیر میں اونی شالیں تیار ہوتی تھیں۔ سوتی کپڑے کا مرکز مشرقی بنگال تھا۔

مغلوں نے زراعت کی طرف خاص توجہ دی۔ ان کی بنوائی ہوئی نہریں آج تک آب پاشی کا اہم ذریعہ ہیں۔

ہندوؤں کے مذہب میں سمندری سفر منع تھا، مغلوں نے آکر انھیں دنیا کے دوسرے ممالک سے روشناس کرایا۔ مغلیہ عہد میں

تجارت خوب چمکی۔ وسط ایشیا ، ایران ، عرب ، حبشہ ، چین ، جاوا ، سماٹرا کے تاجر برصغیر کے ساتھ تجارت کرتے ، ولندیزی ، پرتگیز اور انگریز یہاں کا مال یورپ لے جاتے۔ مغلوں کے زمانے میں معاشرے کے تین طبقے تھے ، حکمران طبقے کے افراد میں شہنشاہ ، منصب دار اور وزرا شامل تھے ، وہ دولت میں کھیلتے ۔ دوسرے طبقے میں تاجر پیشہ افراد ، کاریگر اور زراعت کرنے والے شامل تھے ، یہ لوگ مطمئن تھے ۔ تیسرے طبقے میں مزدور اور معمولی کاریگر شامل تھے یہ لوگ سادہ زندگی بسر کرتے تھے ۔

مغل شہنشاہ بڑے روادار تھے۔ ہندوؤں سے ان کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے ۔ مغل شہنشاہوں نے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں، ان کے رسم و رواج کو اپنایا ، ان کے تہواروں میں شرکت کی ، ہندو مختلف صوبوں کے حاکم بنے ، مختلف مہموں میں جرنیل بنے ، اس سے ایک دوسرے سے ہمدردی کا جذبہ بڑھا ، کئی مسلمانوں نے سنسکرت اور ہندی کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا ، اس طرح کئی ہندوؤں نے فارسی میں نظمیں لکھیں ۔ اس سے ملک میں نئے تمدن نے جنم لیا ۔ لیکن کئی سو سال اکٹھا رہنے کے باوجود ہندوؤں اور مسلمانوں میں وحدتِ فکر پیدا نہ ہو سکی ، ہندو ، دل سے مسلم حکومت کے ہمیشہ دشمن رہے ۔

سوالات

(۱) مغلیہ عہد میں علمی، ادبی اور تعلیمی ترقی کا حال بیان کیجیے۔

(۲) مغلوں کی سرپرستی میں فن تعمیر ، فن مصوری اور صنعت و تجارت میں جو نمایاں ترقی ہوئی ، اس کی وضاحت کیجیے ۔

انیسواں باب

یورپی اقوام کی آمد

قدیم زمانے ہی سے یورپ اور برصغیر کے درمیان تجارتی تعلقات قائم تھے، یہ تجارت بری اور بحری راستوں کے ذریعے ہوتی تھی - برصغیر کا تجارتی سامان شام اور مصر کے راستے اٹلی تک پہنچتا تھا، وہاں سے وینس کے تاجر اسے یورپ کے دوسرے ملکوں تک پہنچاتے تھے - ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے استنبول فتح کر لیا اور کچھ عرصے بعد مصر بھی فتح کر لیا، اس طرح سمندری تجارت کی قدیم شاہراہ ترکوں کے قبضے میں آ گئی - ترک مسلمان تھے اور یورپ والے عیسائی- یورپی تاجروں نے پرانے تجارتی راستوں کو ترک کر دیا اور برصغیر کی طرف نیا سمندری راستہ دریافت کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے -

۱۴۹۸ء میں پرتگالی جہاز ران واسکوڈے گاما، راس امید کے گرد چکر کاٹ کر برصغیر کی بندرگاہ "کالی کٹ" پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور یوں برصغیر کی طرف تجارت کے لیے نیا بحری راستہ دریافت ہوا -

برصغیر میں اہل یورپ کی نوآبادیاں

پرتگیز

چونکہ بحری راستہ پرتگیزوں نے دریافت کیا تھا، اس لیے سب سے پہلے وہی برصغیر کے مغربی ساحل پر تجارت کے لیے آئے- واسکوڈے گاما نے "کالی کٹ" کے راجا سے تجارت کرنے کی اجازت

حاصل کر لی ، پرتگیزوں نے کالی کٹ ، ہگلی ، گوا اور بمبئی کے مقامات پر اپنی نو آبادیاں قائم کر لیں ، وہ سو سال تک برصغیر کی تجارت کے اجارہ دار رہے - پرتگیز سمندری قزاق تھے - وہ ہندوستانی جہازوں کو لوٹ لیتے ، چھوٹے بچوں کو اغوا کر کے غلام بنا لیتے اور فروخت کر دیتے ، وہ زبردستی لوگوں کو عیسائی بھی بناتے تھے - شاہ جہاں کے عہد میں انھیں ہگلی سے نکال دیا گیا اور اورنگ زیب کے عہد میں بنگال سے ان کی طاقت بالکل ختم کر دی گئی -

ڈچ

ہالینڈ کے باشندوں کو ڈچ یا ولندیز کہتے ہیں ، انھوں نے پرتگیزوں کو دیکھ کر ۱۵۹۸ء میں برصغیر میں تجارت شروع کر دی - ڈچ لوگ گرم مصالحے کی تجارت کرنا چاہتے تھے ، اس لیے وہ جاوا اور سماٹرا کے جزائر پر قابض ہو گئے - برصغیر میں انھوں نے تجارتی کوٹھیاں قائم کیں ، مگر انگریزوں کے مقابلے میں ان کی کوئی پیش نہ گئی اور رفتہ رفتہ ان کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا -

انگریز

انگریزوں نے ۱۶۰۰ء میں ملکہ انگلستان کی اجازت سے ایک تجارتی کمپنی بنائی ، جس کا نام "ایسٹ انڈیا کمپنی" رکھا - ۱۶۱۰ء میں انگریزی سفیر سرطامس راؤ ، مغل بادشاہ جہانگیر سے ملا اور اس سے کچھ تجارتی رعایتیں حاصل کر لیں ، انگریزوں نے اپنی تجارتی کوٹھی سورت میں قائم کی - ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب کے عہد میں انگریزوں نے مغل جہازوں پر قبضہ کر لیا اور ہگلی شہر کو آگ لگا دی - اس پر اورنگ زیب نے انگریزوں کو شکست دی - بعد میں انگریزوں نے اپنی غلطی کی معافی مانگ لی اور اورنگ زیب نے انگریزوں کو دی ہوئی تجارتی رعایتیں دوبارہ بحال کر دیں -

فرانسیسی

انگریزوں کی دیکھا دیکھی ۱۶۶۴ء میں فرانسیسیوں نے بھی اپنی تجارتی کمپنی بنائی اور برصغیر کے ساتھ تجارت شروع کر دی۔ انھوں نے پانڈیچری اور ماہی میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔

دکن میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی کشمکش

جب انگریزوں اور فرانسیسیوں نے برصغیر میں اپنے قدم جمائے اس وقت ملک کی سیاسی حالت بڑی ابتر تھی۔ مغلیہ سلطنت روبہ زوال تھی، دور دراز کے صوبے خود مختار ہو گئے تھے۔ دکن میں بھی طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ۱۷۲۴ء میں دکن کا صوبے دار نظام الملک آزاد ہو گیا۔ کرناٹک کا گورنر بھی خود مختار بن بیٹھا۔ اس کے علاوہ جابجا چھوٹے قلعے دار اپنی خود مختاری کا دعویٰ کرتے تھے۔ ان ریاستوں کے حکمران ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ ان حالات میں انگریز اور فرانسیسی تاجروں کے دل میں بھی برصغیر میں حکمرانی کی خواہش پیدا ہوئی۔ انھوں نے تجارتی کوٹھیوں کے بہانے فوجی قلعے بنانے شروع کر دیے اور دیسی سپاہی بھی بھرتی کر لیے۔ جب کبھی مقامی حکمرانوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوتا تو یہ دونوں قومیں دخل دیتیں۔

۱۷۴۴ء سے ۱۷۶۳ء تک انگریز اور فرانسیسی دکن میں ایک دوسرے کے خلاف لڑائیوں میں مصروف رہے۔ دکن میں انھوں نے تین لڑائیاں لڑیں جنھیں کرناٹک کی جنگیں کہا جاتا ہے۔

کرناٹک کی پہلی لڑائی ۱۷۴۴ء تا ۱۷۴۸ء

۱۷۴۴ء میں یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی، اس لیے دکن میں بھی دونوں میں لڑائی چھڑ گئی، فرانسیسی بیڑے کے کپتان نے مدراس فتح کر لیا۔ وہ انگریزوں کے مشہور قلعے "سینٹ ڈیوڈ" کو بھی فتح کرنا چاہتا تھا

لیکن اسے ناکامی ہوئی - ۱۷۴۸ء میں یورپ میں دونوں قوموں کے درمیان جنگ ختم ہو گئی ، تو دکن میں بھی دونوں کے درمیان جنگ بند ہو گئی - فرانسیسیوں نے مدراس انگریزوں کو واپس کر دیا۔

کرناٹک کی دوسری لڑائی ۱۷۴۹ء تا ۱۷۵۵ء

۱۷۴۸ء میں نظام حیدر آباد انتقال کر گیا - اس کے بیٹے ناصر جنگ اور نواسے مظفر جنگ میں تخت نشینی کے لیے جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا - اِنھیں دنوں کرناٹک کی گدی کے لیے بھی چندا صاحب اور محمد علی کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی - فرانسیسی جرنیل ڈوپلے نے چندا صاحب اور مظفر جنگ کا ساتھ دیا - انگریزوں نے ناصر جنگ اور محمد علی کی حمایت کا اعلان کر دیا - لڑائی کے شروع میں فرانسیسیوں کو کامیابی ہوئی - انھوں نے صلابت جنگ کو حیدرآباد کا نواب بنا دیا اور فرانسیسی جرنیل بسے کو حیدرآباد کے دربار میں مقرر کیا -

عین اس وقت ایک چالاک انگریز سالار ، کلایو نے جنگ کا رخ پھیر دیا۔ فرانسیسی اور چندا صاحب ترچناپلی کے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے - کلایو نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے کرناٹک کے پایہ تخت ارکاٹ پر حملہ کر دیا - اس سے چندا صاحب کی فوجی قوت دو حصوں میں بٹ گئی اور اسے شکست ہوئی - انگریزوں نے محمد علی کو کرناٹک کا نواب بنا دیا - ۱۷۵۵ء میں دونوں کمپنیوں کے درمیان صلح ہو گئی -

کرناٹک کی تیسری لڑائی

۱۷۵۶ء میں یورپ میں ایک بار پھر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی - برصغیر میں بھی دونوں قوموں کے درمیان جنگ چھڑنا لازمی تھا۔ فرانسیسی حکومت نے کونٹ ڈی لالی کو سالار بنا کر بھیجا - اس نے آتے ہی انگریزوں کے قلعے

سینٹ ڈیوڈ پر قبضہ کر لیا ، لیکن اس سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ اس نے اپنے ہی ایک جرنیل بسے کو حیدر آباد سے بلا لیا - بسے کو بلانے سے حیدر آباد کے دربار سے فرانسیسی اثر و رسوخ جاتا رہا اور نظام ، انگریزوں سے مل گیا - اس کے بعد لالی کو پے در پے شکستیں ہوئیں - انگریزوں نے پانڈیچری پر قبضہ کر لیا اور اب فرانسیسیوں میں انگریزوں کے مقابلے کی ہمت نہ رہی - اگرچہ ۱۷۶۳ء میں دونوں قوموں کے درمیان صلح ہو گئی ، تاہم دکن سے فرانسیسی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا -

انگریزوں کی کامیابی

انگریزوں کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ تمام سمندری راستے ان کے قبضے میں تھے ، وہ فوجیں اور سامان بڑی آسانی سے برصغیر میں بھیج سکتے تھے جب کہ فرانسیسی ایسا نہیں کر سکتے تھے - انگریزوں کی تجارتی کمپنی پرائیویٹ ادارہ تھا ، لیکن فرانسیسی کمپنی حکومت کا ایک حصہ تھی ، اس لیے حکومت مختلف معاملات میں ناجائز مداخلت کرتی تھی - انگریزی کمپنی کی مالی حالت بھی بہتر تھی - فوجی حکام میں بھی اتحاد تھا اور سپاہیوں میں بھی نظم و نسق تھا -

سوالات

(۱) برصغیر اور یورپ کے درمیان بحری راستے کی تلاش کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس راستے سے کون سی یورپی اقوام برصغیر میں آئیں ؟

(۲) دکن میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی باہمی لڑائیوں کے حالات لکھیے، نیز انگریزوں کی کامیابی کے اسباب تحریر کیجیے-

(۳) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :

(ا) واسکوڈے گاما

(ب) پرتگیزوں کا برصغیر میں دخل

بیسواں باب

بنگال پر انگریزوں کا قبضہ

دکن کے بعد انگریزوں کی توجہ بنگال کی طرف ہوئی - ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد بنگال میں خود مختاری کا رجحان پیدا ہوگیا تھا - شروع ہی سے انگریزوں کو بنگال میں تجارتی رعایتیں حاصل تھیں ، وہ محصول دیے بغیر بنگال میں آزاد تجارت کرتے تھے - انھوں نے یہاں باقاعدہ فوجی قلعے بھی تعمیر کر لیے تھے - بنگال کا نواب علی وردی خان بڑا قابل اور دور اندیش حکمران تھا اور انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ناپسند کرتا تھا - اس نے انگریزوں کو قلعے بنانے سے بھی روکا -

ہندوؤں اور انگریزوں کا گٹھ جوڑ

بنگال کے نوابوں نے ہندوؤں کا ہمیشہ بہت خیال رکھا - ہندو ، حکومت کے ہر شعبے پر چھائے ہوئے تھے - ہندو تاجر اور جاگیردار بڑے امیر تھے ، مسلمانوں کے اتنے اچھے سلوک کے باوجود بھی ہندو مطمئن نہ تھے - وہ درپردہ مسلمانوں کی حکومت کے خلاف تھے - انگریز تاجروں نے حالات کو جان لیا اور ہندوؤں کے ساتھ تعلقات بڑھائے - انگریز تو یہاں تک کہا کرتے تھے کہ اگر ہم پر کوئی آفت آئی تو ہندو ہی ہمارا ساتھ دیں گے -

مغلوں کے زوال کے بعد جب مرکزی حکومت کمزور ہوگئی تو ہندوؤں نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے گٹھ جوڑ کر لیا - ان دونوں نے

مل کر بنگال کے مسلمان نواب کے خلاف سازش کی تاکہ بنگال سے مسلم حکومت ختم کی جا سکے۔

جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء

۱۷۵۶ء میں علی وردی خان کی وفات پر اس کا نواسہ سراج الدولہ بنگال کا نواب بنا۔ کچھ ہی عرصہ بعد انگریزوں سے اس کی ان بن شروع ہو گئی۔ نواب اور انگریزوں کے درمیان جھگڑے کی کچھ وجوہ تھیں۔

(۱) اس وقت یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے نواب کی اجازت لیے بغیر بنگال میں اپنے قلعے مضبوط کرنے شروع کر دیے۔ سراج الدولہ نے انھیں منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔

(۲) انگریزوں نے ایک مفرور بنگالی سوداگر کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ نواب نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر اس کے باوجود اسے حکومت کے حوالے نہ کیا گیا۔

(۳) انگریز تجارتی رعایتوں سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے جس سے حکومت کو مالی خسارا ہو رہا تھا۔

یہ تمام باتیں نواب کو ناراض کرنے کے لیے کافی تھیں۔ اس نے انگریزوں کے خلاف فوج کشی کی۔ پہلے قاسم بازار کی انگریزی کوٹھی پر قبضہ کر کے مانک چند کو کلکتے کا حاکم مقرر کر دیا۔

جب انگریزوں کی شکست کی خبر مدراس پہنچی تو انگریز سالار کلایو فوج لے کر کلکتہ پہنچا۔ کلکتہ کا حاکم مانک چند انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ اس نے مقابلہ کیے بغیر کلکتہ انگریزوں کے حوالے کر دیا اور خود مرشد آباد بھاگ گیا۔ نواب دوبارہ فوج لے کر کلکتہ پہنچا لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس کی فوج میں کئی غدار

ہیں جو انگریزوں سے لڑنا نہیں چاہتے ۔ اس پر نواب نے کمپنی سے صلح کر لی اور ان کی سابقہ رعایتیں بحال کر دیں ۔

صلح کے باوجود انگریز ، نواب کے خلاف ساز باز کرتے رہے ۔ کلایو نے ہندو امرا کو ساتھ ملا کر ، نواب کے سپہ سالار میر جعفر کو بنگال کا نواب بنانے کا فیصلہ کرلیا ۔ ایک ہندو سوداگر امیرچند کی معرفت تمام سازش مکمل ہوئی ۔ سازش مکمل کر لینے کے بعد کلایو تین ہزار دو سو سپاہیوں کے ہمراہ بنگال کے دارالحکومت مرشد آباد کی طرف بڑھا ۔

سراج الدولہ کی پچاس ہزار فوج کا سپہ سالار میر جعفر تھا ۔ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں تاریخی لڑائی لڑی گئی ۔ میر جعفر اور فوج کے دوسرے غدار افسروں نے لڑائی میں کوئی حصہ نہ لیا اور بیشتر فوج بغیر لڑے ایک طرف کھڑی رہی ۔ صرف میر مدن اور موہن لال نواب کے وفادار رہے اور اپنے دوستوں سمیت جواں مردی سے لڑے ۔ بدقسمتی سے میر مدن گولی لگنے سے ہلاک ہوگیا ۔ اس پر میر جعفر نے نواب کو مشورہ دیا کہ اب لڑائی روک دی جائے ۔ کل صبح تازہ دم ہوکر زیادہ تیاری سے لڑائی لڑیں گے ۔ ساتھ ہی میر جعفر نے کلایو کو اطلاع بھیج دی کہ نواب کی فوج جو اس وقت واپس جا رہی ہے اس پر حملہ کر دیا جائے ۔ انگریزوں نے نواب کی فوج پر زور دار حملہ کیا ۔ سراج الدولہ کی فوج شکست کھا کر بھاگ اٹھی ۔ نواب بھی بھاگ گیا ، لیکن میر جعفر کے لڑکے نے اس کا تعاقب کرکے اسے قتل کر ڈالا ۔ پلاسی کی لڑائی میں انگریزوں کی فتح ان کی کسی بہادری کا نتیجہ نہ تھی بلکہ انہوں نے یہ لڑائی فریب اور غداری سے جیتی تھی ۔

نتائج

(۱) پلاسی کی فتح سے بنگال جیسے زرخیز صوبے پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہوگیا تھا ۔ اگرچہ انگریزوں نے میر جعفر کو بنگال کا

نواب بنا دیا تھا ، تاہم سارے اختیارات انگریزوں کے ہاتھ میں تھے۔ نواب محض کٹھ پتلی حکمران تھا۔

(۲) میر جعفر نے نواب بننے کے عوض کمپنی کو ایک کروڑ روپیہ اور بہت سا علاقہ دیا۔ انھیں بے شمار تجارتی رعایتیں بھی دیں۔ کمپنی کے ملازمین نے بنگال کے خزانے کو جی بھر کر لوٹا یہاں تک کہ مرشد آباد سے سو کشتیوں میں سونا لاد کر کے کلکتہ اور وہاں سے انگلستان پہنچایا گیا۔

(۳) بنگال سے حاصل کی ہوئی دولت سے انگریزوں نے دکن میں فرانسیسیوں کا مقابلہ کیا۔

(۴) انگریزوں کے ہاتھوں بنگال کی فتح ، دراصل برصغیر کی غلامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

میر قاسم

میر جعفر انگریزوں کے مطالبات پورے کرتا رہا۔ جب وہ انگریزوں کو مزید رقم دینے کے قابل نہ رہا تو انگریزوں نے اسے معزول کر کے میر قاسم کو بنگال کا نواب بنا دیا۔ میر قاسم نے کمپنی کے ملازمین کو بھاری رشوتیں دیں۔ صرف انگریز گورنر کو پچاس ہزار پونڈ دیے گئے۔

میر قاسم حکمران تھا۔ اس نے صوبے میں بدنظمی دور کرنے کے لیے چند اصلاحات کیں۔ فوج کو منظم کیا۔ بنگال کا دارالحکومت مرشد آباد کی بجائے منگھیر مقرر کیا۔ صوبے کی مالی حالت بہتر بنانے کے لیے اس نے انگریز تاجروں پر بھی چند ایک جائز پابندیاں عاید کر دیں۔ اس سے انگریز اس کے خلاف ہوگئے۔ انھوں نے میر قاسم کو الگ کر کے میر جعفر کو دوبارہ بنگال کا نواب بنا دیا۔ میر قاسم اودھ بھاگ گیا۔

جنگ بکسر ۱۷۶۴ء

میر قاسم نے اودھ کے نواب شجاع الدولہ اور مغل بادشاہ

شاہ عالم ثانی سے مدد مانگی - میر قاسم ، نواب شجاع الدولہ اور مغل بادشاہ کی متحدہ افواج نے بکسر کے میدان میں انگریزوں کا مقابلہ کیا ، لیکن انھیں شکست ہوئی - میر قاسم میدان جنگ سے بھاگ گیا - شاہ عالم اور شجاع الدولہ گرفتار کر لیے گیے -

۱۷۶۵ء میں کلایو نے شاہ عالم ثانی اور شجاع الدولہ سے معاہدہ کیا - اس معاہدہ کے مطابق انگریزوں نے شجاع الدولہ سے کڑا اور الہ آباد کے علاقے لے لیے اور اس سے بھاری تاوانِ جنگ بھی وصول کیا - مغل بادشاہوں نے انگریزوں کو بنگال ، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی عطا کی - اس کے عوض انگریزوں نے مغل بادشاہ کو چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ بطور خراج شاہی دینے کا وعدہ کیا -

دو عملی نظام

۱۷۶۵ء میں انگریزوں نے بنگال کا انتظام چلانے کے لیے نیا طریقہ شروع کیا ، جسے ''دو عملی'' کہتے ہیں - اس کا مطلب یہ ہے کہ بنگال کا انتظام دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا - انگریزی کمپنی بنگال ، بہار اور اڑیسہ کا پورا مالیہ وصول کرتی تھی - فوج کا سارا انتظام بھی کمپنی کے سپرد تھا - بنگال کا نواب صرف ملک کے انتظام کا ذمہ دار تھا - کمپنی ، نواب کو ملک کے انتظام کے اخراجات کے لیے سالانہ ترپن لاکھ روپے دے دیتی تھی - اس نظام میں بڑی خرابی یہ تھی کہ کمپنی کے ملازمین کے پاس اختیارات تو بڑے وسیع تھے لیکن انھوں نے انتظام چلانے کی ذمہ داری پاس نہ رکھی - نتیجہ یہ نکلا کہ اس نامکمل اور ادھورے نظام سے عوام کی حالت روز بروز ابتر ہوتی چلی گئی اور ۱۷۷۰ء میں بنگال میں زبردست قحط پڑا -

۱۷۷۲ء میں انگریز گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے دو عملی نظام کو ختم کر دیا - نواب کو معزول کر کے پنشن دے دی اور بنگال کا سارا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا -

دوامی بندوبست

مغلوں کے عہد میں مالیہ کا نہایت منصفانہ طریق کار مقرر تھا - انگریزوں نے مالیہ کی وصولی کے لیے نیلامی کا طریقہ شروع کیا - جو شخص زیادہ بولی دیتا ، اسے علاقے کا مالیہ اکٹھا کرنے کا حق مل جاتا - یہ نیلام ہر سال ہوتا تھا - مالیہ اکٹھا کرنے والے لوگ زمیندار یا ٹھیکیدار کہلاتے تھے -

انگریز گورنر جنرل کارنوالس نے ۱۷۹۳ء میں بنگال ، بہار اور اڑیسہ میں 'دوامی بندوبست' جاری کیا جس کی رو سے مالیہ اکٹھا کرنے والے ملازمین کو زمین کا مستقل مالک بنا دیا گیا - وہ مقررہ تعداد میں حکومت کو مالیہ دے دیتے تھے -

اس بندوبست سے مسلمان کاشت کاروں کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوئی - ان کے حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا - انہیں ہندو زمینداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ، جو انہیں کسی وقت بھی زمین سے بے دخل کر سکتے تھے -

بندوبست دوامی سے زمیندار طبقے کو جو کہ زیادہ تر ہندوؤں پر مشتمل تھا بہت فائدہ ہوا - وہ دل سے انگریزی حکومت کے وفادار بن گئے -

سوالات

(۱) بنگال پر انگریزوں کے قبضے کا حال بیان کیجیے - برصغیر کی تاریخ میں اس واقعہ کے کیا اثرات برآمد ہوئے ؟

(۲) جنگ پلاسی کی وجوہ ، واقعات اور نتائج تحریر کیجیے -

(۳) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :

(ا) سراج الدولہ

(ب) میر جعفر

(ج) میر قاسم

(د) جنگ بکسر

(ہ) دو عملی نظام

(و) دوامی بندوبست

اکیسواں باب

انگریزی سلطنت کی توسیع

۱۷۷۲ء تک انگریز بنگال، بہار اور اڑیسہ کے عملاً حکمران بن چکے تھے، وہ دکن سے فرانسیسی اقتدار کو پہلے ہی ختم کرچکے تھے۔ برصغیر کے جن علاقوں پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا تھا، ان کا انتظام کرنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی، انگلستان سے گورنر جنرل بھیجتی تھی۔

لارڈ ولزلی ۱۷۹۸ء سے لے کر ۱۸۰۵ء تک ہندوستانی مقبوضات کا گورنر جنرل رہا۔ اس نے انگریزی سلطنت کو وسیع کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا، جسے ''سب سڈی ایری سسٹم'' یا ''امدادی نظام'' کہا جاتا ہے۔

جو حکمران اس ''امدادی نظام'' کے منصوبے کو قبول کر لیتا وہ انگریزوں کی بالا دستی تسلیم کرتا، اپنی حفاظت کے لیے انگریزی فوج رکھتا اور اس فوج کا خرچ اپنی ریاست کے خزانے سے ادا کرتا یا پھر فوج کا خرچ پورا کرنے کے لیے کچھ علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیتا تھا، ایسا حکمران کمپنی کی اجازت کے بغیر کسی سے معاہدہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اپنے دربار میں ایک انگریز ریذیڈنٹ یا مشیر بھی رکھنا پڑتا تھا۔ یہ مشیر، حکمران کو اپنی مرضی پر چلاتا تھا۔

نام کے اعتبار سے تو یہ منصوبہ، مقامی حکمرانوں کی امداد کے لیے تھا، لیکن حقیقت میں یہ تمام ریاستوں پر انگریزوں کے اقتدار

قائم کرنے کا نیا طریقہ تھا ، کیونکہ جو حکمران اس منصوبے کو مان لیتا ، وہ ریاست کی حفاظت اور خارجہ معاملات انگریزوں کے سپرد کر دیتا اور اس طرح اس ریاست کی آزادی و خود مختاری کا خاتمہ ہو جاتا ۔

لارڈ ولزلی نے یہ منصوبہ نہ صرف دیسی حکمرانوں کے سامنے پیش کیا بلکہ انہیں مجبور کیا کہ وہ اس کو قبول کر لیں ، جس ریاست نے قبول نہ کیا اس کے خلاف جنگ کی ۔

ریاست حیدر آباد ، اودھ ، تنجور ، سورت اور کرناٹک کے حکمرانوں نے اس منصوبے کو قبول کرلیا ۔ مرہٹوں نے بھی 'امداد' قبول کر لی ۔ ٹیپو سلطان نے اس منصوبے کو نہ مانا تو انگریزوں نے اس کے خلاف جنگ لڑی اور میسور پر قبضہ کر لیا ۔

اس امدادی نظام سے انگریزی تجارتی کمپنی نے بغیر جنگ کیے برصغیر میں وسیع علاقے کو اپنا تابع کر لیا ۔

رہی سہی کسر لارڈ ڈلہوزی نے پوری کر دی ۔ وہ ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک برصغیر کا گورنر جنرل رہا ، اس نے مقامی ریاستوں کو انگریزی سلطنت میں شامل کرنے کی نئی حکمت عملی وضع کی ۔ اس نئے نظریے کے مطابق اگر کسی ماتحت یا باجگزار ریاست کا حکمران اولاد نرینہ کے بغیر مر جاتا تو اس کی ریاست انگریزی سلطنت میں شامل کر لی جاتی ۔ ہندوؤں کے مذہب میں اس بات کی اجازت ہے ، کہ اگر کسی حکمران کا اپنا لڑکا نہ ہو تو وہ کسی اور کو اپنا وارث یا متبنیٰ بنا لیتا تھا ، لیکن اس اصول کے مطابق کسی دیسی ریاست کے حکمران کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ اپنا متبنیٰ بنا سکے ، لارڈ ڈلہوزی کے زمانے میں بہت سی ریاستوں کے حکمران اولاد نرینہ چھوڑے بغیر مر گئے اور اس طرح سات ریاستوں ، ستارہ ، جھانسی ، ناگپور ، سنبھل پور ، جے پور بھگت اور اودے پور کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا گیا ۔

حیدر علی اور ٹیپو سلطان

دکن میں میسور کی مسلم سلطنت کا بانی حیدر علی تھا ، وہ معمولی فوجی افسر سے ترقی کر کے میسور کی ہندو ریاست کی افواج کا سپہ سالار مقرر ہوا ، ان دنوں میسور کا وزیر نند راج ، عوام میں غیر مقبول ہو گیا ۔ راجا نے نند راج کو ہٹا کر تمام اختیارات حیدر علی کو سونپ دیے ، بعد میں جب راجا نے حیدرعلی کے خلاف سازش کی تو حیدر علی نے اسے شکست دے کر عنانِ حکومت خود سنبھال لی ۔

حیدر علی اپنے زمانے کا واحد حکمران تھا ، جو انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو برصغیر کے لیے ایک خطرہ محسوس کرتا تھا اور انھیں برصغیر سے نکالنے کے درپے تھا ۔ اگر نظام حیدر آباد اور مرہٹے اس کا ساتھ دیتے ، تو یہ بہادر سپاہی اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاتا اور انگریز کبھی بر صغیر میں قدم نہ جما سکتے ۔

میسور کی پہلی جنگ

حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت سے مرہٹے ، نظام اور انگریز خوفزدہ ہو رہے تھے۔ ان تینوں نے حیدرعلی کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا اور ۱۷۶۷ء میں ان تینوں کی متحدہ افواج نے میسور پر چڑھائی کردی ۔ حیدر علی نے دانش مندی سے کام لیتےہوئے مرہٹوں اور نظام کو انگریزوں سے علیحدہ کر لیا ۔ اب انگریز اکیلے رہ گئے۔ حیدر علی ، کرناٹک کو فتح کر کے مدراس تک جا پہنچا ، اس پر انگریزوں نے صلح کر لی ، عہد نامہ مدراس کے مطابق دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے فتح کیے ہوئے علاقے واپس کر دیے اور جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ بھی کیا ، اس شکست سے کمپنی کی ساکھ کم ہو گئی ۔ برطانیہ میں لوگوں نے اس کے حصے خریدنے بند کر دیے اور اس کے حصوں کی قیمت ساٹھ فی صد تک گر گئی ۔

میسور کی دوسری لڑائی

مدراس کے عہد نامے میں یہ شرط تھی کہ اگر انگریز یا حیدر علی پر کوئی دشمن حملہ کرے گا تو وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے، لیکن انگریز اپنے عہد پر قائم نہ رہے اور جب مرہٹہ افواج نے میسور پر حملہ کیا تو انگریزوں نے حیدر علی کی مدد نہ کی۔ اب حیدر علی کا انگریزوں پر سے اعتماد اٹھ گیا اور اس نے انگریزوں کی عہد شکنی کو کبھی معاف نہ کیا، اس دوران مرہٹہ قائد، انگریزوں کے خلاف ہو گیا اور نظام کو بھی انگریزوں سے شکایت پیدا ہوگئے چنانچہ حیدر علی، نظام اور مرہٹوں میں اتحاد ہوگیا، ۱۷۷۹ء میں انگریزوں نے فرانسیسیوں سے ماہی کی بندرگاہ چھین لی، اس بندرگاہ سے حیدر علی کو بہت فائدہ پہنچتا تھا، اس نے انگریزوں سے ماہی کی بندرگاہ خالی کرنے کا مطالبہ کیا، لیکن انگریزوں نے پرواہ نہ کی۔ اس پر حیدر علی نے تقریباً ۸۰ ہزار کا لشکر لے کر کرناٹک پر حملہ کر دیا۔ انگریزوں کے دو بڑے سالار کرنل بیلی اور منرو فوج کی کمان کر رہے تھے، کرنل بیلی کو ٹیپو سلطان نے شکست فاش دی اور گرفتار کر لیا، منرو شکست کھا کر اپنی توپیں دریا میں پھینک کر مدراس بھاگ گیا۔ اس پر انگریز گورنر جنرل نے چالبازی سے کام لیتے ہوئے نظام کو حیدر علی سے الگ کر دیا اور مرہٹہ سردار کو بھی رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا، حیدر علی ایک دفعہ پھر اکیلا رہ گیا لیکن اس کی دلیری اور ثابت قدمی میں کوئی فرق نہ آیا۔ حیدر علی عظیم جرنیل تھا اور انگریزی فوج کو شکست پہ شکست دے رہا تھا۔ ابھی جنگ جاری تھی کہ حیدر علی کا انتقال ہوگیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے ٹیپوسلطان نے جنگ جاری رکھی اور انگریز پیش قدمی نہ کر سکے۔ آخر ۱۷۸۴ء میں منگلور کے عہد نامے کے مطابق صلح ہو گئی اور ایک دوسرے کے مفتوحہ علاقے واپس کر دیے گئے، لیکن انگریز اس معاہدے کو بھی نہ نبھا سکے۔

میسور کی تیسری لڑائی

انگریز، ٹیپو سلطان سے جنگ چھیڑ کر اسے کمزور کرنا چاہتے تھے، تاکہ دکن میں کوئی ان کا حریف نہ رہے۔ انگریز گورنر جنرل لارڈ کارنوالس نے نظام اور مرہٹوں سے ساز باز کر کے انھیں ساتھ ملا لیا، ریاست ٹراونکور اور ٹیپو سلطان کے درمیان بعض سرحدی جھگڑوں کو انگریزوں نے جنگ کا بہانہ بنایا اور میسور پر چڑھائی کر دی، ٹیپو سلطان نے بھی اپنے سفیر فرانس اور ترکی بھیجے تاکہ وہ ان سے مدد لے سکے۔ وہ دونوں ملک چونکہ اپنے اندرونی معاملات میں الجھے ہوئے تھے، اس لیے سلطان کی مدد نہ کر سکے، لہذا سلطان ایک سال تک تنہا دشمنوں سے مقابلہ کرتا رہا۔ چونکہ وہ ہر جانب دشمنوں میں گھر گیا تھا، اس لیے ۱۷۹۲ء میں مجبور ہو کر اس نے صلح کرلی، تین کروڑ روپیہ تاوان جنگ ادا کیا نیز اپنی آدھی سلطنت انگریزوں کے حوالے کر دی جسے مرہٹوں، نظام اور انگریزوں نے آپس میں بانٹ لیا۔

میسور کی چوتھی جنگ

نیا گورنر جنرل لارڈ ولزلی، ٹیپو سلطان کو انگریزی اقتدار کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا تھا۔ اس نے سلطان پر یہ الزام لگایا کہ اس نے انگریزوں کے خلاف دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے ساتھ خط و کتابت کی ہے اور یہ کہ جب سلطان سے امدادی نظام کی سکیم کو منظور کرنے کے لیے کہا گیا تو اس نے اس اقدام کو اپنی آزادی اور خود مختاری کے خلاف سمجھا۔ اس بہانے کی بنا پر ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے نظام کو ساتھ ملا کر میسور پر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ سالاروں کی غداری کی وجہ سے سلطان کو شکست ہوئی اور وہ اپنے پایۂ تخت سرنگاپٹم میں پورے دو ماہ محصور رہا، انگریزی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی پھر

بھی سلطان نے ہتھیار نہ ڈالے اور مردانہ وار لڑتا ہوا شہید ہو گیا (مئی ۱۷۹۹ء) -

سلطان کی شہادت کی خبر ملتے ہی انگریز سالار پکار اٹھا ''آج سے ہندوستان ہمارا ہے''- اس دور میں صرف ٹیپو ہی ایک ایسا شخص تھا جس میں یہ قابلیت تھی کہ وہ انگریزوں سے مقابلہ کرتا اور مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر بحال کرتا - سلطان کی شہادت کے بعد انگریزی سلطنت وسیع کرنے کے لیے راستہ صاف ہو گیا اور انگریز برصغیر میں سب سے بڑی طاقت بن گئے -

پنجاب کا الحاق ۱۸۴۹ء

سکھوں کی ابتدا سولھویں صدی کے آغاز میں ایک مذہبی فرقے کی حیثیت سے ہوئی تھی - پنجاب ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز تھا - اورنگ زیب کے عہد میں سکھوں نے اپنی فوجی تنظیم بھی بنا لی تھی - مغلیہ سلطنت کے دور زوال میں پنجاب میں بد امنی اور انتشار کا دور دورہ شروع ہوا تو سکھوں کو عروج حاصل کرنے کا موقع ملا - انھوں نے مسلمانوں کو زیر کرنے کے لیے باقاعدہ جتھے بنا لیے -

۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر قبضہ کر لیا مگر اس کے جانشین نے رنجیت سنگھ کی خدمت سے خوش ہو کر اسے لاہور کا حاکم مقرر کر دیا - رنجیت سنگھ نے سکھ جتھوں کو متحد کرکے تمام پنجاب و کشمیر فتح کر کے ۱۸۰۱ء میں مضبوط سکھ حکومت کی بنیاد رکھی - وہ دریائے ستلج کے پار علاقے پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا ، لیکن انگریزوں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا - انگریز ، سکھوں کے ساتھ امن سے رہنا چاہتے تھے ، اس لیے انھوں نے ۱۸۰۹ء میں رنجیت سنگھ کے ساتھ امرتسر میں معاہدہ طے کیا ، جس کی رو سے دونوں کے درمیان دریائے ستلج حد قرار پائی -

۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد تمام پنجاب میں بدامنی اور افراتفری پھیل گئی - سکھ فوج بے قابو ہو گئی ، جسے چاہتی تخت پر بٹھا دیتی - رنجیت سنگھ کے بیٹوں کو ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا - آخر اس کا ایک نابالغ بیٹا دلیپ سنگھ گدی پر بیٹھا - اس کی ماں رانی جنداں اس کی سرپرست اور لال سنگھ وزیر مقرر ہوا - سکھ فوج چونکہ بڑی خود سر اور طاقتور ہو چکی تھی ، اس لیے رانی جنداں اور لال سنگھ اس کا زور توڑنا چاہتے تھے - انھوں نے سکھ فوج کو انگریزی علاقہ فتح کرنے کے لیے بھیج دیا - انگریز پہلے ہی اس لڑائی کے لیے تیار تھے - ۱۸۴۵ء میں سکھوں اور انگریزوں کے درمیان لڑائی شروع ہوئی - مدکی ، فیروز شاہ اور سبراؤں کے مقام پر لڑائیاں ہوئیں - سکھوں نے شکست کھائی اور ان کی فوج تباہ ہو گئی -

عہد نامہ لاہور کی رو سے لڑائی ختم ہو گئی - ستلج اور بیاس کا درمیانی علاقہ انگریزوں نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا - سکھوں کی فوج کم کر دی گئی - صوبے میں امن و امان کے لیے انگریزی فوج بھیجی گئی اور سکھوں کے دربار میں ایک انگریز ریذیڈنٹ کا بھی تقرر ہوا - سکھوں نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ تاوان جنگ دینے کا وعدہ کیا ، پچاس لاکھ روپیہ خزانے سے وصول کیا گیا اور بقیہ ایک کروڑ روپے کی رقم پوری کرنے کے لیے گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھ کشمیر بیچ دیا گیا - پاکستان کے قیام کے وقت اسی گلاب سنگھ ڈوگرہ کا خاندان جموں و کشمیر کا حکمران تھا -

سکھوں کو پہلی جنگ میں شکست کھانے کا بڑا احساس تھا ، وہ بہت شرمندہ تھے اور شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے - انگریز ریذیڈنٹ حکومت کے کاموں میں بے جا مداخلت کرتا تھا - جنگ چھڑنے کی فوری وجہ ملتان کے حاکم مول راج کی بغاوت تھی - انگریزوں نے مول راج کی جگہ کاہن سنگھ کو وہاں کا حاکم بنا کر

انگریز افسروں کے ہمراہ ملتان روانہ کیا ، لیکن دونوں انگریز افسر قتل کر دیے گئے ، مول راج کی بغاوت سے کئی سکھ سردار بھڑک اٹھے اور پورے پنجاب میں انگریزوں کے خلاف بغاوت پھیل گئی -

۱۸۴۸ء میں انگریز فوج پنجاب میں داخل ہو گئی - چیلیانوالہ اور گجرات کے قریب لڑائیوں میں سکھوں کو شکست ہوئی - انگریزوں نے ملتان ، لاہور اور پشاور پر قبضہ کر لیا -

۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا - سر جان لارنس پنجاب کا پہلا چیف کمشنر مقرر ہوا - اس الحاق سے انگریزوں کی سلطنت کی حدیں شمال مغربی دروں سے جا ملیں -

جلد ہی پنجاب میں امن و امان قائم ہو گیا - اس صوبے کا الحاق انگریزوں کے لیے مفید رہا ، کیونکہ حکومت سکھوں کو مطیع کرنے میں کامیاب ہو گئی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انھوں نے انگریزوں کی مدد کی -

سندھ کا الحاق

اٹھارھویں صدی کے اوائل میں مغلوں کے زوال کے ساتھ سندھ پر کلہوڑا خاندان برسر اقتدار آیا - ۱۷۸۲ء میں امیرانِ تالپور نے اس حکومت کا خاتمہ کر کے ، سندھ پر قبضہ کر لیا - اب یہ علاقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا جن پر تالپور خاندان کے امیر حکومت کرتے تھے - ان میں خیر پور ، حیدرآباد اور میرپور کی ریاستیں اہم تھیں - ۱۸۰۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے امیرانِ سندھ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا - ۱۸۳۱ء میں جب انگریزوں نے دریائے سندھ میں جہاز رانی کی تو انھیں اس صوبے کی تجارتی اور فوجی اہمیت کا احساس ہوا - ۱۸۳۲ء میں انگریزوں نے امیرانِ سندھ سے ایک اور معاہدہ کیا جس کی رو سے یہ طے پایا کہ سندھ

میں انگریزوں کو تجارت کا حق حاصل ہو گا، لیکن انگریز کوئی جنگی جہاز یا فوجی سامان اس علاقے سے نہیں گزاریں گے۔

۱۸۳۱ء میں جب انگریزوں نے افغانستان کے ساتھ جنگ شروع کی تو پنجاب کے راجا رنجیت سنگھ نے انگریزوں کو پنجاب سے فوج گزارنے کی اجازت نہ دی۔ اس پر انگریزوں نے ۱۸۳۲ء کے معاہدے کو خود ہی توڑ دیا اور اپنی فوجیں سندھ کے علاقے سے گزار دیں، اس وعدہ خلافی کے باوجود امیرانِ سندھ جنگ کے دوران انگریزوں کے وفادار رہے اور ان کی مالی مدد بھی کی، مگر جب جنگ ختم ہوئی تو انگریز گورنر جنرل نے امیرانِ سندھ پر بے بنیاد الزام لگایا کہ وہ جنگ کے دوران انگریزوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں، گورنر جنرل نے سر چارلس نیپئر کو اس معاملے کی تحقیق کے لیے پورے اختیارات دے کر سندھ روانہ کیا۔

سر چارلس نیپئر نے سندھ پہنچنے کے بعد امیرانِ سندھ کو مجبور کیا کہ وہ کچھ علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیں اور سندھ میں ملکہ انگلستان کے نام کا سکہ جاری کریں۔ ابھی بات چیت جاری تھی کہ نیپئر نے اعلانِ جنگ کے بغیر ہی حملہ کرکے زیر بحث علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ان مسلسل بد عہدیوں سے تنگ آ کر امیرانِ سندھ نے مجبوراً اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار اٹھا لیے اور انگریزی ریذیڈنسی پر دھاوا بول دیا۔ نیپئر پہلے ہی یہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہوسکے سندھ پر قبضہ کر لیا جائے۔ ۱۸۴۳ء میں لڑائی چھڑ گئی اور امیرانِ سندھ کو میانی کی لڑائی میں شکست ہوئی۔ اس طرح سندھ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور نیپئر کو حیدر آباد شہر کی لوٹ مار سے ۷۰ ہزار پونڈ ملے، امیرانِ سندھ کو جلاوطن کر دیا گیا۔

سندھ کا انگریزی سلطنت سے الحاق، انگریزوں کی بد عہدی کی بدترین مثال ہے۔ تمام مؤرخین نے اس الحاق کی مذمت کی ہے، نیپئر نے خود اپنی ڈائری میں لکھا ہے "سندھ پر قبضہ کرنے کا ہمیں

کوئی حق نہیں مگر پھر بھی ہم اس صوبے پر ضرور قبضہ کریں گے ۔ اس اقدام کو نہایت نفع بخش اور مفید بدمعاشی کہنا چاہیے"۔

دراصل انگریز ، ہر حال میں سندھ کو فتح کرنا چاہتے تھے کیونکہ دریائے سندھ تجارت کے لیے بڑا مفید تھا اور افغانستان کے خلاف فوجی کارروائی کے وقت سندھ ، چھاؤنی کا کام دے سکتا تھا ، انگریزی فوج کو چونکہ افغانستان کی لڑائی میں زبردست شکست ہوئی تھی ، اس لیے انگریز سندھ پر قبضہ کرکے اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ بحال کرنا چاہتے تھے ۔

اودھ کا الحاق

مغلیہ سلطنت کے زوال پر اودھ کا صوبہ بھی نواب سعادت علی خاں کے ماتحت آزاد ہوگیا ۔ انگریزوں کے نواب اودھ کے ساتھ تعلقات کا آغاز ۱۷۶۴ء میں جنگ بکسر میں ہوا ، جب نواب اودھ شجاع الدولہ نے میر قاسم کی درخواست پر انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی تھی مگر اس نے شکست کھائی اور گرفتار ہوا ، انگریزوں نے مفتوحہ علاقہ نواب کو واپس لوٹا دیا ، لیکن کڑا اور الہ آباد کے علاقے نواب اودھ سے لے لیے ۔ نواب نے انگریز کمپنی سے ایک دفاعی معاہدہ بھی کیا ، جس کے مطابق بیرونی حملوں کی صورت میں کمپنی کی فوج اودھ کی حفاظت کرے گی اور اس کے اخراجات نواب برداشت کرے گا ۔ اس طرح انگریز ریاست اودھ کے محافظ بن گئے ۔

۱۷۹۷ء میں انگریزوں نے اودھ کی تخت نشینی کے معاملے میں مداخلت کی اور نواب کی وفات کے بعد اس کے لائق اور دوراندیش بیٹے وزیر علی کو تخت پر نہ بیٹھنے دیا بلکہ متوفی کے نالائق بھائی کو تخت پر بٹھا دیا اور ایک نیا معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے اودھ میں تقریباً تیرہ ہزار انگریزی فوج رکھی گئی اور اس کے اخراجات کے لیے تقریباً ۷۴ لاکھ کی رقم مقرر کی گئی ۔

۱۸۰۱ء میں نواب نے لارڈ ولزلی کے امدادی نظام کی سکیم کو قبول کر لیا ، انگریزی فوج اپنی حفاظت کے لیے رکھی اور اس کے اخراجات کے لیے روہیل کھنڈ اور دوآب کے زرخیز علاقے کمپنی کے حوالے کر دیے ، نیز دربار میں ایک ریذیڈنٹ بھی رکھنا منظور کر لیا ۔ اس کے بعد اودھ کے اندرونی معاملات میں انگریزوں کا اثر بڑھتا رہا اور تمام معاملات میں انگریز مداخلت کرتے اور اپنی من مانی شرائط منواتے رہے ۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ نااہل نواب تخت نشین کروائیں تاکہ تمام معاملات میں انگریزوں کی مداخلت ہو سکے اور انتظام سلطنت بھی خراب ہوتا جائے ۔

۱۸۳۷ء میں انگریزوں نے نواب کو دھمکی دی کہ اگر انتظام سلطنت درست نہ ہوا تو ریاست کا انتظام وہ اپنے ہاتھ میں لے لیں گے ۔

۱۸۴۷ء میں نواب واجد علی شاہ ، اودھ کا نواب مقرر ہوا ۔ اس کے عہد میں ریاست کا انتظام مزید خراب ہو گیا ۔ چنانچہ لارڈ ڈلہوزی نے انتظام ریاست خود سنبھالنے کا فیصلہ کرلیا اور اودھ کے نوابوں کے ساتھ کیے گئے تمام عہدناموں کو نظر انداز کرتے ہوئے ۱۸۵۶ء میں اودھ کے الحاق کا اعلان کر دیا ۔ انگریزی فوج نے لکھنؤ پر قبضہ کر لیا اور نواب کو گرفتار کرکے کلکتہ بھیج دیا گیا ۔

اودھ کا الحاق بھی انگریزوں کی بدعہدی کا کھلم کھلا ثبوت ہے ۔ انگریز مختلف معاہدوں کے مطابق اودھ کی حفاظت کے ذمہ دار تھے ۔ اگر انگریز ریاست کا انتظام عارضی طور پر سنبھالتے تو یہ بات تو کسی حد تک سمجھ میں آسکتی ہے ، مگر نواب کو معزول کرکے انہیں ریاست کے الحاق کا قطعاً کوئی حق نہ تھا ۔ اگر اودھ کا انتظامِ حکومت خراب تھا تو اس کے ذمہ دار بھی انگریز تھے کیونکہ انگریز ہر معاملے میں دخل دیتے تھے ۔ دربار میں انگریز

ریذیڈنٹ کی موجودگی کی وجہ سے نواب کے لیے حکومت کا کاروبار چلانا ناممکن ہو گیا تھا۔

دراصل انگریز، اودھ کی زرخیز و شاداب زمین کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے اور وہ ہر حال میں اس پر قابض ہونا چاہتے تھے اور انھیں الحاق کے لیے محض بہانہ چاہیے تھا۔

سوالات

(۱) 'امدادی نظام' سے کیا مراد ہے؟ اس کے ذریعے کون کون سی ریاستیں انگریزی سلطنت میں شامل کر لی گئیں؟

(۲) حیدر علی خاں نے کس طرح اقتدار حاصل کیا؟ انگریزوں کے ساتھ ان کی جنگوں کا حال بیان کیجیے۔

(۳) ٹیپو سلطان اور انگریزوں کے مابین جنگوں کا حال تحریر کیجیے۔

(۴) پنجاب کا الحاق کیسے عمل میں آیا اور اس کے کیا نتائج نکلے؟

(۵) "سندھ کا الحاق انگریزوں کی بدعہدی کی بدترین مثال ہے" تشریح کیجیے۔

(۶) انگریزوں اور ریاست اودھ کے باہمی تعلقات کی مختصر تاریخ بیان کیجیے۔

بائیسواں باب

ولیم بینٹنک اور لارڈ ڈلہوزی کے عہد کی اصلاحات

ولیم بینٹنک ۱۸۲۸ء سے ۱۸۳۵ء تک برصغیر میں کمپنی کے مقبوضہ علاقوں کا گورنر جنرل رہا۔ وہ بڑا دانشمند تھا۔ اس نے اپنی رعایا کو خوش حال بنانے کے لیے ظالمانہ رسوم کو ختم کیا اور اندرونِ ملک کئی مفید اصلاحات کیں۔

معاشرتی اصلاحات

ولیم بینٹنک نے ستی کی رسم کو قانوناً بند کر دیا۔ ستی کی رسم یہ تھی کہ بیوہ عورت، خاوند کی چتا میں بیٹھ کر جل مرتی تھی، یہ ایک ظالمانہ رسم تھی۔ صرف ۱۸۱۷ء میں بنگال میں تقریباً سات سو بیوہ عورتیں زندہ جلائی گئی تھیں۔ چونکہ بیوہ عورت قیمتی لباس اور زیورات پہن کر جل مرتی تھی، اس لیے تمام سونا برہمن حاصل کرتے تھے اور اس رسم کا انھیں بہت فائدہ تھا۔ ولیم بینٹنک نے ستی ہونا سنگین جرم قرار دیا اور اس نیک کام میں بنگال کے مشہور ہندو ریفارمر رام موہن رائے نے گورنر جنرل کی مدد کی۔

ٹھگوں کا خاتمہ

ٹھگوں کا وسط ہند میں بڑا زور تھا۔ یہ لوگ بھیس بدل کر ملک کے ہر حصے میں گھومتے اور مسافروں کا گلا گھونٹ کر ان کے

مال و اسباب پر قبضہ کر لیتے تھے ۔ ان لوگوں نے اپنے خفیہ اشارے اور خاص زبان مقرر کر رکھی تھی ۔ ولیم بینٹنک نے ٹھگی کے انسداد کے لیے علیٰحدہ شعبہ قائم کیا اور چھ سال کے عرصے میں دو ہزار ٹھگوں کو گرفتار کر لیا گیا ، جن میں سے تقریباً پندرہ سو کو سزائے موت دی گئی یا جلاوطن کر دیا گیا اور باقی ماندہ کو قید کر لیا گیا ۔ اس سے شاہراہیں محفوظ ہوگئیں ۔

اڑیسہ کی وحشی اقوام میں انسان کی قربانی دینے کی رسم بھی پائی جاتی تھی ۔ گورنر جنرل نے اس بری رسم کو بھی ختم کیا ۔

بعض ہندو فرقوں میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیا جاتا تھا ، ولیم بینٹنک نے اس قبیح رسم کو ختم کیا ۔

گورنر جنرل نے عوام کی بہتری کے لیے آبپاشی کی غرض سے نہریں کھدوائیں ، سڑکوں کی مرمت کروائی ، کلکتہ سے دہلی تک اور بمبئی سے آگرے تک سڑک کی تعمیر کا کام شروع ہوا ، اس سے صنعت و تجارت کو کافی ترقی ہوئی ۔

ولیم بینٹنک نے برصغیر کے مقامی باشندوں کو بلا لحاظ رنگ و نسل اور مذہب سرکاری ملازمتیں دینی منظور کیں ۔ اس طرح عوام کی ایک حد تک شکایات دور ہوئیں ۔

تعلیمی اصلاحات

۱۸۱۳ء کے قانون منشور کے مطابق کمپنی کو ہر سال ایک لاکھ روپیہ برصغیر میں تعلیم کی اشاعت پر خرچ کرنا چاہیے تھا لیکن بیس سال گزر جانے کے باوجود ، اس سلسلے میں کوئی عملی قدم نہ اٹھایا گیا ۔ بینٹنک نے اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کیا اور اس کے عہد میں ، اس بات پر بحث ہوئی کہ تعلیم کس زبان میں ہو؟ اس پر دو فریق ہوگئے ، ایک فریق جس کا لیڈر میکالے تھا ، انگریزی زبان کی حمایت کرتا تھا ، دوسرا فریق جس کا لیڈر ایچ ایچ ولسن تھا ، چاہتا

تھا کہ تعلیم دیسی زبانوں میں ہو۔ آخر میکالے کی تجویز مان لی گئی۔ انگریزی حکومت کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ آیندہ یہ رقم مغربی علوم اور انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے خرچ کی جائے گی۔ اس فیصلے سے مشرقی علوم کو بڑا نقصان پہنچا، تاہم ولیم بینٹنک کے عہد میں کلکتہ میں ایک میڈیکل کالج کھولا گیا اور بمبئی میں الفسٹن کالج قائم کیا گیا۔

لارڈ ڈلہوزی

لارڈ ڈلہوزی ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک برصغیر کا گورنر جنرل رہا، اس کے عہد میں انگریزی سلطنت بہت وسیع ہوگئی اور اس کے ساتھ ساتھ ملک میں مفید اصلاحات بھی نافذ کی گئیں۔ لارڈ ڈلہوزی سے پہلے تعمیرات اور رفاہ عامہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی تھی، لیکن لارڈ ڈلہوزی نے ہر پریذیڈنسی میں تعمیرات کا الگ محکمہ قائم کیا، جس کا کام سڑکوں، نہروں اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کرنا تھا۔ اس کے عہد میں دریائے گنگا سے نہر نکلوائی گئی، ڈھاکے سے اراکان تک اور کلکتے سے پنجاب تک سڑکیں بنوائی گئیں۔

ڈلہوزی کے عہد میں ملک بھر میں موجودہ طرز کے ڈاک خانے اور تار گھر قائم کیے گئے۔ سارے ملک میں ڈاک بھیجنے کا یکساں نرخ مقرر کیا گیا، اس سے پہلے خط بھیجنے کا خرچ، فاصلے کی کمی بیشی کے حساب سے دینا پڑتا تھا، دو پیسے والا پوسٹ کارڈ اس عہد میں جاری ہوا جو برصغیر کے ہر حصے میں بھیجا جا سکتا تھا، برصغیر کے مختلف حصوں میں تار کے ذریعے باہمی رابطہ قائم کر دیا گیا، لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں ریلوے نے بھی بہت ترقی کی، انگریزی کمپنیوں کو ریلوے لائن کی تعمیر کے ٹھیکے دے گئے اور انہیں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ اس سے برصغیر میں انگریزی تجارت کو بھی بڑا فائدہ پہنچا۔

ڈلہوزی کے عہد میں ہندو بیواؤں کو دوبارہ شادی کی اجازت مل گئی۔

تعلیمی اصلاحات

۱۸۵۴ء میں سر چارلس وڈ نے حکومت کو ہدایت کی کہ وہ تعلیم کی طرف توجہ دے۔ اس نے اپنی مشہور رپورٹ پیش کی جس میں سفارش کی گئی کہ پرائمری درجے تک تعلیم مقامی زبانوں میں ہو، ثانوی درجے کی تعلیم انگریزی زبان میں ہو، ہر صوبے میں سرکاری محکمہ تعلیم قائم کیا جائے اور اس کا افسر ڈائریکٹر کہلائے۔ اسی طرح ہر پریذیڈنسی میں ایک یونیورسٹی کے ماتحت کالج قائم کیے جائیں۔ ہر ضلعے میں ہائی سکول قائم کیا جائے چنانچہ کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ تعلیم نسواں کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی۔

سوالات

(۱) ولیم بینٹنک کی نافذ کردہ معاشرتی اور تعلیمی اصلاحات پر روشنی ڈالیے۔

(۲) لارڈ ڈلہوزی کی نافذ کردہ انتظامی اور تعلیمی اصلاحات پر مختصر مگر جامع مضمون لکھیے۔

تئیسواں باب

افغانستان کی پہلی اور دوسری جنگ

افغانستان کی پہلی جنگ کی وجہ، روسی حملے کا خطرہ تھا۔ انیسویں صدی کے شروع میں روس، ایشیا میں اپنا اقتدار بڑھا رہا تھا اور اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ ایران و افغانستان کے راستے برصغیر پر حملہ نہ کر دے۔ اس خطرے کی روک تھام کے لیے انگریز گورنر جنرل آک لینڈ نے ایک خصوصی سفیر امیر افغانستان دوست محمد کے پاس بھیجا اور دوستانہ معاہدہ کی پیش کش کی۔ امیر افغانستان نے دوستانہ معاہدہ کے لیے یہ شرط پیش کی کہ انگریز اسے رنجیت سنگھ سے پشاور کا علاقہ دلا دیں۔ آک لینڈ نے اس شرط کو منظور نہ کیا۔ اس پر انگریزوں کا سفیر ناکام واپس لوٹ آیا اور امیر افغانستان دوست محمد نے روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

اب لارڈ آک لینڈ نے جنگ کے ذریعے افغانستان پر اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ شاہ شجاع (جو کہ افغانستان کے تخت کا دعویدار تھا) انگریزوں کے ہاں پناہ گزین تھا اور انگریزی حکومت نے اسے امیر دوست محمد کی جگہ افغانستان کے تخت پر بٹھانا چاہا۔ اس مقصد کے لیے انگریزوں، رنجیت سنگھ اور شجاع کے درمیان اتحاد ہوا اور ۱۸۳۹ء میں افغانستان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ انگریزی فوجیں سندھ سے گزر کر افغانستان میں داخل ہوئیں اور قندھار اور غزنی پر قبضہ کر لیا گیا۔ شاہ شجاع کو افغانستان کا امیر بنا دیا گیا اور دوست محمد کو قید

کر کے کلکتہ بھیج دیا گیا ۔ شاہ شجاع کی مدد کے لیے کچھ فوج کابل ، قندھار اور جلال آباد میں مقیم رہی ۔

کچھ عرصہ تو حالات پرسکون رہے لیکن افغان رعایا شاہ شجاع کو پسند نہیں کرتی تھی ، اس لیے سارے ملک میں بغاوت پھیل گئی ۔ انگریز سفیر کو قتل کر دیا گیا اور افغانستان میں مقیم تقریباً ١٦ ہزار انگریز فوج کو نہتا کر کے واپس برصغیر بھیج دیا گیا ۔ یہ فوج سردی ، برف باری اور افغانوں کی گولہ باری سے راستے ہی میں تباہ ہو گئی ، صرف ایک شخص برائڈن بچ کر برصغیر پہنچا ۔ انگریزی فوج کی اس تباہی کے باعث لارڈ آک لینڈ کو اپنا عہدہ چھوڑنا پڑا اور ١٨٤٢ء میں ایلن برا اس کا جانشین مقرر ہو کر آیا ۔

نئے گورنر جنرل نے انتقام لینے کے لیے خیبر اور قندھار کے راستے دو فوجیں بھیجیں ۔ یہ دونوں فوجیں جلال آباد اور قندھار پر قبضہ کر کے کابل میں ایک دوسرے سے مل گئیں ۔

کابل پر قبضہ کر کے انگریز فوج نے شہر کے ایک بازار کو بارود سے اڑا دیا ۔ اس جنگ میں بیس ہزار جانیں ضائع ہوئیں ۔

شاہ شجاع قتل ہو چکا تھا ۔ انگریزوں نے امیر دوست محمد خان کو افغانستان کا امیر مقرر کر کے ایک لاکھ روپیہ ماہانہ دینا منظور کیا ۔ دربار میں انگریزی ریذیڈنٹ رکھنے کا بھی فیصلہ ہو گیا ۔

افغانستان پر انگریزوں کے اس حملے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ملتا ۔ یہ ایک ایسی انتقامی کارروائی تھی جس کی انگریز مورخین نے بھی مذمت کی ہے ۔

اس جنگ کے بعد امیر دوست محمد انگریزوں کا وفادار بن گیا ۔ انگریزی حکومت نے اس کے ساتھ تو دوستانہ تعلقات قائم رکھے لیکن افغانستان کے اندرونی معاملات میں کبھی دخل نہ دیا ۔ ١٨٦٣ء میں جب امیر دوست محمد نے وفات پائی تو اس کے بیٹوں کے

درمیان تخت نشینی کی جنگ میں انگریزوں نے بالکل مداخلت نہ کی۔ جب شیر علی کامیاب ہوا تو انھوں نے اسے امیر کابل تسلیم کر لیا لیکن اس کے ساتھ بھی کسی قسم کا معاہدہ نہ کیا۔

افغانستان کی دوسری جنگ ۱۸۷۸ء

۱۸۷۸ء میں برصغیر پر پھر روسی حملے کا خطرہ تھا، چنانچہ انگریزی حکومت نے امیر شیر علی سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دارالحکومت میں انگریز ریذیڈنٹ رکھے۔ امیر شیر علی نے اپنی رعایا کے جذبات کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ افغان قوم اس بات کو برا سمجھے گی، اس لیے اس نے یہ مطالبہ رد کر دیا۔ ۱۸۷۸ء میں ہی روس نے اپنا سفیر افغانستان بھیجا۔ انگریز گورنر جنرل لارڈ لٹن نے بھی اپنا سفیر بھیجا لیکن اسے پشاور سے ہی واپس کر دیا گیا اس واقعہ کو لارڈ لٹن نے اپنی توہین سمجھا اور اس نے افغانستان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

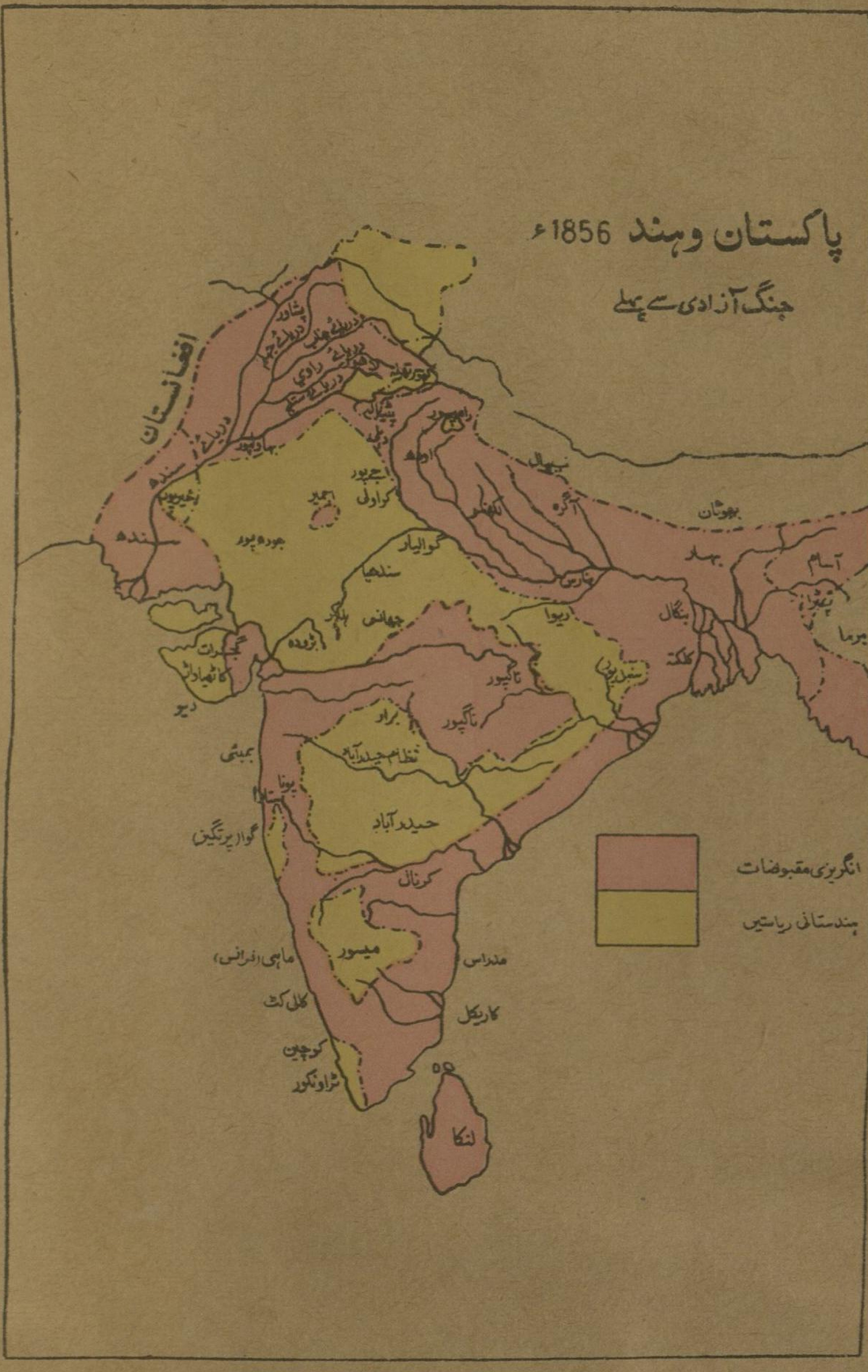
برطانوی افواج، افغانستان میں داخل ہوگئیں اور امیر شیرعلی بھاگ گیا۔ انگریزوں نے شیر علی کے لڑکے امیر یعقوب کو کابل کا امیر تسلیم کر لیا اور گندمک کے مقام پر ۱۸۷۹ء میں معاہدہ ہوا جس کے مطابق امیر افغانستان نے ایک انگریز ریذیڈنٹ کابل میں رکھنا منظور کر لیا اور خارجہ پالیسی میں بھی انگریزوں کا مشورہ لینا منظور کر لیا۔ اس کے عوض انگریزوں نے امیر کابل کو ۶ لاکھ روپے سالانہ امداد دینے اور افغانستان پر بیرونی حملے کی صورت میں ان کی امداد کرنے کا بھی وعدہ کیا، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد افغان فوج پھر باغی ہو گئی اور انگریز ریذیڈنٹ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا، چنانچہ برطانوی افواج دوبارہ افغانستان میں داخل ہو گئیں اور کابل و قندھار پر دوبارہ قبضہ کر کے، امیر یعقوب کو قید کر لیا۔ ابھی جنگ جاری ہی تھی کہ لارڈ لٹن کو واپس انگلستان بلا لیا گیا۔ نئے وائسرائے نے انگریزی فوج کو

واپس بلا لیا اور امیر عبدالرحمان کو افغانستان کا امیر تسلیم کر لیا۔ اس طرح افغانستان کے معاملات میں دخل دینے کی حکمت عملی ناکام رہی - اس کے بعد انگریزوں نے افغانستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے ، لیکن ان کے اندرونی معاملات میں کبھی دخل نہ دیا۔ ۱۹۱۹ء میں جب برصغیر میں سیاسی بے چینی پھیلی ہوئی تھی ، اس وقت امیر کابل نے انگریزی علاقہ پر حملہ کر دیا، لیکن افغان فوجوں کو پسپا ہونا پڑا اور فریقین میں راولپنڈی معاہدہ کی رو سے صلح ہو گئی ، جس کے مطابق افغانستان خارجہ پالیسی میں آزاد رہا اور امیر افغانستان کو خود مختار حاکم تسلیم کر لیا گیا۔

سوالات

(۱) افغانستان کی پہلی جنگ کے اسباب ، واقعات اور نتائج قلمبند کیجیے -

(۲) کن حالات میں افغانستان کی دوسری جنگ پیش آئی اور انگریزوں کو اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی ؟



پاکستان وہند 1856ء
جنگ آزادی سے پہلے
انگریزی مقبوضات
ہندستانی ریاستیں
افغانستان
پشاور
سندھ
بہاولپور
جودھ پور
اجمیر
گوالیار
سندھیا
جھانسی
بڑودہ
گجرات
کاٹھیاواڑ
دیو
بمبئی
پونا
گوا (پرتگیز)
برار
ناگپور
حیدرآباد
میسور
مدراس
ماہی (فرانس)
کالی کٹ
کاریکل
کوچین
ٹراونکور
لنکا
نیپال
بھوٹان
آگرہ
بنارس
بہار
بنگال
کلکتہ
آسام
برما
ریوا

چوبیسواں باب

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

انگریزوں نے سو سال کے عرصے میں پورے برصغیر پر قبضہ کر لیا اور مسلمان محکوم ہو کر رہ گئے - ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے برصغیر سے انگریزوں کو نکالنے کے لیے جنگ لڑی ، جسے جنگ آزادی کہا جاتا ہے - انگریزی حکومت کے خلاف مسلمانوں کا یہ جہاد تھا جس میں مختلف وجوہ کی بنا پر ہندوؤں کو بھی شریک ہونا پڑا - اگرچہ یہ جنگ آزادی ناکام رہی تاہم اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمان اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہیں -

جنگ آزادی کے اسباب درج ذیل ہیں -

سیاسی اسباب

انگریز گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے انگریزی سلطنت کو بڑھانے کے لیے اودھ کی ریاست کا زبردستی الحاق کر لیا ، نواب کے ساتھ کیے گئے کسی وعدے کا احترام نہ کیا اور اسے تخت سے اتار کر کلکتہ میں نظر بند کر دیا ، اس الحاق سے اودھ کے سپاہی ، تعلق دار اور عوام انگریزوں سے سخت ناراض ہو گئے -

لارڈ ڈلہوزی نے الحاق کی حکمت عملی سے بہت سی ریاستوں کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا اور ہندو راجاؤں کو متبنٰے بنانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ، جس سے تمام راجے انگریزی حکومت سے بدظن ہو گئے - جھانسی کی رانی انگریزوں کی دشمنی میں

پیش پیش تھی کیونکہ اسے متبنٰے بنانے کی اجازت نہ دی گئی تھی۔ مرہٹہ پیشوا کا متبنٰے نانا صاحب بھی انگریزوں سے ناراض تھا کیونکہ لارڈ ڈلہوزی نے اس کی پنشن ضبط کر لی تھی۔

لارڈ ڈلہوزی کے جانشین لارڈ کیننگ نے آتے ہی اعلان کر دیا کہ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے بعد اس کا کوئی وارث شہنشاہ کا خطاب نہیں پائے گا اور اس کے خاندان کو دہلی کا قلعہ بھی چھوڑنا پڑے گا۔

اس اعلان سے برصغیر کے مسلمانوں کو بہت رنج پہنچا۔ مقامی باشندوں سے انگریزوں کا سلوک توہین آمیز تھا، حکومت کے معاملات میں کبھی ان سے مشورہ نہ لیا گیا تھا، ان کے خیالات و جذبات کو جاننے کی کبھی کوشش نہ کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا، حکمران طبقے سے بدظن اور متنفر ہو گئی۔

مذہبی اسباب

انگریزوں نے ایک قانون کی رو سے ستی کی رسم ممنوع قرار دے دی جس سے ہندو بیواؤں کو دوبارہ شادی کی اجازت مل گئی، اس سے اکثر ہندوؤں نے یہ سمجھا کہ انگریزی حکومت جان بوجھ کر ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت کر رہی ہے۔ برصغیر میں مغربی تعلیم کی اشاعت سے بھی لوگ بد دل ہو گئے تھے۔

عیسائی مبلغین، برصغیر میں جوش و خروش سے تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ کمپنی کے انتظامی بورڈ کے صدر نے کہا ”قدرت نے ہمیں ہندوستان کی وسیع سلطنت اس لیے عطا کی ہے کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسیحی پرچم لہرائے“۔

ایک عیسائی مبلغ نے ایک مراسلہ جاری کیا، جس میں لکھا تھا ”چونکہ تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہو گئی ہے۔ تار برقی سے

سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی ہے ، ریل اور سڑکوں سے سب جگہ آمد و رفت ایک ہو گئی ہے ، لہٰذا مذہب بھی ایک ہونا چاہیے"۔

اس قسم کے اعلانات سے عوام کے دلوں میں یہ بات سما گئی کہ انھیں مسیحی بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔

اقتصادی اسباب

کمپنی کی تجارتی پالیسی سے برصغیر کی تجارت ، صنعت و حرفت اور زراعت پر بہت برا اثر پڑا ، انگریز یہاں سے خام مال انگلستان لے جاتے ، وہاں سے مشینوں پر مصنوعات تیار کر کے پھر یہاں لاتے اور مہنگے داموں فروخت کرتے ، یہاں کا ہاتھ سے بنا ہوا مال مشینوں سے بنے ہوئے مال کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کاریگر اور ہنر مند بے کار ہو گئے ۔

ملک میں آئے دن کی جنگوں سے امن و امان درہم برہم ہو چکا تھا ، ریاستوں کے الحاق سے مقامی سپاہیوں کو برطرف کر دیا گیا تھا جس سے بے روز گاری پھیل گئی اور بے روز گاری سے عام اضطراب پھیلا ۔

فوجی اسباب

ان دنوں دیسی سپاہیوں میں عام بے چینی اور بد دلی پائی جاتی تھی ، انھیں سفید فام فوجی افسروں سے کچھ شکایات تھیں لیکن وہ ان پر کوئی توجہ نہ دیتے تھے ۔ دیسی سپاہیوں کو رعایتوں سے محروم رکھا جاتا تھا ، ان کی تنخواہیں گورے سپاہیوں کی نسبت کم تھیں، انھیں اعلیٰ عہدے نہیں ملتے تھے ، نیز ان کے لیے ترقی کے امکانات بہت کم تھے ۔

انھیں دنوں ایک قانون بنایا گیا، جس کی رو سے فوجیوں کو سمندر پار دنیا کے ہر حصے میں جنگ میں شرکت کرنے کے لیے حکم دیا

جا سکتا تھا۔ ہندوؤں کے مذہب میں سمندر پار سفر کرنا گناہ تھا، اس لیے ہندو فوجیوں نے اس حکم کو اپنے مذہب میں مداخلت سمجھا۔

۱۸۵۷ء میں برصغیر میں برطانوی سپاہیوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی، وجہ یہ تھی کہ وہ یورپ میں جنگ لڑنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ دیسی فوج پہلے ہی غیر مطمئن تھی، چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ گورا فوج کم ہے اور حالات ساز گار ہیں تو وہ انگریزی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

برصغیر کے لوگ اس وہم میں مبتلا تھے کہ ہر سو سال کے بعد ہندوستان کی حکومت میں انقلاب آتا ہے، جنگ پلاسی کو ہوئے پورے سو سال ہو چکے تھے لہٰذا ان کا خیال تھا کہ اب انگریزوں کی حکومت ختم ہونے والی ہے۔

فوری وجہ

ایک نئی قسم کی رائفل فوجیوں کو دی گئی جس میں چربی والے کارتوس استعمال ہوتے تھے اور کارتوسوں کو استعمال کرنے سے پہلے انھیں دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ ہندوستانی سپاہیوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ ان کارتوسوں میں گائے اور سور کی چربی استعمال کی گئی ہے۔

واقعات

۹ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی چھاؤنی میں پچاس دیسی سپاہیوں نے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ انگریز افسروں نے انھیں ملازمت سے برطرف کر کے قید کر دیا۔ اگلے روز ۱۰ مئی کو میرٹھ کی دیسی رجمنٹوں نے انگریز افسروں کے خلاف بغاوت کر کے انگریز افسروں کو قتل کر دیا اور قید خانے کا دروازہ توڑ کر اپنے ساتھیوں کو رہا کرا لیا۔ میرٹھ کی رجمنٹیں دہلی کی طرف بڑھیں اور یوں جنگ آزادی کا آغاز ہوا۔

دہلی کا محاذ

اس فوج نے دہلی پہنچ کر مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو اپنا حکمران تسلیم کر کے اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ بہادر شاہ کا نا اہل بیٹا مرزا مغل افواج کا سپہ سالار بنا لیکن وہ حالات پر قابو نہ پا سکا۔ ان حالات میں بریلی سے جنرل بخت خان تقریباً چودہ ہزار مسلم سپاہی لے کر دہلی پہنچا اور اس نے حالات کو سنبھالا۔

ستمبر ۱۸۵۷ء تک انگریزی فوج دہلی پر قبضہ نہ کر سکی لیکن کچھ غدار انگریزوں سے ملے ہوئے تھے۔ انھوں نے شہر کی خبریں انگریزوں کو پہنچانی شروع کر دیں اور ساتھ ہی مرزا مغل اور بخت خان میں تفرقہ ڈال دیا۔ ان دنوں جنرل نکلسن پنجاب سے تازہ دم فوجیں لے کر پہنچا اور چھے روز کی گھمسان کی لڑائی کے بعد انگریزوں نے دہلی کا شہر فتح کر لیا۔ جنگ آزادی کا عظیم مجاہد جنرل بخت خان نیپال کی پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ مغل شہنشاہ اور اس کے دونوں بیٹوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

اودھ کا محاذ

اودھ کی رعایا انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں پیش پیش تھی۔ انھوں نے اودھ کے آخری تاجدار واجد علی کے بیٹے برجیس قدر کو اس کی والدہ حضرت محل کی سرپرستی میں تخت پر بٹھا دیا۔ حضرت محل بڑی بہادر اور دلیر عورت تھی۔ اس کو شروع میں کامیابی ہوئی مدراس کا ایک صوفی مجاہد احمد اللہ شاہ لکھنؤ پہنچ گیا جس نے بڑی دلیری اور بہادری سے انگریزوں کا مقابلہ کیا لیکن درباری اس کی مخالفت کرتے رہے۔ آپس کے نفاق کی وجہ سے لکھنؤ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ روہیل کھنڈ میں خان بہادر خان، کانپور میں نانا صاحب اور جھانسی میں جھانسی کی رانی نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔

تقریباً ایک سال میں جنگ آزادی ختم ہو گئی - انگریزوں نے تمام اہم مراکز کو فتح کر کے ملک میں امن و امان بحال کر دیا -

نتائج

(۱) انگریزوں نے جنگ آزادی کے بعد یہاں کے لوگوں سے زبردست انتقام لیا - اس جنگ میں تقریباً سات ہزار انگریز مارے گئے تھے لیکن اس کے مقابلے میں تقریباً پانچ لاکھ ہندوستانی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے -

(۲) انگریزوں نے جنگ آزادی کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا اس لیے ان پر خاص طور پر سختی روا رکھی گئی - مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا - ان کے گھر لوٹ لیے گئے اور ان کی جائدادیں اور جاگیریں ضبط کر لی گئیں جس سے ان کے خوش حال گھرانے برباد ہو گئے - مسلمانوں کو ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا - شاہی خاندان کے چوبیس شہزادے سولی پر لٹکا دیے گئے -

(۳) بہادر شاہ ظفر پر بغاوت کا الزام لگا کر رنگون جلاوطن کر دیا گیا - اس طرح برائے نام مغلیہ بادشاہت بھی ختم ہو گئی -

(۴) ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم ہو گئی اور اس کے تمام اختیارات تاج برطانیہ کو منتقل کر دیے گئے -

(۵) ملکہ برطانیہ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ بلا لحاظ مذہب و نسل سب کے ساتھ برابر کا سلوک کیا جائے گا، قابلیت کے مطابق عہدے دیے جائیں گے ، ریاستوں کو متبنّٰی بنانے کی اجازت ہو گی اور عوام کو مکمل مذہبی آزادی ہو گی -

سوالات

(۱) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سیاسی ، مذہبی ، اقتصادی اور فوجی اسباب بیان کیجیے -

(۲) مختلف محاذوں پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے واقعات اختصار کے ساتھ لکھیے اور اس جنگ کے نتائج پر بحث کیجیے -

پچیسواں باب

برصغیر کے عظیم مسلمان رہنما

شاہ ولی اللہؒ

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی حالت بڑی مایوس کن ہو گئی۔ مسلم سلطنت کو زوال آتا گیا۔ مسلمان دین سے غافل ہوتے گئے اور مسلم معاشرے میں غیر اسلامی رسمیں داخل ہو گئیں۔ ان حالات میں معاشرے کی اصلاح کا کام حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان نے اپنے ذمے لیا۔

شاہ ولی اللہؒ ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شاہ عبدالرحیم دہلی کے مشہور عالم تھے۔ انھوں نے دہلی میں ایک دینی درس گاہ 'مدرسہ رحیمیہ' قائم کی۔ آپ وہیں درس دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ نے ابتدائی تعلیم اسی مدرسے میں پائی اور فقہ و حدیث کے علم میں مہارت حاصل کر لی۔

جب شاہ ولی اللہؒ سترہ برس کے ہوئے تو ان کے والد وفات پا گئے، اب مدرسے میں تدریسی کام انھوں نے سنبھالا۔ بارہ برس بعد وہ حج کے لیے روانہ ہو گئے اور چودہ ماہ تک حجاز میں رہے۔ اس عرصے میں انھوں نے وہاں دینی تعلیم حاصل کی اور حدیث کی سند لی ۱۷۳۲ء میں دہلی واپس لوٹے اور مدرسے کا تدریسی کام سنبھالا۔ اب ان کا زیادہ تر وقت تصنیف و تالیف میں گزرنے لگا۔ انھوں نے اسلامی علوم پر کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سب سے مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ اس کتاب میں اسلام کے بنیادی اصول اور

مسائل درج ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے۔ اس وقت کے اکثر علماء قرآن پاک کا ترجمہ کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے شاہ ولی اللہؒ کی مخالفت کی۔ شاہ صاحب کا یہ خیال تھا کہ قرآن پاک کے ترجمے سے اس کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ ان کے بیٹے شاہ رفیع الدینؒ نے بھی قرآن پاک کا لفظی ترجمہ کیا۔ ان کے دوسرے بیٹے شاہ عبدالقادر نے قرآن پاک کا با محاورہ ترجمہ کیا جو بہت پسند کیا گیا۔

شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی، جس سے مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں دور ہوئیں۔

مسلمانوں کے دور زوال میں جب مرہٹوں نے زور پکڑا تو اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں مرہٹے برصغیر میں ہندو راج نہ قائم کر لیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ملک کی سیاست کا بغور جائزہ لیا اور افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ برصغیر پر حملہ کرکے مسلمانوں کو مرہٹوں سے نجات دلائے۔ انھوں نے نواب شجاع الدولہ اور نواب نجیب الدولہ کو بھی اس کی مدد پر آمادہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکست فاش دی، لیکن افسوس کہ برصغیر کے مسلمان، مرہٹوں کی اس شکست سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور متحد نہ ہوئے۔ ۱۷۶۲ء میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا انتقال ہو گیا۔

شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں نے ان کے کام کو جاری رکھا۔ آپ کے چار بیٹے تھے جن میں شاہ عبدالعزیز بہت مشہور ہوئے۔

سید احمد شہیدؒ

انیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی قوت ختم ہو چکی تھی ، البتہ مغل بادشاہ کی برائے نام حکومت ابھی باقی تھی - اصل اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس تھا - مسلمانوں کے لیے یہ ناکامی کا دور تھا - سیاسی قوت ختم ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم معاشرہ بھی زوال پذیر تھا - مسلمان چونکہ قرآن کا سبق بھول چکے تھے اسی لیے رسوا ہو رہے تھے - لیکن اس تاریک دور میں بھی مسلمانوں کو راہ راست دکھانے والے باشعور مسلمان موجود تھے - انھیں کی وجہ سے اس صدی میں کچھ تحریکیں پھیلیں جن سے مسلمانوں کو نئی زندگی ملی - اس صدی کی پہلی تحریک ، 'تحریک جہاد' تھی - یہ تحریک سید احمد بریلویؒ نے شروع کی -

سید احمد شہیدؒ ۱۷۸۶ء میں بریلی کے مقام پر ایک علم دوست خاندان میں پیدا ہوئے - آپ کو بچپن میں علم سے لگاؤ نہیں تھا بلکہ کھیلوں کی طرف زیادہ رغبت تھی - لکھنؤ میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد دہلی چلے آئے جہاں انھوں نے شاہ عبدالعزیز سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی - ۱۸۱۵ء میں وہ ریاست ٹونک کی فوج میں ملازم ہوگئے - فوج کی ملازمت کے دوران آپ نے کئی لڑائیوں میں حصہ لیا ، چھے سال بعد ملازمت چھوڑ کر دہلی چلے آئے اور کئی روحانی مدارج طے کیے - وہ فرشتہ سیرت انسان تھے ، جو ان سے ملتا ان کی شخصیت سے متاثر ہوتا - شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی (شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کے افراد) جیسے علم و فضل میں منفرد بزرگ بھی ان کے مرید ہوگئے -

ان دنوں مسلم معاشرے میں غیر اسلامی رسمیں جاری تھیں - چنانچہ سید صاحب نے معاشرے کو سدھارنے کے لیے تبلیغ کا کام شروع کیا اور شرک و بدعت کے خلاف تحریک چلائی - انھوں نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت

جس طرح پاکیزہ اور سادہ زندگی بسر کی جاتی تھی اس طرح انھیں زندگی بسر کرنا چاہیے۔ تمام بدعتیں مثلاً شادی بیاہ پر بے جا اخراجات، قبر پرستی وغیرہ سے پرہیز کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات، ولیوں اور پیروں سے منسوب نہ کی جائیں، کیونکہ یہ شرک ہے۔

ان کے وعظ میں بڑا اثر تھا۔ ان کی کہی ہوئی بات دل پر اثر کرتی تھی۔ انھوں نے دہلی کے قریبی شہروں میں تبلیغی دورے کیے اور کئی مسلمانوں کو راہِ راست پر لائے۔

۱۸۲۰ء میں سید صاحب چار سو ساتھیوں کے ہمراہ حج کے لیے گئے اور وہاں تین سال تک قیام کیا۔ حج سے واپسی پر سید صاحب اور ان کے ساتھیوں نے ملک بھر میں تبلیغی دورے کر کے مسلمانوں کو سکھوں کے خلاف جہاد کی تلقین کی۔

پنجاب میں ان دنوں سکھوں کی حکومت تھی۔ مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ نماز اور اذان دینے پر پابندی عائد تھی۔ بعض مسجدوں کو گھوڑوں کا اصطبل بنا دیا گیا تھا۔ شاہ اسماعیل شہید نے خفیہ طور پر پنجاب کا دورہ کیا اور تمام حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ واپس آ کر سارے حالات سید صاحب کو بتائے۔ اس پر سید صاحب نے پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کی ظالمانہ حکومت سے نجات دلانے کا تہیہ کر لیا۔

رنجیت سنگھ کی حکومت سے براہِ راست مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا، اس لیے سید صاحب مسلم اکثریت والے کسی علاقے کو محاذِ جنگ بنانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے پشاور کا خطہ منتخب کیا۔

۱۸۲۵ء میں سید صاحب سات سو ساتھیوں کو لے کر جہاد کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہ سندھ سے ہوتے ہوئے درۂ بولان سے آگے گزر کر کابل پہنچے اور وہاں سے درہ خیبر کے راستے پشاور آئے۔

پونے دو ہزار میل کا دشوار سفر تقریباً نو ماہ میں طے ہوا۔

۱۸۲۶ء کے آخر میں سکھوں کے ساتھ پہلا معرکہ اکوڑہ کے مقام پر ہوا جس میں مجاہدین کو کامیابی ہوئی۔ حضرو کی فتح کے بعد سید صاحب کو مجاہدین نے اپنا امیر منتخب کیا اور ان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

مجاہدین کی کامیابیوں سے رنجیت سنگھ ہراساں ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ انہیں میدان جنگ میں ہرانا آسان کام نہیں۔ اب اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوا دی اور یار محمد کو پشاور کا حاکم بنا دیا۔ یہ شخص سید صاحب کا بڑا مخالف بن گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ تین سال کی لڑائی کے بعد یار محمد مارا گیا اور پشاور پر سید صاحب کا قبضہ ہو گیا۔ سید صاحب نے سارے علاقے میں شرعی قوانین نافذ کیے۔ غیر اسلامی رسوم کا قلع قمع کیا۔ ان اقدامات سے بہت سے جاہل پٹھان باغی ہو گئے اور مجاہدین کا قتل شروع کر دیا۔

ان حالات سے سید احمد بہت دل برداشتہ ہوئے اور ہزارہ کی طرف چلے گئے۔ بالا کوٹ کے مقام پر سید احمد اور ان کے ساتھی چاروں طرف سے سکھ فوج کے گھیرے میں آ گئے۔ مئی ۱۸۳۱ء میں بالا کوٹ کے میدان میں مجاہدین کو شکست ہوئی۔ سید احمدؒ بریلوی اور شاہ اسماعیلؒ نے شہادت پائی۔

سید صاحب کی یہ تحریک بظاہر ناکام ہو گئی لیکن اس سے مسلمانوں میں نیا جوش و ولولہ پیدا ہوا۔ وہ صحیح اسلامی تعلیمات سے واقف ہوئے، انہیں اس بات کا سبق ملا کہ بے پناہ مشکلات بھی انہیں جہاد سے نہیں روک سکتیں۔ اس سے مسلمانوں کی آزادی کی تحریک کو تقویت ملی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس تحریک کے مبلغین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

نثار علی (تیتو میر)

نثار علی ۱۷۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ جب وہ حج کو گئے تو ان کی ملاقات مکہ معظمہ میں سید احمد شہید سے ہوئی - وہ ان سے بہت متاثر ہوئے اور ان کی بیعت کر لی - اس زمانے میں بنگال کے مسلمان کاشت کاروں کی حالت قابلِ رحم تھی - وہاں کے ہندو زمیندار اور انگریز تاجر ، ان پر بہت ظلم کرتے تھے - نثار علی نے بنگال کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اور تمام حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے - اس پر انھوں نے ہندو زمینداروں کے مظالم کے خلاف تحریک شروع کی - تھوڑے ہی عرصے میں لوگ جوق در جوق ان کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے - ان حالات سے ہندو زمینداروں کو تشویش لاحق ہوئی اور انھوں نے حکم دے دیا کہ جو شخص نثار علی کا ساتھ دے گا اس کا گھر جلا دیا جائے گا ، لیکن لوگ برابر آپ کے پاس آتے رہے - اس پر چند زمینداروں نے پانچ سو ساتھیوں کے ہمراہ ان پر حملہ کر دیا اور ان کے ساتھیوں کے گھر جلا دیے -

مظلوم کاشت کاروں نے میجسٹریٹ سے شکایت کی لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی - اس پر بھی انھوں نے حوصلہ نہ ہارا اور ایک پرانی مسجد کو آباد کرکے وہاں مرکز قائم کر لیا - انھوں نے لوگوں کو تیر اندازی اور شمشیر زنی کی مشق کرانی شروع کی - یہ تحریک نیل کے انگریز سوداگروں کے لیے خطرہ بن گئی - اب نیل کے ایک سوداگر نے چار سو آدمیوں کے ہمراہ ان پر حملہ کر دیا لیکن ان کے ساتھی اب تربیت حاصل کر چکے تھے ، چنانچہ انھوں نے جوابی حملہ کرکے انھیں پسپا کر دیا - پھر ایک اور ہندو زمیندار جو اپنی دلیری کی وجہ سے علاقے بھر میں مشہور تھا ، ایک ہزار ساتھیوں کو لے کر حملہ آور ہوا لیکن اس نے بھی منہ کی کھائی -

نثار علی اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں پے در پے شکستوں سے کلکتہ کے زمینداروں نے ہنگامہ برپا کر دیا - اس پر بنگال کے

انگریز گورنر نے فوج بھیجی - اس حملے میں تیتو میر شہید ہوگئے۔ ان کے آٹھ سو ساتھی گرفتار کر لیے گئے ، جنھیں عمر قید اور جلا وطنی کی سزائیں دی گئیں -

سرسید احمد خان ۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے دوبارہ ابھرنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی - ایسی سنگین صورت میں برصغیر کے مسلمانوں کی سرسید احمد خاں نے رہنمائی کی -

سرسید احمد خاں ۱۸۱۷ء میں دہلی کے ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوئے - بچپن میں معمولی تعلیم حاصل کی البتہ جسمانی ورزش کے شوقین تھے - انیس برس کی عمر میں وہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہوگئے - ۱۸۴۱ء میں انھوں نے منصفی کا امتحان پاس کر لیا اور منصف کے عہدے پر فائز ہوگئے - وہ ۱۸۷۶ء تک حکومت برطانیہ کے ملازم رہے - جنگ آزادی کے وقت وہ بجنور میں مقیم تھے۔

سرکاری نوکری کے ساتھ ساتھ سرسید احمد خاں نے علمی مشاغل بھی جاری رکھے - فرصت کے اوقات کتابیں لکھنے میں صرف کرتے تھے - انھوں نے ”تاریخ فیروز شاہی“ اور ”آئین اکبری“ کی تصحیح کرکے شائع کروایا - ۱۸۴۶ء میں اپنی مشہور کتاب ”آثار الصنادید“ چھپوائی - اس کتاب میں دہلی کی تاریخی عمارتوں اور کھنڈرات کا حال درج ہے - اس سے دہلی کی علمی اور معاشرتی حالات کا بھی پتا چلتا ہے -

انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا مسلمانوں کو ذمہ دار ٹھہرایا تھا اس لیے ان سے چن چن کر انتقام لیا - ان کی جائدادیں ضبط کر لیں - وہ مسلمان جو دولت کو پانی کی طرح بہاتے تھے، اب کوڑی کوڑی کے محتاج تھے - وہ مسلمان جو تاج و تخت کے وارث تھے اب ان کے لیے ملازمتوں میں کوئی گنجائش نہ تھی - مسلمان ،

انگریزی تعلیم حاصل کرنا اسلام کے منافی سمجھتے تھے، اس لیے تعلیمی میدان میں ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے تھے - ۱۸۵۷ء میں برصغیر کی تمام یونیورسٹیوں کے ۶۰۰ گریجویٹوں میں سے مسلمانوں کی تعداد صرف ۱۹ تھی - ان تمام حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں کی حالت اتنی قابل رحم تھی کہ بقول سرسید "مر جانے کو جی چاہتا تھا" -

سر سید احمد خاں بھی مسلمانوں کی اس حالت کو دیکھ کر ملک چھوڑ دینے کو تیار ہو گئے تھے لیکن مزید سوچنے پر انھوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور اپنی قوم کی خدمت کےلیے کوشاں ہو گئے -

وہ حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کی بربادی کی دو وجوہ ہیں :

(۱) مسلمان اور انگریز ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے بدگمان ہیں -

(۲) مسلمان تعلیمی لحاظ سے بہت پسماندہ ہیں - مشنری اور سرکاری سکولوں میں وہ اس لیے نہیں پڑھتے کہ نہ تو ان سکولوں میں عربی فارسی پڑھائی جاتی ہے اور نہ مذہبی تعلیم دی جاتی ہے -

ان دو نکات کو سامنے رکھتے ہوئے سر سید نے ایک طرف تو انگریزوں اور مسلمانوں کو قریب لانے کی کوشش کی اور دوسری طرف مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں مصروف ہو گئے -

سر سید نے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کے لیے اپنی مشہور کتاب "اسباب بغاوت ہند" لکھی - سر سید نے اپنی اس تصنیف میں ثابت کیا کہ بغاوت کے ذمہ دار صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دوسری اقوام بھی برابر کی شریک تھیں - بغاوت کی اصل وجہ یہ تھی کہ حکمران طبقہ نے رعایا کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں رکھا ہوا تھا ، انھوں نے رعایا کے حالات کو

کبھی جاننے کی کوشش ہی نہ کی تھی جس سے حاکم و محکوم میں غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں - سر سید نے حکومت کو مشورہ دیا کہ اگر وہ امن چاہتی ہے تو اسے رعایا کے حالات سے باخبر رہنا چاہیے -

سرسید نے ایک مشہور رسالہ ''احکامِ طعامِ اہل کتاب'' لکھا ، جس میں یہ بتایا کہ مسلمان انگریزوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا سکتے ہیں بشرطیکہ دستر خوان پر ممنوع کھانے نہ چنے ہوں -

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے ۱۸۵۹ء میں مراد آباد میں فارسی مدرسہ اور ۱۸۶۲ء میں غازی پور میں انگریزی مدرسہ کھولا - اسی سال غازی پور میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی ، جس کا مقصد مغربی اور سائینسی علوم کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنا تھا تاکہ برصغیر کے لوگ یورپ کی علمی ترقی سے واقف ہو سکیں - اس سوسائٹی نے زراعت ، معاشیات ، تاریخ ، ریاضی ، کیمیا اور طبیعیات کے مضامین کی انگریزی کتابوں کے سلیس اور بامحاورہ اردو میں ترجمے چھپوائے -

۱۸۶۹ء میں آپ نے انگلستان کا دورہ کیا اور وہاں مختلف سکولوں اور یونیورسٹیوں کے طرز تعلیم کا مطالعہ کیا - برصغیر واپس آ کر علی گڑھ میں ۱۸۷۵ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل سکول کی بنیاد رکھی جسے ۱۸۷۷ء میں کالج بنا دیا گیا - علی گڑھ کالج بہت مقبول ہوا اور برصغیر کے مسلمانوں کے لیے مرکزی تعلیمی ادارہ بن گیا - تحریک پاکستان میں علی گڑھ کے طلباء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا -

۱۸۸۵ء میں جب ہندوؤں نے انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی تو اگلے سال سرسید احمد خاں نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی - اس کانفرنس کے اجلاس بڑے بڑے شہروں میں ہوتے تھے جن میں مسلمانوں کے بڑے بڑے رہنما قوم کی تعلیمی ترقی پر غور کرتے اور قومی مسائل پر گفتگو کرتے - دسمبر ۱۹۰۶ء میں اسی کانفرنس کے

اجلاس ڈھاکہ میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی - سرسید احمد خاں کہا کرتے تھے کہ قوم کو سیاسی بحثوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ انھیں صرف تعلیمی ترقی کی طرف توجہ دینی چاہیے - انھوں نے مسلمانوں کو کانگرس میں شامل ہونے سے روکا کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ کانگرس صرف ہندوؤں کے مفاد کی علمبردار تھی -

سرسید احمد خاں پہلے شخص تھے جنھوں نے مسلمانوں کے لیے علیٰحدہ قوم کا لفظ استعمال کیا انھوں نے کہا ''ہندوستان کے اندر دو قومیں آباد ہیں ہندو اور مسلمان ، بعد میں اسی دو قومی نظریے کی بنا پر پاکستان وجود میں آیا'' -

نواب عبداللطیف

شمالی برِصغیر کے مسلمانوں پر سرسید کی تعلیمی تحریک کا بہت اثر ہوا - بنگال کے مسلمانوں کی تعلیمی خدمت نواب عبداللطیف نے سر انجام دی -

نواب عبداللطیف بنگلہ دیش کے ضلع فرید پور میں پیدا ہوئے - ان کے والد مورخ تھے - عبداللطیف نے 'کلکتہ مدرسہ' میں تعلیم حاصل کی - اس مدرسہ میں عربی ، فارسی ، فقہ اور دینیات کی تعلیم دی جاتی تھی - بنگال کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہت پست تھی - ان کے طالب علمی کے زمانے میں مدرسے میں انگریزی پڑھانے کی تجویز منظور ہوئی ، لیکن مسلمان طالب علم انگریزی پڑھنا مذہب کے خلاف سمجھتے تھے - عبداللطیف نے انگریزی کا مطالعہ شروع کیا اور اس میں مہارت پیدا کر لی - انھیں ان کی قابلیت کی وجہ سے ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر کیا گیا - نواب صاحب ۱۸۸۷ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے -

ان کی عمر کا زیادہ تر حصہ سرکاری ملازمت میں گزرا لیکن ساتھ ہی وہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہتر بنانے کی کوشش بھی کرتے رہے - بنگال میں انگریزی تعلیم کی بڑی مخالفت کی گئی لیکن انھوں

نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سیکھنے پر آمادہ کیا ۔

نواب عبداللطیف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے کلکتہ میں محمڈن لٹریری سوسائٹی قائم کی ۔ اس سوسائٹی کے مقاصد سرسید کی سائنٹیفک سوسائٹی سے ملتے جلتے تھے ۔ اس سوسائٹی کا بڑا مقصد یہ تھا کہ بنگال کے مسلمان بھی سائنس کی ترقی کی رفتار سے آگاہ ہوں ۔ ان کے جلسوں میں بیرونی دنیا کے حالات ، عالمی تجارت کی ترقی ، تاریخ و تمدن جیسے مضامین پر مقالے پڑھے جاتے ۔ باثر مسلمان ان جلسوں میں اکثرشریک ہوتے اورقومی مسائل پر گفتگو کرتے ۔

ان کا ایک اور کارنامہ محسن ٹرسٹ کی واگزاری ہے ۔ حاجی محمد محسن کلکتہ کے بڑے تاجر تھے ۔ انہوں نے اپنی جائداد مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر دی تھی ، لیکن رفتہ رفتہ یہ ٹرسٹ غیر مسلموں کے قبضے میں چلا گیا ۔ نواب عبداللطیف کی کوششوں سے یہ وقف پھر مسلمانوں کو مل گیا اور اس سے حاصل ہونے والی رقم مسلمانوں کی تعلیم و ترقی پر خرچ ہونے لگی ۔

علی برادران

برصغیر میں ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت شروع ہوئی ۔ اس تحریک کے دو بڑے رہنما مولانا محمد علی اور مولانا شوکت تھے ۔ انھیں عام طور پر ''علی برادران'' کہا جاتا ہے ۔

مولانا محمد علی جوہر ۱۸۷۸ء میں رام پور میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم علی گڑھ سے حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم آکسفورڈ میں مکمل کی ۔ واپس آکر ریاست رام پور اور بڑودہ میں ملازمت کی ۔ ۱۹۱۰ء میں ملازمت چھوڑ کر کلکتہ آئے اور اپنا اخبار ''کامریڈ'' نکالا ۔ انہوں نے ایک اردو اخبار ''ہمدرد بھی'' نکالا ۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران انہوں نے اخبار کامریڈ میں ترکوں کے حق میں اداریے لکھے اور انگریزوں پر کڑی نکتہ چینی کی ۔ اس پر انگریزوں نے اخبار کی اشاعت بند کر دی اور انہیں گرفتار کر لیا ۔

مولانا محمد علی مسلمانوں کے بہادر اور جری لیڈر تھے - ۱۹۱۹ء میں رہا ہونے کے بعد انھوں نے تحریک خلافت کی ابتدا کی -

پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں نے اپنی سازشوں سے خلافتِ ترکیہ کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا - انھوں نے مسلمانوں سے جو وعدے کیے تھے ان سے منحرف ہو گئے - اس پر برصغیر کے مسلمانوں نے مولانا مرحوم کی قیادت میں انگریز کے خلاف زبردست تحریک شروع کی - مسلمانوں ہی کی اس تحریک نے ہندوؤں میں بھی سیاسی تحریکیں چلانے کا حوصلہ پیدا کیا - ۱۹۲۱ء کے آخر میں مولانا کو پھر گرفتار کر لیا گیا اور ۱۹۲۳ء میں رہا ہوئے -

۱۹۳۰ء میں وہ لندن میں ہونے والی گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کے نمایندہ بنے - آنھوں نے اس کانفرنس میں تاریخی جملے کہے -

"میں آزادی حاصل کیے بغیر اپنے ملک واپس نہیں جاؤں گا کیونکہ میں ایک غلام ملک میں رہنے کی بجائے ایک آزاد ملک میں مر جانا بہتر سمجھتا ہوں" - ان کی بات درست ثابت ہوئی اور اس واقعہ کے چھے ہفتے بعد انگلستان میں ان کا انتقال ہوگیا (۱۹۳۱ء) -

مولانا محمد علی ایک سچے محب وطن اور بے باک مقرر تھے - اسلام اور وطن کے لیے ، انھوں نے گراں قدر خدمات سر انجام دیں -

مولانا شوکت علی ، مولانا محمد علی کے بڑے بھائی تھے - تعلیم ختم کرنے کے بعد انھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی لیکن قومی معاملات میں بھی حصہ لیتے رہے - علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کی تحریک میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا تحریک خلافت میں بھی اپنے بھائی کے ساتھ برابر شریک رہے -

علامہ اقبال

علامہ اقبال ۱۸۷۷ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ سیالکوٹ سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور وہاں سے نمایاں کامیابی کے ساتھ ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے۔ وہاں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ جرمنی سے فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی اور ۱۹۰۸ء میں یورپ سے واپس لوٹے۔

علامہ اقبال مسلمانوں کے قومی شاعر اور فلسفی تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کو مسلمانوں کو بیدار کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اپنی شاعری میں مسلمانوں کو ان کی عظمتِ رفتہ کی یاد دلائی اور انہیں یقین دلایا کہ وہ یہ عظمت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مسلمان کو 'عمل' اور 'حرکت' کی تعلیم دی اور قوم کے نوجوانوں کو راہ راست دکھائی۔

علامہ اقبال نے برصغیر کی سیاست میں نمایاں حصہ لیا اور مسلمانوں کے مفاد کو ہمیشہ سامنے رکھا۔ مسلم لیگ کے قیام پر انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۲۶ء کے صوبائی انتخابات میں لاہور کے حلقے سے بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

۱۹۲۸ء میں جب نہرو رپورٹ منظر عام پر آئی تو علامہ اقبال ہندوؤں کے رویے سے بڑے مایوس ہوئے۔ انہوں نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ صرف اسی صورت میں مسلمانوں کا فائدہ ہے کہ وہ ایک الگ مملکت حاصل کر لیں ورنہ ہندوؤں کے غلام بن جائیں گے۔

۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے تاریخی جلسے میں علامہ اقبال نے پہلی بار نظریۂ پاکستان پیش کیا۔

انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا کہ مسلمانوں کو باعزت اور خود مختار زندگی بسر کرنا چاہیے، وہ بحیثیت ایک قوم کے زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اس کا حل صرف یہ ہے کہ ان کے لیے الگ مسلم مملکت قائم کر دی جائے۔

وہ قائد اعظم کے مخلص دوست تھے۔ ان کی وفات ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوئی۔ ان کی یاد میں ہر سال ۲۱ اپریل کو ملک بھر میں یوم اقبال پوری عقیدت سے منایا جاتا ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح

قائد اعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کی۔ ۱۶ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن روانہ ہوگئے۔ ۲۱ برس کی عمر میں قانون کی سند لے کر واپس لوٹے اور بمبئی میں وکالت شروع کر دی اور مختصر عرصے میں اپنی قابلیت سے بمبئی کے ممتاز وکلا میں شمار ہونے لگے۔

۱۹۰۵ء میں قائد اعظم، کانگرس کے رکن بنے۔ ۱۹۰۹ء میں بمبئی کے حلقہ انتخاب سے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور ۱۹۴۵ء تک منتخب ہوتے رہے۔ ۱۹۱۳ء میں وہ مسلم لیگ کے رکن بنے۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا چاہتے تھے تاکہ دونوں قومیں مل کر برصغیر کی آزادی کے لیے کوشش کریں۔ ان کی کوشش سے کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان ۱۹۱۶ء میں مشہور سمجھوتہ ہوا جو ''میثاقِ لکھنؤ'' کہلاتا ہے۔

۱۹۱۸ء میں جب کانگرس نے عدم تعاون کی تحریک شروع کی تو وہ اس جماعت سے الگ ہوگئے۔

۱۹۲۴ء میں وہ پھر سیاست کے میدان میں داخل ہوئے مگر

ان کی دلی کوششوں کے باوجود ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو سکا۔

۱۹۲۸ء میں جب نہرو رپورٹ پیش ہوئی تو وہ بہت مایوس ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے کوششیں شروع کر دیں اور نہرو رپورٹ کے جواب میں اپنے چودہ نکات پیش کیے۔

قائد اعظم ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴ء تک انگلستان میں رہے اور لندن میں منعقدہ گول میز کانفرنسوں میں مسلمانوں کی نمایندگی کی۔

قائد اعظم ۱۹۳۴ء کے آخر میں برصغیر واپس لوٹے اور سیاسی حالات کا جائزہ لےکر مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کی۔ ۱۹۳۷ء میں کانگرس کی وزارتوں کے مظالم سے تنگ آ کر مسلمان قائد اعظم کی قیادت میں متحد ہوگئے اور ۱۹۴۰ء میں انھوں نے الگ وطن پاکستان کا مطالبہ کیا۔

قائد اعظم کی کوششوں سے ۱۹۴۶ء میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم لیگ کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ اس سے انگریزوں پر ثابت ہوگیا کہ مسلمان اپنے عظیم محبوب قائد کی رہنمائی میں صرف اور صرف پاکستان چاہتے ہیں۔

قائد اعظم مضبوط ارادے کے مالک تھے۔ انھیں پاکستان کا مطالبہ منوانے کے لیے انگریزوں اور کانگرسی لیڈروں کی زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے بڑے تدبر و فراست اور انتھک کوششوں سے برصغیر کے بارہ کروڑ مسلمانوں کے لیے الگ وطن پاکستان حاصل کر لیا۔

پاکستان بننے کے بعد وہ اس کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ ان کے سامنے بے شمار مسائل تھے۔ ان کی صحت خراب ہو چکی تھی لیکن انھوں نے پاکستان کو مضبوط اور خوشحال بنانے کے لیے دن رات کام کیا جس سے ان کی صحت مزید خراب ہو گئی۔ چنانچہ ۱۱ ستمبر، ۱۹۴۸ء کو انتقال فرما گئے۔

سوالات

(۱) شاہ ولی اللہ کے علمی ، مذہبی اور سیاسی کار ہائے نمایاں پر روشنی ڈالیے -

(۲) سید احمد شہید کی زندگی اور تحریک جہاد کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں ؟

(۳) سر سید احمد خاں کی تعلیمی ، مذہبی اور سیاسی خدمات پر بحث کیجیے -

(۴) برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ میں "علی برادران" کو جو مقام حاصل ہے ، اس پر تبصرہ کیجیے -

(۵) قومی شاعر اور سیاسی لیڈر کی حیثیت سے علامہ اقبال نے مسلم قوم کی کیا خدمات سر انجام دیں ؟

(۶) قائد اعظم محمد علی جناح کی زندگی اور کارناموں کا مختصر حال بیان کیجیے -

(۷) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :

(أ) نثار علی (تیتو میر)

(ب) نواب عبداللطیف

تحریک پاکستان

برصغیر کی سب سے پہلی سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس تھی - اس کی بنیاد ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز سرکاری ملازم لارڈ ہیوم نے رکھی - اس جماعت میں شروع سے ہندوؤں کا غلبہ تھا اور اس کے پہلے اجلاس میں شریک ہونے والے ۸۰ اراکین میں سے صرف دو مسلمان تھے -

کانگرس برصغیر کی تمام قوموں کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی تھی لیکن رفتہ رفتہ حالات نے ثابت کر دیا کہ وہ صرف ہندوؤں کی جماعت ہے اور مسلمانوں کو اس سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے -

تقسیم بنگال

کانگرس کی مسلم دشمنی کا واضح ثبوت جلد ہی سامنے آ گیا - بنگال کا صوبہ بڑا وسیع تھا اور کلکتہ اس کا صدر مقام تھا - ایک گورنر کے لیے اتنے بڑے صوبے کا انتظام چلانا بہت مشکل تھا، چنانچہ انگریزوں نے ۱۹۰۵ء میں بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا - ایک حصے کا نام مغربی بنگال اور دوسرے کا مشرقی بنگال و آسام رکھا گیا - مشرقی بنگال کا صدر مقام ڈھاکہ مقرر ہوا چونکہ اس نئے صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، لہذا ان کی ترقی کا امکان تھا، مگر یہ تقسیم ہندوؤں کو سخت ناگوار گزری اور انہوں نے پورے بنگال میں شورشیں شروع کر دیں، جلسے کیے گئے اور جلوس

نکالے گئے ۔ کانگریس نے تقسیم بنگال کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ اس سے مسلمان اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندو ان کی خوشحالی و ترقی کو برداشت نہیں کر سکتے اور مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے ان کی ایک علیحدہ جماعت ہونی چاہیے ۔

۱۹۰۶ء میں برطانوی حکومت نے اعلان کیا کہ برصغیر میں جلد سیاسی اصلاحات نافذ کی جائیں گی ۔ چونکہ مسلمانوں کی کوئی نمائندہ سیاسی جماعت نہ تھی ، اس لیے ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی ۔ اس پر مسلمانوں نے بھی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا ۔

وفد شملہ ۱۹۰۶ء

اکتوبر ۱۹۰۶ء میں سرکردہ مسلمانوں کا ایک وفد وائسرائے ہند کو ملنے گیا اور اس کے سامنے اپنے مطالبات پیش کیے ۔ ان مطالبات میں سب سے اہم 'جدا گانہ انتخاب' کا مطالبہ تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ملک میں انتخابات کے وقت مسلمانوں کے جدا حلقے ہوں جن میں مسلمان امیدواروں کو صرف مسلمانوں کی رائے سے منتخب کیا جائے ۔ وائسرائے نے یہ تجویز مان لی ۔

اس وفد کی کامیابی سے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا اور وفد کے اراکین نے سوچا کہ اگر برصغیر کے مسلمان متحد ہو کر اپنی ایک الگ تنظیم بنالیں تو وہ اپنے حقوق کی حفاظت بہتر طریق سے کرسکتے ہیں اور اپنے مطالبات بھی منوا سکتے ہیں ۔

مسلم لیگ کا قیام ۱۹۰۶ء

۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ڈھاکہ میں ہوا جس میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی ۔ مسلم لیگ کے بانیوں میں سلیم اللہ نواب آف ڈھاکہ ، نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے نام قابل ذکر ہیں ۔

مسلم لیگ کے مقاصد یہ تھے -

(۱) مسلمان ، حکومت برطانیہ کے وفا دار رہیں -

(۲) مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے -

(۳) مسلمانوں اور برصغیر کی دوسری قوموں کے درمیان اتحاد پیدا کیا جائے -

۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۱ء تک مسلم لیگ اِنھیں اصولوں پر عمل کرتی رہی -

مقاصد میں تبدیلی

۱۹۱۱ء میں انگریزوں نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے تقسیم بنگال منسوخ کر دی ، اس سے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا تاہم اس سے مسلم لیگ میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا -

۱۹۱۲ء میں کانپور میں حکومت نے سڑک کو چوڑا کرنے کے لیے ایک مسجد کو شہید کر دیا - جب مسلمانوں نے احتجاجی جلوس نکالا تو ان پر گولی چلا دی گئی -

برصغیر سے باہر بھی دنیائے اسلام کے حالات سنگین ہو رہے تھے - ترکی کی سلطنت مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور سلطانِ ترکی ، مسلم دنیا کا خلیفہ سمجھا جاتا تھا - یہی وجہ ہے کہ جب کبھی ترکی کی مسلم سلطنت کو نقصان پہنچا تو دنیا کے مسلمانوں کو اس سے بہت صدمہ ہوا -

۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس (شمالی افریقہ میں سلطنت ترکی کا علاقہ) پر حملہ کر دیا - جب ترکوں نے طرابلس والوں کی مدد کے لیے فوج بھیجی تو انگریزوں نے اسے مصر سے گزرنے کی اجازت نہ دی (فوج نے مصر کے راستہ سے گزر کر طرابلس پہنچنا تھا اور مصر پر انگریزوں کا قبضہ تھا) نتیجہ یہ ہوا کہ طرابلس پر اٹلی نے قبضہ کر لیا - انگریزوں کے اس رویے کا برصغیر کے مسلمانوں پر شدید اثر ہوا -

۱۹۱۲ء میں بلقان کی عیسائی ریاستوں نے مل کر ترکی پر حملہ کر دیا (یہ ریاستیں ترکی کے ماتحت تھیں لیکن مغربی ممالک انھیں ترکوں کے خلاف اکساتے رہتے تھے) ترکوں نے مقابلہ کیا، مگر ۱۹۱۳ء میں یہ ریاستیں بھی ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئیں۔

طرابلس اور بلقان کی جنگوں سے برصغیر کے مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور ان کا قومی جوش و جذبہ انتہا تک پہنچ گیا۔ مسلم لیگ نے ان حالات میں محسوس کیا کہ محض انگریزی حکومت کی وفاداری سے کام نہیں چلے گا، چنانچہ اس نے اپنے مقاصد میں تبدیلی کرلی۔ اب وہ برصغیر میں حکومتِ خود اختیاری کے قیام پر زور دینے لگی۔ دوسری طرف کانگرس کے مقاصد میں بھی تبدیلی آ چکی تھی کیونکہ وہ بھی نمایندہ حکومت کے قیام کا مطالبہ کر رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کے قریب آ گئیں۔

میثاقِ لکھنؤ

۱۹۱۳ء میں قائد اعظم محمد علی جناح بھی مسلم لیگ کے رکن بن گئے۔ انھوں نے دونوں سیاسی جماعتوں کے تعاون کی بھرپور کوشش کی۔ اِنھیں کی کوششوں سے ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہوئے اور دونوں سیاسی جماعتوں میں ایک سمجھوتہ طے پایا جسے "میثاقِ لکھنؤ" کہتے ہیں جس کی رو سے کانگرس نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کے اصول کو منظور کر لیا۔ جداگانہ انتخاب کو تسلیم کرنا دراصل مسلمانوں کو الگ قوم تسلیم کرنا تھا۔

مسلمانوں کو اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اب حکومت کو احساس ہو گیا کہ مسلم لیگ بھی ایک اہم سیاسی جماعت ہے۔

اس سمجھوتے کے مطابق پنجاب اور بنگال کی نمایندہ اسمبلیوں میں مسلمانوں کو آبادی کی نسبت کم نمایندگی دی گئی اور جن

صوبوں میں ان کی آبادی کم تھی وہاں انھیں آبادی کی نسبت زیادہ نمایندگی دی گئی۔ مرکزی اسمبلی میں مسلم نمایندوں کے لیے ایک تہائی نشستیں مخصوص رکھی گئیں۔

اس سمجھوتے سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات ختم ہو گئے۔ دونوں نے مل کر برصغیر میں ذمہ دار حکومت کے قیام کی کوشش کی۔

تحریک خلافت

۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی۔ سلطانِ ترکی، جرمنی کی حمایت میں اور برطانیہ کے خلاف جنگ میں شامل ہو گیا۔ برصغیر کے مسلمان سیاسی طور پر انگریزوں (برطانیہ) کے ماتحت تھے لیکن ان کی دلی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں۔ انھوں نے اس شرط پر انگریزوں کا ساتھ دیا کہ جنگ کے خاتمہ پر ترکی کی خلافت بحال رہے گی اور مسلمانوں کے مقدس مقامات مکہ، مدینہ اور بیت المقدس مسلمانوں کے پاس ہی رہیں گے۔

۱۹۱۹ء میں جب عالمی جنگ ختم ہوئی تو ترکی شکست کھا چکا تھا اور خلافتِ ترکی کو زبردست خطرہ لاحق تھا۔ انگریزوں، یونانیوں اور فرانسیسیوں نے ترکی کی سلطنت کو تقسیم کرنے کے لیے خفیہ سمجھوتے بھی کر لیے تھے۔

ان حالات سے برصغیر کے مسلمان بہت مضطرب ہوئے۔ انھوں نے خلافت کی بقا کے لیے تحریک خلافت شروع کی۔ اسِ تحریک کی قیادت، خلافت کمیٹی، کے ہاتھ میں تھی جو ۱۹۱۹ء میں قائم ہوئی اس کے بڑے بڑے مطالبات یہ تھے:

(ا) خلافت کا منصب برقرار رکھا جائے۔
(ب) مسلمانوں کے مقدس مقامات خلیفہ کے پاس رہیں۔
(ج) ترکوں سے ان کے علاقے نہ لیے جائیں۔

مسلمانوں نے ان مطالبات کو منوانے کے لیے ملک بھر میں یوم خلافت منایا۔

مارچ ۱۹۲۰ء میں مسلمانوں کا ایک وفد انگلستان گیا۔ اس وفد کے قائد مولانا محمد علی جوہر تھے۔ وفد کے ارکان برطانیہ، فرانس اور اٹلی گئے۔ وہاں بڑے بڑے سیاست دانوں سے ملاقاتیں کیں۔ ان کے سامنے مسلمانوں کے مطالبات پیش کیے لیکن کسی نے بھی ان کے مطالبات پر کان نہ دھرا بالآخر یہ وفد ناکام واپس آ گیا۔

مئی ۱۹۲۰ء میں صلح نامہ کی شرائط کا اعلان ہوا لیکن یہ شرائط ترکوں کے لیے بڑی ذلت آمیز تھیں۔ ترکوں سے ان کے بیرونی مقبوضات چھین کر اتحادیوں نے آپس میں بانٹ لیے اور ترکوں کی فوج کم کر دی گئی۔

جنگ کے دنوں میں انگریزوں نے مسلمانوں کو بار بار اطمینان دلایا تھا کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ترکوں سے نرم سلوک کیا جائے گا لیکن صلح نامے کی شرائط میں مسلمانوں کے جذبات کی بالکل پرواہ نہ کی گئی، اس سے برصغیر کے مسلمان بھڑک اٹھے۔

ہندو بھی انگریزوں کی زیادتیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ مسٹر گاندھی انگریزوں کے خلاف عدم تعاون کی تحریک شروع کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے تحریک خلافت کی حمایت شروع کر دی۔ اس پر مسٹر گاندھی اور علی برادران میں سمجھوتہ ہو گیا، جس سے تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون آپس میں مل گئیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر انگریزی مال کا بائیکاٹ کر دیا۔ سرکاری خطابات واپس کر دیے اور سرکاری ملازمتیں چھوڑ دیں۔ دو سال تک یہ تحریک عروج پر رہی۔ ان ہی دنوں بہت سے مسلمانوں نے انگریزی حکومت کے مظالم سے تنگ آ کر اپنی جائدادیں فروخت کر دیں اور برصغیر کو چھوڑ کر ہمسایہ مسلم ملک افغانستان کی طرف چل پڑے۔ افغانستان کی حکومت نے انھیں

مناسب مراعات دینے سے انکار کر دیا - اس پر وہ دوبارہ واپس لوٹ آئے -

اس تحریک سے برصغیر میں برطانوی حکومت کی بنیادیں ہل گئیں - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انگریزی حکومت چند دن کی مہمان ہے کہ اچانک مسٹر گاندھی نے تحریک عدم تعاون ختم کر دی -

دوسری طرف ترکی میں مصطفٰی کمال پاشا نے خلافت کو ختم کر کے قومی حکومت قائم کر لی - اس سے تحریک خلافت ٹھنڈی پڑ گئی -

نتائج

(۱) تحریک خلافت ، برصغیر کے مسلمانوں کی زبردست تحریک تھی - انھوں نے ترکوں کے لیے بے مثال قربانیاں دیں - ہر قسم کے نقصانات برداشت کیے - مسلمان ، پولیس اور فوج کی گولیوں کا نشانہ بنے اور جیلوں میں گئے -

(۲) مسلمانوں نے ترکوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کر کے اسلامی اخوت کے جذبہ کو از سر نو تازہ کر دیا -

(۳) خلیفۃ المسلمین سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اتحاد تھا - برصغیر کے مسلمانوں نے اس اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے یہ تحریک چلائی تھی -

(۴) اس تحریک سے مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا ہوئی - وہ حکومت کی طاقت سے خوفزدہ نہ رہے - قید خانوں کا خوف جاتا رہا - وہ سیاسی طور پر بیدار ہوئے اور برصغیر کی آزادی کے لیے کوشاں ہو گئے -

ہندو مسلم اختلافات

تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر کام کیا تھا لیکن ان دونوں کا اتحاد عارضی ثابت ہوا اور ان تحریکوں کے خاتمے کے بعد ایک بار پھر برصغیر میں ہندو مسلم

فسادات کا دور شروع ہو گیا - جگہ جگہ خونریزی کے واقعات پیش آئے ، جس سے دونوں قوموں میں اختلافات اور زیادہ بڑھے - ان فسادات اور اختلافات کی وجہ شدھی اور سنگھٹن تحریکیں تھیں -

شدھی کی تحریک

۱۹۲۲ء میں ایک کٹر ہندو سوامی شردھا نند نے شدھی کی تحریک شروع کی - اس تحریک کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا - جن علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی کم تھی وہاں انھیں جبراً ہندو بنایا جاتا -

سنگھٹن کی تحریک

مسلمانوں کے خلاف دوسری تحریک ہندو لیڈر ڈاکٹر مونجے نے شروع کی - اسے سنگھٹن کی تحریک کہا جاتا ہے - اس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں کو ہتھیاروں کی تربیت دے کر مسلمانوں کے خلاف منظم کیا جائے -

ہندو مہاسبھا

یہ جماعت ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی - شروع میں اس کا مقصد ہندوؤں کے مذہبی حقوق کی حفاظت کرنا تھا - مگر ۱۹۲۴ء میں اس نے سیاسی جماعت کی شکل اختیار کر لی - اس کے رکن مسلمانوں سے دلی نفرت رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لیے ہے - انھوں نے جداگانہ انتخاب کے اصول کو ختم کرنے پر پورا زور لگایا - ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان برصغیر میں جتنے بھی فسادات ہوئے ان میں اسی جماعت کا ہاتھ تھا -

ہندو مختلف طریقوں سے مسلمانوں پر دباؤ ڈالتے رہے تاکہ مؤخرالذکر علیحدہ نمایندگی کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں - ۱۹۲۷ء میں قائد اعظم نے دہلی میں مسلمان لیڈروں کی کانفرنس بلائی

جس میں ہندوؤں کی اس خواہش پر غور و فکر کیا گیا ۔ مسلمان لیڈر ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کے لیے جداگانہ انتخاب کے حق کو چھوڑنے پر رضامند ہو گئے ، بشرطیکہ کانگرس ان کے باقی مطالبات تسلیم کر لے ۔ مطالبات یہ تھے :-

(۱) سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے الگ صوبہ بنایا جائے۔

(۲) صوبہ سرحد اور پنجاب میں دوسرے صوبوں کی مانند آئینی اصلاحات جاری کی جائیں ۔

(۳) پنجاب اور بنگال کی اسمبلیوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نمایندگی دی جائے۔

(۴) مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کے لیے ایک تہائی نشستیں مخصوص کی جائیں ۔

لیکن کانگرس نے مسلمانوں کی اس مصالحانہ پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم لیگ کانگرس سے متنفر ہو گئی ۔

نہرو رپورٹ

۱۹۲۸ء میں کانگرس نے برصغیر کے آئین کا خاکہ تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی ۔ اس کمیٹی کے صدر موتی لال نہرو تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کمیٹی کی رپورٹ کو "نہرو رپورٹ" کہا جاتا ہے ۔ اس رپورٹ میں مسلمانوں کے تمام مطالبات کو رد کر دیا گیا ۔ ہندوؤں کے اس فعل سے مسلمانوں کو پختہ یقین ہو گیا کہ کانگرس مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتی ۔ اس پر مولانا محمد علی نے کہا کہ اس رپورٹ کو قبول کرنا ہندوؤں کی غلامی کو قبول کرنا ہے ۔ چنانچہ کانگرس اور لیگ کے راستے الگ الگ ہو گئے ۔

قائد اعظم نے نہرو رپورٹ کے جواب میں اپنے چودہ نکات پیش کیے جن میں انھوں نے مسلمانوں کے مطالبات کو پھر دہرایا

لیکن وہ اب جداگانہ انتخاب کے مطالبے پر مصر ہو گئے۔

گول میز کانفرنس

برصغیر کے آئین سے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں میں گفت و شنید ہوئی مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا بلکہ اختلافات بڑھتے گئے۔ اس پر حکومت برطانیہ نے لندن میں تین گول میز کانفرنسیں بلوائیں، جن میں برصغیر کی تمام سیاسی جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔

پہلی گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء میں منعقد ہوئی۔ اس میں کانگرس نے شرکت نہ کی کیونکہ اس نے ملک بھر میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کی ہوئی تھی، البتہ مسلمانوں نے اپنے مطالبات پیش کیے۔ دوسری گول میز کانفرنس ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ اس میں مسٹر گاندھی، کانگرس کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے لندن پہنچے۔ مسلمانوں کی طرف سے قائد اعظم، علامہ اقبال اور مولوی فضل الحق شریک ہوئے۔ مسلمان نمایندوں نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت پر زور دیا لیکن گاندھی نے ہر معاملے میں ہٹ دھرمی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کانفرنس بھی ناکام رہی۔ تیسری گول میز کانفرنس ۱۹۳۲ء میں ہوئی اس میں بھی مختلف سیاسی جماعتوں میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ اس پر برطانوی وزیر اعظم کو آئینی مسائل کا خود ہی فیصلہ کرنا پڑا۔ تمام فرقوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دے دیا گیا اور تمام فرقوں کے لیے صوبوں اور مرکز میں نشستیں مخصوص کر دی گئیں۔

حکومت برطانیہ نے ۱۹۳۵ء میں نیا آئین منظور کر لیا۔ اس کی رو سے وفاقی حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ صوبوں کو وسیع اختیارات دیے گئے اور تمام صوبائی محکمے مقامی وزرا کے سپرد کر دیے گئے۔

کانگرسی وزارتیں اور مسلمانوں پر مظالم

اس آئین کے تحت ملک بھر میں نئے سرے سے انتخابات ہوئے۔ کانگرس کو چھے صوبوں میں نمایاں اکثریت حاصل ہوئی اور ان صوبوں میں کانگرس نے اپنی وزارتیں بنالیں ۔ خیال تھا کہ کانگرس، وزارتوں میں مسلم لیگ کے نمایندوں کو بھی شریک کرے گی لیکن اقتدار سنبھالتے ہی کانگرس کے رہنماؤں نے مسلم لیگ کے نمایندوں کو اپنی وزارتوں میں شامل کرنے سے انکار کر دیا ۔ انھوں نے اس شرط پر مسلمانوں کو وزارت میں شامل کرنا قبول کیا کہ اپنی جماعت سے الگ ہو کر کانگرس میں شامل ہو جائیں ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کانگرس کے علاوہ تمام جماعتوں کا وجود مٹ جائے ۔

کانگرسی حکومتوں نے برسر اقتدار آتے ہی ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر رائج کر دیا اور اردو زبان کے خلاف زبردست مہم چلائی ۔ ایک نیا تعلیمی نصاب مرتب کیا گیا جس کا مقصد مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کو کچلنا اور ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت کو دوبارہ زندہ کرنا تھا ۔ سکولوں میں ہر طالب علم کو مسٹر گاندھی کی تصویر کے سامنے باادب طریقے سے جھک کر ہاتھ جوڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا ۔

کانگرسی وزارتوں نے "بندے ماترم" کے مشہور بنگالی گیت کو قومی ترانہ بنایا ۔ اسمبلی کی کارروائی شروع کرنے سے پہلے "بندے ماترم" کا ترانہ گایا جانے لگا ۔ یہ ترانہ مسلمانوں کو سخت ناگوار تھا کیونکہ اس کا مرکزی خیال مسلم دشمنی تھا ۔

ان صوبوں میں مسلمانوں سے نہایت ناروا سلوک کیا گیا ۔ انھیں ملازمتوں سے برطرف کیا جانے لگا ۔ کانگرس کے رکن ہر جگہ انتظامی معاملات میں مداخلت کر کے مسلمانوں کو تنگ کرنے لگے ۔

ہندوؤں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی کہ ملک میں ہندو راج قائم ہو چکا ہے ۔ پنڈت نہرو نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ

''آج برصغیر میں صرف دو طاقتیں ہیں ۔ ایک کانگرس اور دوسری برطانوی سامراج ۔ لیکن قائد اعظم نے کہا کہ نہیں برصغیر میں ایک تیسری طاقت بھی موجود ہے اور وہ طاقت مسلم قوم کی ہے ۔

مسلم لیگ کی تنظیم نو

کانگرسی وزارتوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنا یا رہنا ناممکن ہے ۔ ان حالات میں مسلمانوں میں قومی جذبہ بیدار ہوا ۔

قائد اعظم نے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کی ۔ ہر صوبے میں لیگ کی شاخیں کھول دی گئیں ۔ مسلمان جوق در جوق اس کے رکن بننے لگے اور ۱۹۳۹ء تک مسلم لیگ ایک مضبوط جماعت بن چکی تھی ۔

دوسری عالمی جنگ

ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوگئی ۔ برطانیہ اور فرانس ایک طرف تھے اور جرمنی اور اٹلی دوسری طرف ۔ انگریز جنگ کے دنوں میں برصغیر کی تمام سیاسی جماعتوں سے تعاون چاہتے تھے ۔ کانگرس نے موقع غنیمت جانا اور حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ برصغیر کو مکمل آزادی دینے کا اعلان کیا جائے اور حکومت کانگرس کے سپرد کر دی جائے ۔ انگریزوں نے یہ مطالبہ رد کر دیا اس پر کانگرسی وزارتیں مستعفی ہو گئیں ۔ کانگرسی وزارتوں کے ختم ہو جانے کی خوشی میں قائد اعظم کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں نے دسمبر ۱۹۳۹ء میں ''یوم نجات'' منایا ۔

قرار داد پاکستان ۱۹۴۰ء

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں ہوا ۔ اس میں مولوی اے ۔ کے فضل الحق نے وہ تاریخی قرار داد پیش کی

جسے ''قرار داد پاکستان'' کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ برصغیر کے شمال مغرب اور شمال مشرق کے ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ہندوستان سے علیحدہ کر کے ایک آزاد اور خود مختار ریاست قائم کی جائے۔

قائد اعظم نے اس اجلاس کے صدارتی خطبے میں فرمایا:

ہم ایک الگ قوم ہیں ہماری تہذیب الگ، ہماری ثقافت الگ، ہمارے نام الگ، ہمارے رسم و رواج الگ، ہماری تاریخ الگ، ہمارے جذبات و احساسات بھی الگ الگ ہیں۔ جب ہندوؤں سے ہماری ہر ایک بات الگ ہے تو پھر کیوں نہ وطن بھی الگ ہو۔

کانگرس نے اس مطالبے کا مذاق اڑایا اور کہا کہ ہندوستان تو صرف ایک قوم کا ملک ہے اور وہ قوم ہندوستانی ہے۔ مسلمان علیحدہ قوم کیسے بن گئی۔ مسٹر گاندھی نے کہا کہ وہ اپنی دھرتی ماتا کے دو ٹکڑے نہیں ہونے دیں گے۔

کرپس کی تجاویز

۱۹۴۰ء میں جرمنی کو جنگ میں فتوحات ہو رہی تھیں اور برطانیہ کو شکستیں۔ جاپان نے بھی جنگ میں انگریزوں کے خلاف شرکت کر لی اور وہ جنوب مشرقی ایشیا میں بہت سے ملک فتح کر کے برما تک آ پہنچا۔ ان حالات میں برطانوی حکومت کو احساس ہوا کہ برصغیر کے لوگوں کو ہاتھ میں رکھنا چاہیے۔ انھوں نے انگریز رہنما کرپس کو ہندوستان بھیجا تاکہ کانگرس کی حمایت حاصل کر سکے۔

اس نے اعلان کیا کہ جنگ کے خاتمے پر برصغیر کو آزادی دے دی جائے گی۔ ملک کا آئین، آئین ساز اسمبلی بنائے گی اور صوبوں کو آزادی ہوگی کہ وہ مرکز سے علیحدہ ہو کر اپنا الگ وفاق بنا لیں۔

کانگرس نے ان تجاویز کو قبول نہ کیا کیونکہ اس میں پاکستان بننے کی طرف اشارہ تھا ۔ مسلم لیگ نے بھی تجاویز منظور نہ کیں کیونکہ ان میں علاحدہ وطن کی ضمانت نہ تھی ۔ کرپس کے جانے کے بعد گاندھی نے انگریزوں کے خلاف "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ بلند کیا ۔ یہ حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان تھا ۔ ریل کی پٹڑیاں اکھاڑ دی گئیں ۔ تار کاٹ دیے گئے ، لیکن حکومت نے جلد ہی کانگرس کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا اور انتظامِ حکومت بحال کر دیا ۔

۱۹۴۵ء میں عالمی جنگ ختم ہونے کا امکان تھا ۔ وائسرائے لارڈ ویول کانگرس اور لیگ کے نمایندوں کو شامل کرکے مرکز میں عارضی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا ۔ اس مقصد کے لیے اس نے مختلف سیاسی جماعتوں کے نمایندوں کو شملہ بلایا ۔

عارضی وزارت میں ۵ ہندو نمایندے ، ۵ مسلم نمایندے اور ۲ دوسری اقوام کے نمایندے شامل ہونا تھے ۔ کانگرس یہ چاہتی تھی کہ ۵ مسلم ارکان میں ایک کانگرسی مسلمان ہو جسے کانگرس خود نامزد کرے ۔ مسلم لیگ یہ چاہتی تھی کہ چونکہ وہ مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت ہے اس لیے تمام مسلم اراکین خود مسلم لیگ نامزد کرے گی ۔ اس اختلاف کے باعث کانفرنس ناکام رہی ، تاہم تمام جماعتیں ملک میں جلد انتخابات کرانے پر رضامند ہو گئیں ۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات

۱۹۴۶ء کے شروع میں ملک بھر میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے جن میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی ہوئی ۔ مرکز میں تیس مسلم نشستیں تھیں جو کہ سب کی سب مسلم لیگ نے حاصل کر لیں ۔ صوبوں میں کل ۴۹۲ مسلم نشستوں میں سے ۴۲۸ مسلم لیگ نے جیتیں ۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ

مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت ہے اور برِ صغیر کے مسلمانوں کا واحد مطالبہ پاکستان ہے۔

وزارتی مشن

مارچ ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے تین وزراء کا وفد برِ صغیر بھیجا ، تاکہ مسلم لیگ اور کانگرس میں کوئی سمجھوتہ ہو سکے۔ وفد نے سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کی لیکن کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔ اس پر اس نے اپنی طرف سے برِ صغیر کے نظام کا خاکہ پیش کیا۔ اس کے اہم پہلو یہ تھے (ا) ملک میں وفاقی حکومت ہوگی۔ (ب) دستور ساز اسمبلی ملک کا دستور بنائے گی۔ (ج) برطانوی ہند کے کل صوبوں کے تین گروپ بنائے گئے۔ ایک گروپ میں ہندو اکثریت کے صوبے تھے۔ دوسرے گروپ میں پنجاب ، سندھ ، بلوچستان اور سرحد کے صوبے۔ تیسرے گروپ میں بنگال اور آسام کے صوبے شامل تھے۔ ان گروپوں کو اختیار تھا کہ دس سال کے بعد وفاق سے الگ ہو سکتے ہیں۔ اس منصوبے میں یہ بھی کہا گیا کہ جب تک نئی دستور ساز اسمبلی نہیں بنتی ، مرکز میں مسلم لیگ اور کانگرس کے نمایندوں پر مشتمل عارضی حکومت قائم ہو جائے گی۔

کانگرس نے تجاویز کا ایک حصہ تو منظور کر لیا ، لیکن عارضی حکومت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ اب حکومت کو چاہیے تھا کہ مسلم لیگ کو عارضی حکومت میں شمولیت کی دعوت دیتی لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس پر مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا اور منصوبے کی منظوری واپس لے لی۔ جونہی مسلم لیگ نے منظوری واپس لی ، کانگرس عبوری حکومت میں شامل ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد مسلم لیگ کے نمایندے بھی حکومت میں شامل ہو گئے لیکن ان میں اختلافات اتنے گہرے تھے کہ حکومت کا کاروبار معطل ہو کر رہ گیا۔

۱۹۴۷ء میں ماؤنٹ بیٹن وائسرائے بن کر بر صغیر آیا - اس نے محسوس کیا کہ مسلم لیگ ، پاکستان سے کم کسی مطالبے کو قبول نہیں کرے گی - پنجاب اور بنگال مسلم اکثریت کے صوبے تھے - کانگرس صرف اس صورت میں پاکستان کے قیام کی منظوری دینے کو تیار ہوئی کہ پنجاب اور بنگال کو تقسیم کر دیا جائے - ماؤنٹ بیٹن کانگرس کا حامی تھا - اس نے مسلم لیگ کو مجبور کیا کہ وہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر رضامند ہو جائے - چنانچہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو برصغیر کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا اور مغربی پنجاب مشرقی بنگال ، سندھ اور بلوچستان نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا - ضلع سلہٹ اور صوبہ سرحد میں رائے شماری کرائی گئی اور ان علاقوں کی اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے دی - اس طرح ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آیا -

سوالات

(۱) کن حالات میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا ؟ اس کے ابتدائی مقاصد کیا تھے اور ان میں کیسے تبدیلی واقع ہوئی ؟

(۲) تحریک خلافت کا حال قلمبند کیجیے - برصغیر کی تاریخ میں اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے ؟

(۳) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :

(الف) تقسیم بنگال -

(ب) وفد شملہ -

(ج) میثاقِ لکھنؤ -

(د) شدھی و سنگھٹن تحریکیں -

(ہ) نہرو رپورٹ -

(و) قرار داد پاکستان -

(ز) کرپس کی تجاویز -

(ح) وزارتی مشن کا منصوبہ -

ستائیسواں باب

پاکستان کے پہلے گیارہ سال

ابتدائی مشکلات

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرض وجود میں آیا ۔ قائد اعظم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے ۔ کراچی کو پاکستان کا صدر مقام مقرر کیا گیا ۔ پاکستان کی نئی مملکت کے لیے ابتدائی مراحل کافی کٹھن تھے ۔ کراچی میں سرکاری دفاتر کے لیے عمارتیں موجود نہ تھیں ۔ پرانی عمارتوں میں دفاتر کھولے گئے لیکن وہاں میز ، کرسیاں ، قلم ، دوات تک نہ تھے ۔ اس بے سرو سامانی کی حالت میں بھی پاکستان کے سرکاری افسروں اور ملازمین میں جذبہ خدمت اور کام کرنے کی لگن تھی ۔ انھوں نے لکڑی کے خالی بکسوں کو جن میں سامان بند ہو کر آیا تھا ، اوندھا کر کے کرسی کا کام لیا اور دوسرے بکس سے میز کا ۔ سرکاری کاغذات کا بہت سا حصہ دہلی سے پہنچتے وقت راستے ہی میں ضائع ہو گیا تھا ، تاہم عملے نے تندہی اور محنت سے کام لے کر دفتروں کے کام کو منظم کر لیا ۔

اثاثے کی تقسیم

بھارت اور پاکستان میں اثاثہ تقسیم ہونا تھا ۔ بھارت نفرت اور تنگ دلی سے کام لے کر قدم قدم پر پاکستان کے لیے مشکلات کھڑی کر رہا تھا ۔ سرکاری خزانے میں پچپن کروڑ روپیہ پاکستان کے حصے میں آیا ، لیکن بھارت نے اس رقم کی ادائیگی میں جان بوجھ

گر دیر کی ۔ پاکستان کے شدید احتجاج کے بعد یہ رقم پاکستان کے حوالے کی گئی ۔

آزادی کے وقت جو فوج پاکستان کے حصے میں آئی وہ یا تو بھارت میں متعین تھی یا دوسری جنگ عظیم ختم ہونے کے باوجود بیرونی ممالک میں اپنے فرائض انجام دے رہی تھی ۔ صرف فوج کے چند دستے ملک میں تھے اور وہ بھی منظم نہ تھے ۔ پاکستان کے حصے کا فوجی سامان بھی بھارت نے روک لیا ۔

مہاجرین کے مسائل

۱۹۴۷ء کے شروع ہی سے مشرقی پنجاب میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوگئے جس سے نظم و نسق درہم برہم ہوگیا ۔ پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمان آبادی پر ہلہ بول دیا ، ان کو قتل کیا گیا یا پاکستان کی طرف دھکیل دیا ۔ ان فسادات کی وجہ سے تقریباً دس لاکھ مسلمانوں کا ناحق خون بہایا گیا ، عورتیں اور بچے اغوا کر لیے گئے غرضیکہ مسلمانوں پر ہر قسم کی سختی اور ظلم روا رکھا گیا ۔ ان فسادات کی وجہ سے تین ماہ کے اندر پچپن (۵۵) لاکھ کے قریب مسلمان بھارت سے چلے آئے اور ۳۵ لاکھ ہندو ، سکھ بھارت کو چلے گئے ۔

مہاجرین کی آمد سے ان کی آبادکاری اور روزگار کی فراہمی کے مسائل پیدا ہوئے ۔

آزادی سے قبل پاکستان کی صنعت و تجارت زیادہ تر غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھی ۔ ان کے جانے سے کاروبار میں تعطل پیدا ہوگیا اور ملک کی تجارت و صنعت میں ایک خلا پیدا ہو گیا اور یوں ذرائع آمد و رفت کا پورا نظام درہم برہم ہوگیا ۔ ریل کے انجنوں کے لیے کوئلہ نہ تھا جس سے گاڑیاں بے کار پڑی ہوئی تھیں اس سے پاکستان کو نازک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا ۔

حد بندی

مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) اور مغربی پاکستان (موجودہ پاکستان کی حد بندی کے لیے جو دو باؤنڈری کمیشن قائم کیے گئے تھے ان کا صدر ریڈ کلف تھا ۔ اس نے حد بندی سے متعلق جو بھی فیصلہ کیا ، وہ سراسر بے انصافی اور ہندوؤں کی ملی بھگت پر مبنی تھا ۔ اس نے مسلم اکثریت والے علاقے بھارت کو منتقل کر دیے ۔ گورداسپور کا ضلع جو مسلم اکثریت کا ضلع تھا بھارت کے ساتھ ملا دیا ۔ یہیں سے ایک سڑک کشمیر کو جاتی تھی ۔ اس طرح بھارت کے لیے کشمیر کا الحاق کرنا ممکن ہو گیا ۔

فیروز پور اور جالندھر کے مسلم اکثریت کے اضلاع بھی بھارت کو دے دیے گئے ۔ اس ناقص حد بندی سے پاکستانی علاقوں کو سیراب کرنے والی نہروں کے ہیڈ ورکس بھارت کو دے دیے گئے جس سے نہری پانی کا جھگڑا کھڑا ہوا اور بھارت کے لیے پاکستان کی نہروں کا پانی بند کر دینا آسان ہو گیا ۔

ان مشکل مراحل میں قائد اعظم نے اپنی قوم کو محنت اور جانفشانی سے کام لینے کی تلقین کی ۔ انھیں اتحاد ، تنظیم اور اعتماد کا درس دیا ۔ لاہور میں یونیورسٹی گراؤنڈ میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا ”جہاں تک مسائل کا تعلق ہے مسلمان قوم کی روایات یہ نہیں کہ وہ مسائل سے گھبرائیں ، بلکہ مسائل جتنے زیادہ ہوں وہ اپنی ہمت اتنی ہی بلند رکھیں“ چنانچہ عوام نے اپنے عظیم قائد کی سرکردگی میں عزم و ہمت سے کام لے کر ان تمام مشکلات پر قابو پا لیا ۔ مہاجرین کو آباد کرنے کا کام تو حکومت کے ذمے تھا ، لیکن ان کی تمام روزمرہ ضروریات کو عوام نے پورا کیا ۔

اپنے مختصر عہد میں قائد اعظم نے ملکی انتظام کو درست کیا ۔ پاکستان کو اقوام متحدہ کا رکن بنوایا ۔ بہت سے ملکوں میں اپنے

سفیر مقرر کیے - یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان قائم کیا گیا جس سے پاکستان کی مالی حالت مضبوط ہوئی - پاکستان کی سب سے بڑی عدالت (سپریم کورٹ) کے قیام کی منظوری بھی دی -

قائد اعظم نے ہر کام کی طرف ذاتی توجہ دی - تمام افسران مختلف معاملات میں ان کے مشورے پر عمل کرتے تھے- ذمہ داریوں کے زیادہ بوجھ سے ان کی صحت پر برا اثر پڑا اور وہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ءکو وفات پاگئے- ان کی موت ملک کے لیے عظیم سانحہ تھی-

دوسرا گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین

قائد اعظم کی وفات کے بعد خواجہ ناظم الدین پاکستان کے گورنر جنرل بنے - لیاقت علی خان وزیر اعظم ہی رہے (پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت تھی اس لیے اصل اقتدار وزیر اعظم کے پاس تھا) لیاقت علی خاں نے کئی غیر ملکوں کا دورہ کیا جس سے پاکستان کی عزت و توقیر بڑھ گئی - آپ نے کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کے لیے کوشش کی لیکن بھارت کی ہٹ دھرمی کی بدولت تصفیہ نہ ہو سکا - ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو لیاقت علی خاں جلسہ عام میں شہید کر دیے گئے- ان کی شہادت کے بعد ملک غلام محمد گورنر جنرل بنے اور خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم مقرر ہوئے -

تیسرے گورنر جنرل ملک غلام محمد

خواجہ ناظم الدین کے عہد وزارت میں ملکی انتظام تیزی سے بگڑنے لگا - ۱۹۵۲ء میں ملک میں غذائی قلت پیدا ہو گئی اور پاکستان کو بیرونی ممالک سے گندم منگوانی پڑی - کچھ عرصہ بعد گورنر جنرل غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کو وزارت سے برطرف کر دیا حالانکہ انہیں اسمبلی میں اکثریت حاصل تھی - گورنر جنرل کا یہ اقدام قابل مذمت تھا کیونکہ ایک ایسے وزیر اعظم کو برطرف

کرنا جسے اسمبلی کی حمایت حاصل ہو پارلیمانی روایات کی خلاف ورزی تھی - ان کی جگہ محمد علی بوگرہ کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا - وہ امریکہ میں پاکستان کے سفیر رہ چکے تھے اس لیے ان کے عہد میں پاکستان کی مغربی ممالک کے ساتھ دوستی بڑھی - امریکہ سے گندم بطور امداد حاصل کی گئی اور اس سے فوجی معاہدہ بھی کیا گیا - ان کے عہد میں مغربی ممالک سے مالی معاشی اور فنی امداد ملنے لگی ملکی ترقی کے منصوبے شروع ہوئے اور صنعتی ترقی کی طرف خاص توجہ دی گئی - پاکستان نے ترکی ، ایران ، عراق اور برطانیہ سے معاہدہ کیا جسے ''معاہدہ بغداد،، کہتے ہیں - اسے بعد میں ''سینٹو،، کا نام دیا گیا - جنوب مشرقی ایشیا میں بھی ایک دفاعی تنظیم قائم کی گئی جس میں امریکہ ، فرانس ، فلپائن ، تھائی لینڈ اور برطانیہ شامل تھے پاکستان اس کا بھی رکن بنا - اس معاہدے کو ''سیٹو،، کہتے ہیں - اب پاکستان سیٹو کا رکن نہیں -

محمد علی بوگرہ کے عہد میں اسمبلی میں گورنر جنرل کے اختیارات کو کم کرنے کی تجویز پاس ہوئی - گورنر جنرل نے اس کا بدلہ یوں لیا کہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا اور اور آئین ساز اسمبلی توڑ دی - مئی ۱۹۵۵ء میں قانون آزادیٔ ہند کے مطابق نئی آئین ساز اسمبلی قائم کی گئی - چند ماہ بعد گورنر جنرل غلام محمد سے خرابی صحت کی وجہ سے استعفا لے لیا گیا اور سکندر مرزا کو گورنر جنرل بنایا گیا -

چوتھے گورنر جنرل سکندر مرزا

سکندر مرزا کے عہد میں اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے سربراہ چوہدری محمد علی وزیر اعظم بنے - ان کی وزارت کے دوران مغربی پاکستان موجودہ پاکستان کے چار صوبوں کی الگ الگ اسمبلیوں کی جگہ ایک صوبائی اسمبلی بنائی گئی اور اس وحدت کا ایک گورنر مقرر کیا گیا ، اسے وحدت مغربی پاکستان کہتے ہیں - ان کے

عہد میں ملک کا پہلا آئین تیار ہوا اور ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو نافذ کیا گیا۔

نئے آئین کے نفاذ کے بعد وزارتیں جلد جلد بدلنے لگیں۔ محمد علی کی وزارت صرف ایک سال رہی۔ ان کے بعد حسین شہید سہروردی بھی صرف ایک سال وزیر اعظم رہ سکے۔ ان کے عہد میں جب اسرائیل، برطانیہ اور فرانس نے مل کر نہر سویز پر حملہ کیا تو انھوں نے عربوں کی بجائے مغربی طاقتوں کی حمایت کی جس سے وہ عوام میں غیر مقبول ہوگئے۔

صدر نے سہروردی کو برطرف کر کے چندری گر کو وزیر اعظم مقرر کیا لیکن چندری گر کو اسمبلی میں اکثریت کی حمایت حاصل نہ ہو سکی، چھے ہفتے کے بعد چندری گر مستعفی ہوگئے اور ان کی جگہ ملک فیروز خاں نون کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ ان کے عہد میں ملکی مسائل پیچیدہ ہوتے چلے گئے۔ لاقانونیت اور چور بازاری بڑھ گئی تھی۔ سیاسی پارٹیوں کی کشمکش روز بروز بڑھتی گئی۔ ستمبر ۱۹۵۸ء کو مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کی قانون ساز اسمبلی میں ایک ہنگامہ ہوا جس میں ڈپٹی سپیکر شاہد علی کی موت واقع ہوگئی۔ ان حالات میں صدر نے ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ آئین منسوخ کر دیا اور اسمبلیاں توڑ دیں۔

آئین سازی کی مشکلات

جب پاکستان آزاد ہوا تو ملک کا انتظام چلانے کے لیے نئے آئین کی ضرورت تھی۔ نیا آئین بنانے کے لیے آئین ساز اسمبلی تو موجود تھی (اس اسمبلی کے ممبروں کا آزادی سے پہلے چناؤ ہو چکا تھا) تاہم نیا آئین بنانے کے لیے کچھ عرصہ درکار تھا۔ اس لیے ۱۹۳۵ء کا قانون ہی کچھ تبدیلیوں کے ساتھ وقتی طور پر نافذ کر دیا گیا۔ ملک کا نیا آئین بننے میں نو سال کا عرصہ لگا۔

قرار داد مقاصد

۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء میں آئین ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد پاس کی - یہ قرار داد لیاقت علی خاں کی طرف سے پیش ہوئی اور مختصر بحث کے بعد قبول کر لی گئی - اس قرار داد میں ان اصولوں کو پیش کیا گیا تھا جن کے مطابق نیا آئین مرتب ہونا تھا - قرار داد میں بتایا گیا تھا کہ پوری کائنات پر حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور پاکستانی عوام تمام اختیارات کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ملے ہیں ایک مقدس امانت کی حیثیت میں استعمال کریں گے پاکستان میں جمہوریت ، آزادی ، اسلامی مساوات ، روا داری اور انصاف کے اصولوں کے مطابق حکومت ہو گی - تمام افراد کو بنیادی حقوق حاصل ہوں گے - عدلیہ آزاد ہو گی اور اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا جائے گا -

اس قرار داد مقاصد کے پاس ہونے کے بعد آئین بنانے کا کام مختلف کمیٹیوں کے سپرد ہوا ، لیکن ان کمیٹیوں نے اپنا کام دیر سے ختم کیا جس سے آئین مکمل ہونے میں بہت عرصہ لگا -

آئین دیر سے بننے کی وجہ یہ تھی کہ آئین ساز اسمبلی ملک کی قانون ساز اسمبلی بھی تھی ، یعنی ایک طرف تو اس نے ملک کے لیے آئین بنانا تھا اور دوسری طرف ملکی قوانین بنانے کا فرض بھی اس کے ذمے تھا - آئین ساز اسمبلی کے ممبروں میں بہت سے ممبر مرکز اور صوبائی وزرا بھی تھے - ان وزرا کو بہت سے دیگر ملکی مسائل کا سامنا بھی تھا اور دوسرے اہم فرائض بھی انجام دینے پڑتے تھے ساتھ ہی ساتھ وہ سیاسی جوڑ توڑ میں بھی لگے رہتے تھے - ان تمام وجوہ کی بنا پر آئین مکمل ہونے میں دیر ہوتی چلی گئی -

۱۹۵۴ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے آئین ساز اسمبلی توڑ دی اور ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا - مئی ۱۹۵۵ء میں نئی آئین ساز اسمبلی قائم کی گئی - (اس اسمبلی کے ممبروں کو

صوبائی اسمبلیوں نے منتخب کیا تھا) ۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں پاکستان کے اس وقت کے دونوں بازوؤں میں مساوات کے اصول قائم رکھنے کے لیے مغربی پاکستان (موجودہ پاکستان) کے چار صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا گیا اسے ''ون یونٹ'' کہتے ہیں ۔ اس کے بعد آئین سازی کا کام تیزی سے شروع ہوا ۔

۱۹۵۶ء کا آئین

۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو ملک میں نیا آئین نافذ کر دیا گیا ۔ اس آئین کے مطابق پاکستان ، اسلامی جمہوریہ بن گیا ۔ سکندر مرزا کو جمہوریہ کا پہلا صدر منتخب کیا گیا ۔ اس آئین کے مطابق قومی اسمبلی کا ایک ایوان رکھا گیا ، جس میں دونوں صوبوں کو برابر نمائندگی دی گئی ۔ دونوں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری دی گئی ۔ ملک میں پارلیمانی طرز حکومت قائم کی گئی (اس طرز حکومت میں اکثریتی پارٹی کا سربراہ ملک کا وزیر اعظم بنتا ہے اور وہ اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے) نئے آئین کے تحت بنگالی اور اردو کو قومی زبانیں قرار دیا گیا ۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ کوئی ملکی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا ۔ اقلیتوں سے رواداری اور مساوات کا سلوک کیا جائے گا اور عوام کو بنیادی حقوق حاصل ہوں گے ۔

لیکن ہمارے ملک میں پارلیمانی طرز حکومت ناکام رہا ۔ جس کی تین بڑی وجوہ تھیں ۔

(۱) ملک میں منظم سیاسی جماعتیں نہیں تھیں اور نہ ہی ان پارٹیوں کے کوئی واضح اصول تھے ۔ ان کے بعض ممبر جب چاہتے ایک پارٹی کو چھوڑ کر دوسری پارٹی میں شامل ہو جاتے ۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ ملک میں مخلص اور محب وطن سیاست دان موجود نہیں تھے ۔ سب ذاتی اغراض کے بندے تھے

جس سے ملک کو نقصان پہنچا ۔

(۳) پارلیمانی طرز حکومت ایسے ملک میں کامیاب ہو سکتا ہے جہاں عوام کی اکثریت پڑھی لکھی اور باشعور ہو ۔ اس وقت پاکستان کے عوام میں اتنا سیاسی شعور نہیں تھا جتنا اب ہے ۔

نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمانی طرز حکومت ناکامی کا شکار ہو گیا اور ملک کا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا ۔

پاکستان اور بھارت کے تعلقات

بھارت ہمارا قریبی ہمسایہ ہے لیکن اس ملک کے ساتھ ہمارے تعلقات ابتدا ہی سے اچھے نہیں ہیں ۔ بھارتی لیڈروں کو مسلمانوں سے پرانی نفرت تھی اور وہ شروع ہی سے تحریک پاکستان کے خلاف تھے ، لیکن جب ان کی خواہش کے خلاف پاکستان بن گیا تو ان کی کوشش یہی رہی کہ اسے زیادہ سے زیادہ مشکلات میں مبتلا کیا جائے ۔

آزادی کے بعد پاکستان و بھارت کے درمیان مختلف جھگڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ جس سے دونوں ملکوں کے تعلقات کشیدہ ہوتے چلے گئے ۔ بڑے بڑے جھگڑے تین تھے ۔ مسئلہ کشمیر ، نہری پانی اور متروکہ جائدادیں ۔

مسئلہ کشمیر

۱۸۴۶ء میں جموں و کشمیر کی ریاست پر ڈوگرہ راج قائم تھا ۔ انگریزوں نے سکھوں کے ساتھ پہلی لڑائی کے بعد ان پر ڈیڑھ کروڑ روپے کا تاوان جنگ عائد کیا ۔ ان کے خزانے میں صرف ۵۰ لاکھ روپیہ تھا ۔ باقی رقم گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھوں کشمیر فروخت کر کے انگریزوں کو دی گئی ۔ پاکستان کے قیام پر گلاب سنگھ ڈوگرہ کا خاندان کشمیر پر حکمران تھا ۔

ڈوگرہ حکمران مسلمانوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے حکومت کے تمام اختیارات ہندوؤں کو سونپ رکھے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں کشمیر کے مسلمانوں نے ان مظالم سے تنگ آ کر آزادی کی تحریک شروع کی۔ گو یہ تحریک وقتی طور پر دبا دی گئی لیکن مواد اندر ہی اندر پکتا رہا۔

۱۹۴۷ء کے اعلان آزادی کے مطابق ریاستوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق بھارت یا پاکستان کے ساتھ شامل ہو جائیں لیکن فیصلہ کرتے وقت ضروری تھا کہ عوام کی خواہشات اور جغرافیائی حدود کا خیال رکھا جائے۔

اس اصول کے مطابق کشمیر کو پاکستان میں شامل ہونا چاہیے تھا۔ ریاست جموں و کشمیر کی ۳۰۰ میل لمبی سرحد پاکستان کے ساتھ ملتی ہے۔ سری نگر کا رابطہ سڑکوں کے ذریعے راولپنڈی اور سیالکوٹ کے ساتھ ہے۔ کشمیر کی ۸۰ فی صد سے زیادہ آبادی مسلمان ہے اور وہ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتی ہے لیکن ہندو راجا مسلم اکثریت کی خواہش کے خلاف بھارت کے ساتھ الحاق کرنا چاہتا تھا۔ اس پر مسلمانوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ پوری وادی میں یہ نعرہ گونج رہا تھا ''الحاق کا فیصلہ کرنا عوام کا حق ہے۔''

راجا نے بغاوت کو کچلنے کے لیے بھارت سے مدد مانگی جس کے جواب میں بھارت نے یہ شرط لگائی کہ راجا کی اس صورت میں مدد کی جائے گی کہ وہ اپنی ریاست کا بھارت سے الحاق کر دے۔ راجا نے فوراً الحاق کا اعلان کر دیا۔ بھارت کے گورنر جنرل مونٹ بیٹن نے عارضی طور پر کشمیر کی شمولیت کو منظور کر لیا لیکن کہا کہ کشمیر کے مستقبل کا آخری فیصلہ کشمیری عوام کریں گے۔ کشمیر کے اس وقت کے وزیر اعظم، الحاق کو عارضی سمجھ کر خاموش رہے۔

الحاق کی منظوری کے ساتھ ہی بھارت نے اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج دیں۔ کشمیر کے مجاہدین آزادی نے اپنے ٹوٹے پھوٹے معمولی ہتھیاروں کی مدد سے بھارتی فوج کا مقابلہ کیا۔ مجاہدین کی مدد کے لیے قبائلی پٹھان بھی جا پہنچے، مجاہدین نے بھارت کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں بھارت نے یہ معاملہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پیش کیا اور پاکستان پر الزام لگایا کہ وہ مجاہدین کی مدد کر رہا ہے۔ سلامتی کونسل نے جھگڑے کی تفصیلات سننے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ جنگ فوراً بند کر دی جائے۔ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ عوام کی مرضی سے کیا جائے اور ان کی مرضی معلوم کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی نگرانی میں رائے شماری کرائی جائے۔

پاکستان اور بھارت دونوں نے یہ قرار داد منظور کر لی۔ لیکن بھارت اپنے وعدے سے پھر گیا۔ سلامتی کونسل کے نمایندوں نے بھارت پر زور دیا کہ وہ اپنی فوجیں کشمیر سے نکال لے تاکہ رائے شماری کرائی جاسکے لیکن بھارت کے حکمران ٹال مٹول کرتے رہے۔ جولائی ۱۹۵۳ء میں پاکستان و بھارت کے وزرائے اعظم میں ملاقات ہوئی اور طے پایا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے عوام کریں گے لیکن جب دونوں ممالک کے اعلیٰ افسران میں گفت و شنید ہوئی تو بھارت رائے شماری کے وعدے سے مکر گیا۔ کشمیر کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔

نہری پانی کا جھگڑا

حد بندی کمیشن نے سرحدوں کا تعین کرتے وقت غیر منصفانہ فیصلہ کیا تھا اور پاکستانی علاقوں کو سیراب کرنے والی نہروں کے ہیڈ ورکس فیروز پور اور مادھو پور بھارت کے حوالے کر دیے۔ اس سے نہری پانی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ بھارت نے یہ دعویٰ کیا کہ ان نہروں کے ہیڈ ورکس چونکہ بھارت میں ہیں

اس لیے یہ اس کی ملکیت ہیں اور پاکستان کو بھارت سے قیمتاً پانی مل سکے گا (بین الاقوامی قانون کے مطابق جو دریا ایک سے زیادہ ملکوں کے درمیان بہتے ہوں ان پر کوئی ملک ملکیت کا حق نہیں جتا سکتا) چنانچہ یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو بھارت نے ان نہروں کا پانی بند کر دیا - اس سے پاکستان کی کھڑی فصلوں کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا - بھارت نے مئی میں پانی بحال کر دیا ، لیکن بتدریج پانی کی مقدار کو گھٹانا شروع کر دیا -

۱۹۵۴ء میں عالمی بینک نے بھارت اور پاکستان کے درمیان نہری پانی کے تصفیے کی کوشش کی لیکن کوئی صورت نہ نکل سکی ، تاہم بعد میں 1940 میں یہ جھگڑا طے ہوا -

متروکہ جائدادیں

آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی پاکستان سے کئی ہندو اور سکھ ہندوستان چلے گئے اور ہندوستان سے خاص طور پر مشرقی پنجاب سے لاکھوں مسلمان پاکستان میں آئے - ان مسلمانوں پر بڑے مظالم ڈھائے گئے اور انھیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا گیا - اس نقل آبادی سے متروکہ جائدادوں کا مسئلہ پیدا ہو گیا - مسلمانوں کی جائدادیں پورے بھارت میں پھیلی ہوئیں تھیں اور ہندوؤں کی یہاں چھوڑی ہوئی جائدادوں سے زیادہ تھیں - بھارت کا یہ دعویٰ تھا کہ ہندوؤں کی جائداد زیادہ ہے - بھارت حکومت نے ان جائدادوں کی فروخت یا تبادلہ کے متعلق تنازعہ کھڑا کر دیا اور اس کے تصفیے کے لیے ایسی تجاویز پیش کیں ، جنھیں قبول نہیں کیا جا سکتا تھا - آخر جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو دونوں ملکوں نے تارکین وطن کے دعوے مرتب کر کے انھیں متروکہ جائدادوں سے ہی معاوضہ دینا شروع کر دیا -

سوالات

(۱) پاکستان کے ابتدائی مسائل کیا تھے اور ان پر کیسے قابو پایا گیا ؟

(۲) ۱۹۵۶ء کے آئین کا پس منظر بیان کیجیے اور اس آئین کے اہم نکات لکھیے ۔

(۳) ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک پاکستان اور بھارت کے تعلقات پر روشنی ڈالیے ۔ مختلف تنازعات میں بھارت کا رویہ کیا تھا؟

حصہ دوم

اموی اور عباسی دور

تمہید

تاریخ اسلام کا آغاز عہد رسالت سے ہوتا ہے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اپنی امت کی رہنمائی کے لیے ان کے درمیان موجود تھے تو ان کے تمام کاموں کی نگرانی کرتے تھے۔
رسول خداؐ کے وصال ۱۱ھ، ۶۳۲ء کے بعد، ان کے صحابہ کرام میں سے ان کے چار ممتاز صحابی یکے بعد دیگرے ان کے خلیفہ یعنی جانشین بنے اور خلفائے راشدین کہلائے۔ یہ زمانہ تیس سال کا ہے۔

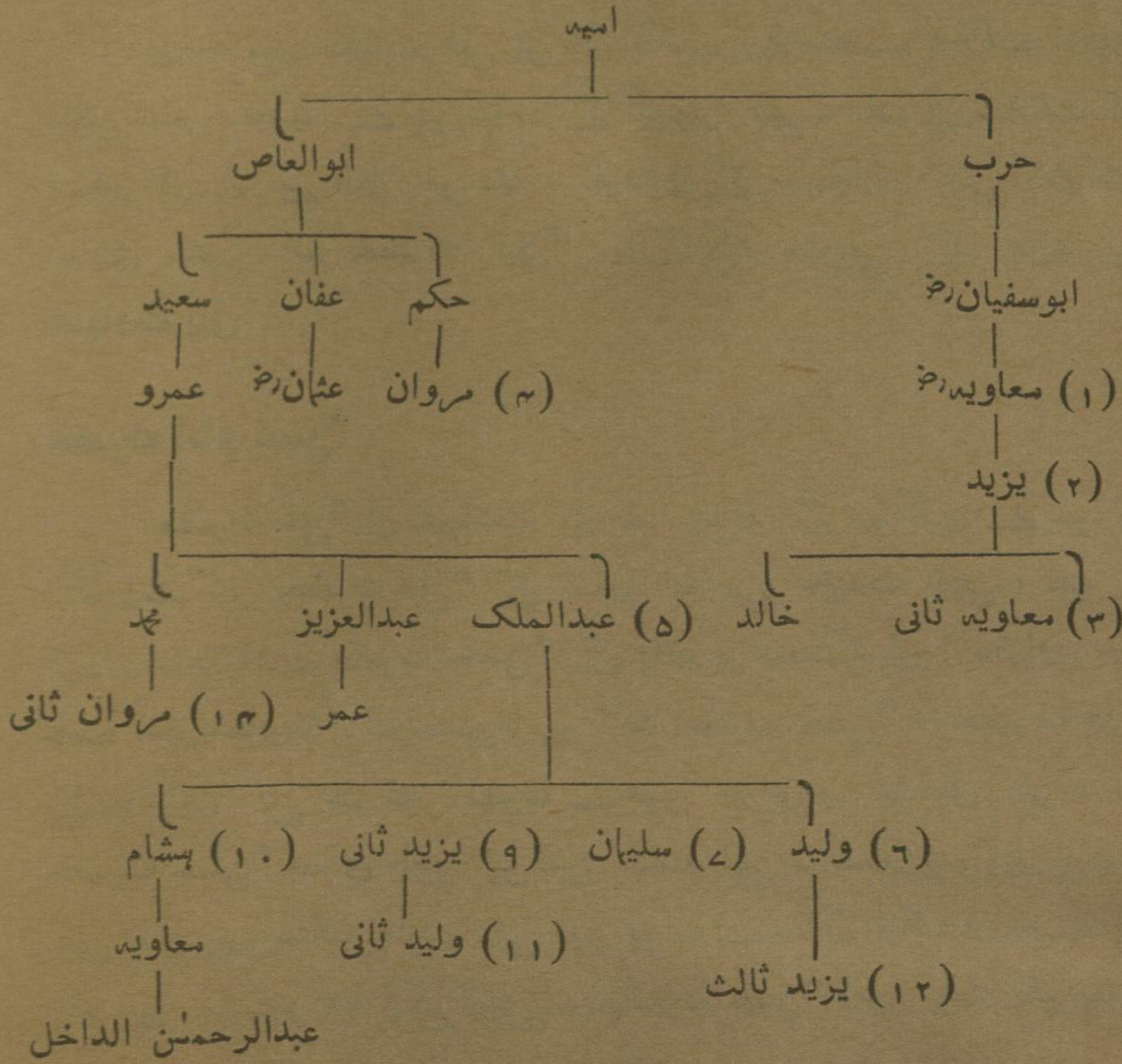
۳۵ھ میں حضرت علی بن ابی طالب نے منصب خلافت سنبھالا لیکن امیر معاویہ نے جو شام کے گورنر تھے، ان کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فریقین کے درمیان ابھی کشمکش جاری تھی کہ حضرت علیؑ نے ایک خارجی کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

حضرت امام حسنؑ

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد عراق کے لوگوں نے جن کی اکثریت کو حضرت علیؑ کے ساتھ خاصی عقیدت تھی، آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کرلی (رمضان ۴۰ھ) جب امیر معاویہؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت حسنؑ، حضرت علیؑ کے جانشین بنے ہیں تو انھوں نے فوراً عراق پر چڑھائی کر دی۔ حضرت حسنؑ فطری طور پر امن پسند تھے۔ مسلمانوں کے درمیان کئی سال سے جنگ جاری تھی اور ہزاروں مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے جا چکے تھے۔ حضرت حسنؑ اس بات کو خوب

جانتے تھے کہ مزید خون ریزی کے بغیر خلافت کا مسئلہ حل نہ ہو سکے گا ، اس لیے آپ چند شرائط پر امیر معاویہ رض کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے -

بنی امیہ کا شجرۂ نسب



عہد بنی امیہ

۱ - امیر معاویہؓ

۴۱ھ تا ۶۰ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۶۸۰ء

بنی امیہ

ظہور اسلام سے پہلے مکہ کے قریش مختلف خاندانوں میں منقسم تھے اور شہر کے انتظامی معاملات ان کے درمیان بٹے ہوئے تھے، مثلاً خانہ کعبہ کا انتظام اور حاجیوں کی میزبانی بنی ہاشم کے سپرد تھی اور جب کبھی قریش کو جنگ پیش آتی تو فوج کی علمبرداری اور قیادت بنی امیہ کرتے تھے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو مکہ کے اکثر متمول خاندان ان کی مخالفت پر تل گئے۔ اس مخالفت میں امیہ کا خاندان کسی سے کم نہ تھا۔ ان میں سے حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کیا اور باقی لوگ رسول خداؐ کی مخالفت پر قائم رہے۔ چنانچہ جنگ اُحد کے موقع پر مکی فوج کی کمان اموی خاندان کے سردار ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔

جب رسول خدا نے ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح کیا اور اسلام کے مخالفوں کو مغلوب کیا تو دیگر لوگوں کے ساتھ بنی امیہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ ان میں ابوسفیان اور ان کے بیٹے یزید اور معاویہ بھی شامل تھے۔ اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اہل مکہ کی خطائیں معاف کیں بلکہ ابو سفیانؓ کے خاندان کی خاص طور پر تالیف قلوب کی۔

قبول اسلام کے بعد ابوسفیان کے چھوٹے بیٹے معاویہ، رسول خدا کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔ اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کے قریب تھی۔ چونکہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس لیے کاتبان وحی کے زمرہ میں شامل ہوگئے۔

اسلامی حکومت میں بنی امیہ کا عمل دخل

ابتدا میں بنی امیہ، اسلام کے مخالف تھے، لیکن قبول اسلام کے بعد آہستہ آہستہ حکومت کے کاموں میں دخیل ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ اسلامی سلطنت پر قابض ہوگئے۔

رسول خدا کی وفات کے بعد جب خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے شام اور فلسطین کی تسخیر کے لیے فوجیں روانہ کیں، تو فوج کے ایک دستہ کی کمان ابوسفیان کے بڑے بیٹے یزید کے سپرد کی۔ یزید کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی معاویہ بھی جنگ میں شریک ہوئے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے عہد میں جب یزید نے وفات پائی تو ان کی بجائے معاویہ دمشق کے گورنر مقرر ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بنی امیہ دبے رہے، لیکن جب حضرت عثمانؓ امیرالمومنین منتخب ہوئے تو بنی امیہ نے رفتہ رفتہ بڑا اقتدار حاصل کر لیا۔ حضرت عثمانؓ بھی بنی امیہ میں سے تھے، ان کے زمانے میں بصرہ، کوفہ اور مصر کی حکومت پر اموی خاندان کے لوگ فائز رہے اور اسلامی سلطنت میں ہر طرف اموی گورنر نظر آنے لگے۔ اس سے اموی خاندان کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔

امیر معاویہؓ کے ابتدائی حالات

حضرت عثمانؓ کے والیوں یا صوبائی گورنروں میں سے امیر معاویہؓ سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ پہلے پہل صرف دمشق کا

ضلع ان کے پاس تھا ، لیکن جب دوسرے اضلاع کے حاکم یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو شام اور فلسطین کا سارا ملک ان کی ولایت میں آ گیا ۔ امیر معاویہؓ بڑے ہوشیار سیاست دان تھے ۔ انھوں نے اپنی تدبیر اور دادودہش سے اہل شام کے دلوں کو مسخر کر لیا اور وہاں ایسی مضبوطی سے قدم جمائے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اہلِ شام کو اپنے ساتھ ملا کر حضرت علیؓ سے صفین کے مقام پر جنگ کی ۔

امیر معاویہؓ کی خلافت

جب ۴۱ھ میں حضرت حسنؑ خلافت سے دست بردار ہو گئے ، تو عالمِ اسلام نے امیر معاویہؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیا اور جو لوگ مخالف تھے وہ بھی رفتہ رفتہ مغلوب ہو گئے اور امیرمعاویہؓ کی حکومت مضبوط ہو گئی ۔ کئی سال سے دمشق ان کا پایہ تخت چلا آ رہا تھا لہٰذا امیرمعاویہؓ کی خلافت کے بعد یہ شہر تمام اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ قرار پایا ۔

امیر معاویہؓ کے گورنر

امیر معاویہؓ کے عہد حکومت کے تین عامل یعنی گورنر خاص طور پر مشہور ہیں جنھوں نے اپنے تدبر اور قابلیت سے ان کی خلافت کو کامیاب بنایا ۔

(۱) اول عمرو بن العاص ، فاتح مصر جو ان کے دست راست تھے زیادہ تر انھیں کی کوشش سے امیر معاویہؓ کو خلافت نصیب ہوئی تھی ۔ مصر کا ملک ان کی عمل داری میں تھا ۔ انھوں نے ۴۳ھ میں تہتر سال کی عمر میں وفات پائی ۔

(۲) امیر معاویہؓ کے دوسرے ممد و معاون مغیرہ بن شعبہ تھے ، جو حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی بصرہ کے حاکم رہ چکے

تھے ۔ امیر معاویہؓ نے ان کو کوفہ کا والی مقرر کیا، کوفہ کے لوگ بڑے سرکش تھے ، نیز یہ شہر حضرت علیؓ کے طرفداروں کا مرکز تھا ، لیکن مغیرہ نے اپنے تدبر سے ان کو قابو میں رکھا اور یزید کو ولی عہد بنانے میں امیر معاویہؓ کی پوری پوری مدد کی ۔ انھوں نے ۵۰ھ میں وفات پائی ۔

(۳) امیر معاویہؓ کا تیسرا اہم گورنر زیاد بن سمیہ تھا ، جس کو حضرت علیؓ نے فارس کا گورنر مقرر کر رکھا تھا ۔ وہ ایک تیز فہم اور قابل شخص تھا اور امور سلطنت کی بڑی سمجھ رکھتا تھا ، اس لیے امیر معاویہؓ نے اسے مغیرہ بن شعبہ کی وساطت سے اپنے ساتھ ملا لیا اور اسے بصرہ کا والی مقرر کر دیا اور مغیرہ کی وفات کے بعد کوفہ کی حکومت بھی اس کے سپرد کر دی ۔ زیاد ایک با تدبیر لیکن سخت گیر حاکم تھا ۔ اس نے ۵۳ھ میں وفات پائی ۔

مشرقی فتوحات

امیر معاویہؓ کے زمانے میں مسلم سلطنت کے مشرقی حصے میں کئی جگہ شورش برپا ہوئی ۔ عربوں نے نہ صرف شورش کو فرو کیا بلکہ مشرق کی طرف مزید پیش قدمی کی ، ۴۱ھ میں جب ہرات والوں نے بغاوت کی تو عربوں نے ہرات کو دوبارہ فتح کرکے کابل پر چڑھائی کر دی اور چند ماہ کے محاصرہ کے بعد اسے فتح کر لیا ۔ اس کے علاوہ انھوں نے غزنی ، غور اور قندھار کو اپنا مطیع بنایا اور اپنی عمل داری کو ہندوستان کی حدود تک پھیلا دیا ۔

ترکستان کی فتوحات

۵۴ھ میں زیاد کا بیٹا عبیداللہ خراسان کا گورنر مقرر ہوا ، اس نے ترکستان کے ملک پر چڑھائی کی اور سغد کے علاقہ میں داخل

ہو کر کئی شہر لے لیے - اگلے سال ان کی جگہ سعید بن عثمانؓ خراسان کے گورنر مقرر ہوئے - انھوں نے ترکستان کی مہم جاری رکھی اور دریائے جیحوں کو عبور کر کے ترکستان میں داخل ہو گئے - مقامی باشندے ان کے مقابلے کے لیے بڑھے اور بخارا کے شہر میں فریقین کا آمنا سامنا ہوا ، لیکن سغد والوں میں پھوٹ پڑ گئی - اور انھوں نے دب کر صلح کر لی اور اسلامی فوج بغیر کسی لڑائی کے بخارا میں داخل ہو گئی -

بخارا کی فتح کے بعد مسلم فوج نے سمر قند کا محاصرہ کر لیا - کئی دن تک اہل شہر بہادری سے لڑے ، لیکن جب محاصرے نے طول کھینچا تو اہل شہر نے ہمت ہار دی اور سات لاکھ سالانہ خراج دینے پر صلح کر لی - اس کے بعد مسلم فوج نے ترمذ کا رخ کیا ، یہاں کے لوگوں نے بھی بغیر جنگ کے صلح کر لی -

افریقہ میں عقبہ کی پیشقدمی

۴۱ھ میں مصر کے والی عمروؓ بن العاص نے اپنے بھتیجے عقبہ بن نافع کو بربروں کے مقابلے میں بھیجا - عقبہ نے برقہ کو اپنا مرکز بنایا اور بربروں پر فوج کشی کی- چند ایک دیگر عرب سرداروں نے بھی مختلف مقامات پر حملے کر کے بربری قبائل کو مطیع کیا - لیکن بربر لوگ بڑے آزادی پسند اور سرکش تھے ، جب کوئی عرب سالار ان پر حملہ آور ہوتا تو وہ عارضی طور پر اس کی اطاعت قبول کر لیتے اور جب ان کے سر سے فوجی دباؤ اٹھ جاتا تو وہ خود مختار بن جاتے ، یہ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے ۵۰ھ میں عقبہ بن نافع کو دس ہزار کا لشکر دے کر بربروں کی سرکوبی پر دوبارہ مامور کیا ، عقبہ نے تیونس کے علاقے میں قیروان کا شہر آباد کیا اور اسے خوب مضبوط کر کے عربی حکومت کا مرکز بنایا تاکہ آس پاس کے ملکوں میں عربوں کا تسلط قائم رہ سکے -

چند سال کے بعد امیر معاویہؓ کے جانشین یزید بن معاویہ کے عہد حکومت میں عقبہ مغرب کی طرف بڑھتے بڑھتے بحر اطلانتک (بحر اوقیانوس) کے ساحل تک جا پہنچا اور اپنے گھوڑے کو پانی میں اتار کر کہا کہ ''اگر میرے راستے میں سمندر حائل نہ ہوتا تو میں راہِ خدا میں جہاد جاری رکھتے ہوئے اور آگے بڑھتا''۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد بربروں نے عربوں کے خلاف بغاوت کر دی اور ۶۳ھ میں عقبہ بن نافع کو اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر ڈالا ۔ اس بغاوت سے برقہ کے مغرب کے تمام افریقی علاقے عربوں کے ہاتھ سے نکل گئے ۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ

عربوں کی سب سے بڑی حریف رومی سلطنت تھی جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا ۔ امیر معاویہؓ کا مقابلہ زیادہ تر اسی سلطنت کے ساتھ رہتا تھا ۔ رومیوں کے مقابلے کے لیے امیر معاویہؓ نے بری اور بحری دونوں قسم کی فوجیں تیار کر رکھیں تھیں البتہ عرب لوگ میدانی جنگ کے عادی تھے ۔ چونکہ ایشیائے کوچک کا اکثر حصہ پہاڑی اور دشوار گزار ہے اور وہاں سردیوں کے موسم میں سخت سردی پڑتی ہے ، اس لیے عرب اس ملک کو سالانہ فوج کشی کے باوجود فتح نہ کر سکے ۔ امیر معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں قسطنطنیہ پر دو بار حملہ کیا لیکن اسے فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

قسطنطنیہ پر عربوں کا پہلا حملہ ۴۹ھ مطابق ، ۶۶۹ء میں ہوا امیر معاویہؓ نے خشکی کے راستے آزمودہ کار جرنیلوں کی کمان میں ایک بھاری فوج بھیجی ، جس میں کئی ممتاز صحابی بھی شامل تھے اور ان کی امداد کے لیے اپنے نوجوان بیٹے یزید کو بھی فوج کے ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا ۔ رومیوں نے اپنے دارالسلطنت کی بڑے زور شور سے حفاظت کی ، اس لیے عربی فوجیں چند ماہ کے محاصرہ

کے بعد لوٹ آئیں - اس محاصرے کے دوران میں ایک مشہور صحابی حضرت ایوب انصاری رض نے وفات پائی اور شہر کی فصیل کے باہر مدفون ہوئے، ان کا مرقد آج تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے -

۵۴ھ میں امیر معاویہ رض نے قسطنطنیہ پر بحری راستے سے دوبارہ لشکر کشی کی - عربوں نے بحیرہ مارمورہ میں ایک جزیرے پر قبضہ کر کے اسے اپنا مرکز بنا لیا تھا جہاں سے وہ ہر سال موسم بہار میں قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوتے تھے - قسطنطنیہ کے ارد گرد ایک مضبوط فصیل تھی اس لیے شہر کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا اس کے علاوہ رومیوں نے حملہ آوروں کے خلاف یونانی آگ (Greek Fire) استعمال کی، جو ان ہی دنوں میں ایجاد ہوئی تھی - یہ ایک آتشگیر کیمیائی مرکب تھا جو پانی کی سطح پر بھی جلتا رہتا تھا - رومی اسے عربوں کے جہازوں پر پھینکتے، جس سے جہازوں میں آگ لگ جاتی تھی - یہ محاصرہ چھے سات سال تک جاری رہا - آخر کار جب امیر معاویہ رض نے ۶۰ھ میں وفات پائی تو عرب فوجیں قسطنطنیہ سے واپس آ گئیں -

حضرت حسن ؑ کی وفات

حضرت حسن ؑ نے منصب خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد مدینے میں سکونت اختیار کر لی تھی، ۵۰ھ میں آپ نے وفات پائی اور جنت البقیع کے قبرستان میں اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رض کے پہلو میں مدفون ہوئے -

عام روایت یہ ہے کہ حضرت حسن ؑ کو ان کی ایک بیوی نے زہر دے دیا تھا جس سے ان کی موت واقع ہوئی -

حضرت حسن ؑ کی وفات کے بعد امیر معاویہ رض نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کرنے اور لوگوں سے اس کے حق میں بیعت

لینے کی تدبیریں سوچنی شروع کر دیں۔

یزید کی ولی عہدی

مغیرہ بن شعبہ، امیر معاویہ رض کے مشیر خاص تھے اور ان کی طرف سے کوفہ کے حاکم مقرر تھے۔ انھوں نے معاویہ رض کو مشورہ دیا کہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کر دیں اور اپنی زندگی ہی میں رعایا سے ان کے حق میں بیعت لے لیں تاکہ ان کی وفات کے بعد جانشینی کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ ہو اور خوں ریزی کی نوبت نہ آنے پائے۔ یزید ایک لاابالی نوجوان تھا جسے سیر و شکار کے سوا اور کسی بات سے دلچسپی نہ تھی۔ اس بنا پر امیر معاویہ رض نے خدشہ ظاہر کیا کہ اکثر مسلمان، یزید کی بیعت پر راضی نہ ہوں گے اور مغیرہ سے پوچھا کہ اس مشکل کام کو کون سر انجام دے گا۔

اس وقت سیاسی لحاظ سے مسلم سلطنت کے تین بڑے مرکز تھے۔ کوفہ، بصرہ اور حجاز۔ مغیرہ نے کہا کہ کوفہ کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ بصرہ والوں کو زیاد ہموار کر لے گا اور جب ان شہروں کے لوگ رضامند ہو جائیں گے تو باقی صوبوں کو مخالفت کی جرأت نہ ہو گی۔ امیر معاویہ رض نے اس سے کہا کہ تم کوفہ جاؤ اور وہاں کے بڑے بڑے لوگوں سے مشورہ کر کے مجھے اطلاع دو۔

جب مغیرہ، کوفہ میں واپس آئے تو وہاں کے رؤسا کو بلایا اور ان سے یزید کی ولی عہدی کا ذکر کیا، وہ اس کی جانشینی پر رضامند ہو گئے۔ مغیرہ نے وہاں کے لوگوں کا ایک وفد اپنے بیٹے کے ہمراہ دمشق روانہ کیا۔ ان لوگوں نے امیر معاویہ رض سے کہا کہ ہم اس رائے کو پسند کرتے ہیں کہ یزید کو ولی عہد مقرر کیا جائے، امیر معاویہ رض نے ان کو رخصت کیا اور کہا کہ آپ لوگ

اپنی رائے پر قائم رہیں، جب مناسب وقت آئے گا تو آپ سے بیعت لی جائے گی -

اس کے بعد امیر معاویہ رض نے بصرہ کے گورنر زیاد کو لکھا کہ تم وہاں کے سرداروں سے یزید کی ولی عہدی کے بارے میں مشورہ کرو - زیاد نے عبید بن کعب کو بلایا جو وہاں کے ممتاز سرداروں میں سے تھا اور اسے امیرالمومنین کا خط دکھایا اور کہا کہ یزید ایک لا ابالی نوجوان ہے لہٰذا مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس کی جانشینی قبول کرنے میں پس و پیش کریں گے- بہتر ہے کہ اس معاملے کو ابھی ملتوی کر دیا جائے - عبید نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ میں یزید سے جا کر ملوں اور اس سے کہوں کہ تم بے شک ولی عہد ہو سکتے ہو لیکن لوگوں کو تم سے کچھ شکایات ہیں - تم اپنی اصلاح کرو - اس فہمائش کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یزید اپنی عادات درست کرے گا اور اس سے امیر معاویہ رض کا مقصد پورا ہو جائے گا -

زیاد نے اس رائے کو پسند کیا اور عبید بن کعب کو دارالخلافہ کی طرف روانہ کر دیا - عبید نے دمشق پہنچ کر یزید کو سمجھایا کہ تمھیں اپنے آپ کو منصب خلافت کے لیے تیار کرنا چاہیے -

اہل حجاز کی مخالفت

کوفہ اور بصرہ کے مقابلے میں حجاز کا مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا - وہاں حضرت حسین ؑ بن علی المرتضیٰ ؑ، عبداللہ رض بن عباس رض، عبداللہ رض بن عمر رض، عبداللہ رض بن زبیر رض اور عبدالرحمٰن رض بن ابی بکر رض جیسے معزز لوگ موجود تھے، جو بزرگ صحابہ کی اولاد سے تھے اور خود امامت و خلافت کی اہلیت رکھتے تھے - امیر معاویہ رض نے مدینہ کے حاکم مروان بن حکم کو لکھا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں

مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بعد کہیں امت میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے اس لیے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین بنا جاؤں ۔ تم یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھو اور ان کے جواب سے مجھے مطلع کرو ۔ اس پر مروان نے اہل مدینہ سے مشورہ کیا ، لیکن جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتے ہیں تو انہوں نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ امیرالمومنین کو امت کی خیر خواہی مطلوب نہیں بلکہ وہ خلافت کو اپنی میراث بنانا چاہتے ہیں اور اسے بادشاہت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں ۔

یزید کی ولی عہدی کا اعلان

امیر معاویہؓ نے اپنے عاملوں یا گورنروں کو لکھا کہ اپنے اپنے سرداروں کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان سے اپنے جانشین کے بارے میں گفتگو کروں ۔ چنانچہ اس کے گورنروں نے ایسے لوگوں کے وفد بھجوائے ، جو یزید کی ولی عہدی کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے ۔ امیر معاویہؓ نے دربار عام منعقد کیا جس میں ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوئے اور ان کے سامنے انہوں نے تقریر کرتے ہوئے یزید کی خوبیاں بیان کر کے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس کی جانشینی پر بیعت کریں ، امیر معاویہؓ کے علاوہ اور سرداروں نے بھی اس کی تائید میں تقریریں کیں ۔ امیر معاویہؓ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانے کا ارادہ کر چکے تھے ۔ یہ محض رسمی کارروائی تھی بعض لوگوں کو کچھ سن کر اور بعض کو انعام و اکرام دے کر رضامند کر لیا اور ان سب سے یزید کے حق میں بیعت لے لی اور اس کی ولی عہدی یعنی جانشینی کا اعلان کر دیا ۔ یہ واقعہ ۵٦ھ کا ہے ۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ عراق گئے ، اور وہاں کے لوگوں سے بھی یزید کے حق میں بیعت لی ۔ پھر ایک ہزار شامی سواروں کے

ساتھ حجاز کا رخ کیا اور مدینہ پہنچے ، ان کی آمد کی خبر سن کر حضرت حسین[۴] ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ، عبداللہؓ بن عمرؓ ، عبداللہؓ بن زبیرؓ اور عبدالرحمنؓ بن ابی بکرؓ مکے چلے گئے ۔ امیر معاویہؓ نے اہل مدینہ سے کہا کہ کوئی شخص یزید سے زیادہ خلافت کا مستحق نہیں ۔ بعض لوگ اس کے مخالف ہیں ، مجھے ان پر سختی کرنی پڑے گی ۔ کاش کہ یہ لوگ میری تنبیہہ کو سمجھتے ۔

پھر امیر معاویہؓ مکہ میں وارد ہوئے اور مذکورہ بالا حضرات کو بلایا اور ان کو لطف و مدارت سے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور ان سے کہا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہوں ، یزید تمھارا بھائی ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے خلیفہ کا لقب دے دو ، سلطنت کا تمام کام تمھارے ہاتھ میں رہے گا ۔ اس کے جواب میں عبداللہ ابن زبیرؓ نے کہا کہ انتخاب خلیفہ کی ہمارے سامنے تین مثالیں ہیں ۔ یا تو رسول خدا کی طرح کسی کو نامزد نہ کیجیے ، مسلمان جسے پسند کریں گے اسے منتخب کر لیں گے ، یا حضرت ابوبکرؓ کی طرح ایسے شخص کو نامزد کیجیے جس کا آپ سے کوئی تعلق نہ ہو یا حضرت عمرؓ کی طرح اس معاملہ کو چند آدمیوں کی باہمی مشاورت پر چھوڑ دیجیے ۔ اس کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ ہم کو قبول نہیں ۔

جب امیر معاویہؓ نے دیکھا کہ یہ لوگ آسانی سے بیعت نہیں کریں گے تو ان کو یہ دھمکی دے کر چھوڑ دیا کہ اگر تم نے مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا اور باہر نکل کر مسلمانوں میں اعلان کر دیا کہ ان لوگوں نے بیعت کر لی ہے ۔ اس پر عام مسلمانوں نے بیعت کر لی ، امیر معاویہؓ شام کو واپس چلے گئے ۔ ان کی واپسی کے بعد لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا ، مگر اب مخالفت بے کار تھی ۔

اسلامی خلافت کی بنیاد ، جمہور کے انتخاب پر تھی ، لیکن امیر معاویہ رض نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کر کے جمہوری خلافت کو ایک موروثی سلطنت میں تبدیل کر دیا۔ موروثی حکومت میں ایک حکمران کے بعد اس کا بیٹا ہی اس کا جانشین بنتا ہے ۔ خواہ اس میں جہاں بانی کے اوصاف موجود ہوں یا نہ ہوں ۔ امیر معاویہ رض نے اپنے خاندان کے مفاد کو پیش نظر رکھا اور اپنے بیٹے کو نامزد کر کے ایک حکمران خاندان کی بنیاد ڈال دی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی خلافت نے عملی طور پر ایک دنیاوی بادشاہت کی صورت اختیار کر لی ۔

امیر معاویہ رض کے اصول سیاست

امیر معاویہ بڑے زیرک ، معاملہ فہم اور ہوشیار سیاست دان تھے ۔ مزاج کے نرم اور بے حد حلیم الطبع تھے ۔ یہاں تک کہ ان کے مخالف بھی ان کی بردباری کا اعتراف کرتے تھے ۔ وہ اپنے مقاصد کے حصول میں پہلے پہل ہمیشہ مصالحانہ طریق اختیار کرتے تھے ۔ جب تک مجبور نہ ہو جاتے سختی سے کام نہ لیتے تھے ۔ آپ بڑے مردم شناس تھے ۔ جن لوگوں کو مفید مطلب دیکھتے ، ان کو کسی نہ کسی طریق سے اپنا ہمنوا اور طرفدار بنا لیتے تھے ۔ لوگوں کو بیت المال سے انعام و اکرام دے کر راضی کر لینا ان کی سیاست کا ایک نمایاں اصول تھا ۔ ان سے پہلے خلفا راشدین سرکاری خزانہ کو ایک امانت سمجھتے تھے اور اسے صرف قوم و ملک کی بہتری میں صرف کرتے تھے۔یہ حالات دیکھ کر اعلیٰ درجہ کے دیانتدار اور پرہیزگار لوگوں نے امور سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے آپ کو علم دین کی خدمت یا عبادت و ریاضت کے لیے وقف کر دیا ۔

امیر معاویہ رض سلطنت کے کاروبار کو پورے انہاک سے سرانجام دیتے تھے ۔ سلطنت کے نظم و نسق کے سلسلہ میں ان کے کئی کارنامے قابل ذکر ہیں ۔ ان کے عہد میں بحری فوج کو نمایاں ترقی ہوئی اور

اس کا الگ سپہ سالار مقرر ہوا ۔ جنگی بیڑے کی ضروریات کے لیے ساحلی مقامات خصوصاً مصر میں جہاز سازی کے کارخانے قائم ہوئے ۔ سلطنت کی مضبوطی کے لیے انھوں نے بہت سے نئے قلعے بنائے اور پرانے قلعوں کی مرمت کرائی ۔ خصوصاً شام کی شمالی سرحد کو جہاں رومیوں کے حملے کا ہمیشہ خطرہ رہتا تھا ، خوب مضبوط کیا ۔ قبرص اور دوسرے مقامات میں نئی فوجی چھاؤنیاں قائم کیں ، نیز افریقی مقبوضات کی حفاظت کے لیے قیروان کا جدید شہر آباد کیا گیا ، شہر کے وسط میں دارالامارۃ تیار ہوا اور اس کے اردگرد مسلمانوں کے محلے آباد ہوئے ۔ عقبہ بن نافع نے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی ۔ یہ شہر آج تک آباد ہے اور افریقہ کے مسلمان اسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔

امیر معاویہ نے اندرونی امن و امان کے لیے پولیس کے محکمہ کو بھی ترقی دی ، چنانچہ حکومت کی طرف سے مشکوک چال چلن کے لوگوں کی کڑی نگرانی ہوتی تھی ۔ ملک کا امن و امان اور سلطنت کا دوام اس بات پر موقوف تھا کہ دور دراز شہروں اور صوبوں کے حالات سے حکام باخبر رہیں ۔ اس مقصد سے امیر معاویہؓ نے خبر رسانی کا پورا پورا انتظام کیا ۔ خبر رسانی کے محکمہ کو ”برید،، کہتے تھے ۔ شاہراہوں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے اور سرکاری ہرکارے ان گھوڑوں کو منزل بہ منزل بدلتے ہوئے خلیفہ کے احکام ، عاملوں یا گورنروں کو جلد جلد پہنچاتے تھے ، اور وہاں کی خبریں خلیفہ کو پہنچاتے تھے ۔

تمام سرکاری فرامین اور احکام پر سرکاری مہر لگائی جاتی تھی اور ان کی نقلیں دفتر میں رکھی جاتی تھیں تاکہ ان میں کسی قسم کا رد و بدل نہ ہو سکے ، جس محکمہ میں مہر لگائی جاتی تھی اسے ’دیوان الخاتم‘ کہتے تھے ۔ صوبوں کے گورنر بھی اس قاعدے کی

پیروی کرتے تھے - امیر معاویہ کے عہد میں رفاہ عامہ کے بہت سے کام انجام کو پہنچے ، چنانچہ بہت سی نہریں جاری ہوئیں جن سے زمین کا بہت بڑا رقبہ سیراب ہونے لگا اور زراعت نے بڑی ترقی پائی -

امیر معاویہ نے ۷۸ سال کی عمر میں تقریباً بیس سال کی خلافت کے بعد ۶۰ھ میں وفات پائی - ان کے بعد ان کا بیٹا یزید ان کا جانشین ہوا -

۲ - یزید بن معاویہ
(٦٠ ھ تا ٦٤ھ)

یزید ، قبیلہ کلب کے سردار بحدل کی بیٹی میسون کے بطن سے تھا اور اس کی ولادت اس زمانے میں ہوئی تھی جب اس کے والد امیر معاویہ شام کے والی تھے- یزید ایک لاابالی نوجوان تھا ، جسے سلطنت کے معاملات سے بہت کم دلچسپی تھی ، وہ شکار اور شکاری کتوں کا زیادہ شائق تھا - شعر گوئی کا بھی شوق رکھتا تھا اور اپنا وقت لہو و لعب میں گزارتا تھا ، اس لیے لوگ اس کے اطوار کو پسند نہیں کرتے تھے - امیر معاویہ نے اپنی زندگی ہی میں اس کی جانشینی کے لیے لوگوں سے بیعت لے رکھی تھی - تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۴ سال کی تھی -

سانحہ کربلا - محرم ۶۱ھ

امیر معاویہ کی وفات کے وقت حضرت حسین[ؓ] بن حضرت علی[ؓ] اور عبداللہ بن زبیر مدینے میں سکونت رکھتے تھے ، یہ دونوں حضرات یزید کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے - جب مدینے کے اموی حاکم مروان نے ان سے یزید کی بیعت کرنے کے لیے کہا تو وہ مدینے سے نکل کر مکے چلے گئے - اسی زمانے میں حضرت حسین[ؓ] کو کوفہ کے بعض لوگوں کی طرف سے اس مضمون کے خطوط پہنچے

کہ ہم یزید کی حکومت سے راضی نہیں ہیں ، اگر آپ کوفہ تشریف لائیں تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور آپ کو خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں -

حضرت حسین[ؑ] نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو حالات دریافت کرنے کے لیے کوفہ روانہ کیا - وہاں ایک جماعت ان کی حمایت پر آمادہ ہوگئی ، بعد ازاں حضرت حسین[ؑ] بھی روانگی کے لیے تیار ہو گئے - حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر خیرخواہوں نے اہلِ کوفہ کی تلون مزاجی اور غداری کے پیش نظر آپ کو روکنا چاہا ، لیکن حضرت حسین[ؑ] ذوالحجہ ۶۰ھ میں اہل و عیال سمیت کوفے کی طرف روانہ ہوگئے ، جب کوفے کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہاں کے حاکم عبداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا ہے - یہ خبر سن کر آپ کے ساتھیوں نے واپسی کا مشورہ دیا ، لیکن مسلم کے بھائیوں نے انتقام کی خاطر آگے بڑھنے پر اصرار کیا ، جو لوگ راستے میں ساتھ ہو لیے تھے ، وہ لوٹ گئے ، صرف عزیزوں اور رفیقوں کی ایک قلیل جماعت ساتھ رہ گئی جو مکے سے آپ کے ہمراہ آئی تھی -

جب عبداللہ بن زیاد کو آپ کے آنے کی خبر ملی تو اس نے حر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا کہ وہ حضرت حسین[ؑ] کو گھیر کر اس کے پاس لے آئے - چنانچہ حر نے آپ کو کوفے کی طرف بڑھنے یا حجاز کی طرف واپس لوٹنے سے روکا -

اس مزاحمت پر حضرت حسین[ؑ] دریائے فرات کے کنارے کنارے شمال کی طرف چل دیے اور اپنا قافلہ کوفہ سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر کربلا کے مقام پر اتار دیا - چند دن کے بعد ابن زیاد نے چار ہزار سوار عمر بن سعد کی سرکردگی میں بھیجے اور شمر کے مشورہ سے اس بات پر اصرار کیا کہ حضرت حسین[ؑ] سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے اور انکار کی صورت میں ان کے ساتھ جنگ کی جائے ، چنانچہ

عمر بن سعد نے حضرت حسینؑ کی مختصر جماعت کے گرد گھیرا ڈال دیا اور دریائے فرات پر پانچ سو سواروں کا پہرہ بٹھا کر حضرت حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا۔ آپ کے اہل و عیال میں جن میں پردہ نشین عورتیں، کمسن اور بیمار بچے بھی تھے، پیاس کے ہاتھوں سخت تکلیف اٹھائی۔ حضرت حسینؑ نے اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، تم اپنی جانیں کیوں خطرے میں ڈالتے ہو۔ میری طرف سے اجازت ہے جو شخص چاہے چلا جائے، لیکن انھوں نے آپ کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا، بلکہ عبیداللہ بن زیاد کا فوجی کمانڈر حر بن یزید تمیمی بھی حضرت حسینؑ کو حق و صداقت پر دیکھ کر ان کے ساتھ آ ملا اور اس نے اپنی قسمت کو ان کی قسمت کے ساتھ وابستہ کر دیا۔

شہادت حضرت حسینؑ

جب حضرت حسینؑ نے دیکھا کہ دشمن ان سے جبراً یزید کی بیعت لینا چاہتے ہیں تو آپ مقابلے کے لیے تیار ہو گئے، فریقین کی تعداد میں کوئی مناسبت نہ تھی، ایک طرف ستر بہتر جانبازوں کی قلیل جماعت تھی اور دوسری طرف چار پانچ ہزار سواروں کا لشکر جرار تھا، تاہم حضرت حسینؑ کے ساتھیوں نے خوب دادِ شجاعت دی، دشمنوں کے تیروں کی بے پناہ بوچھاڑ سے حسینی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے اور باقی دست بدست لڑائی میں شہید ہوئے۔ حضرت حسینؑ کے نوجوان فرزند، ان کے بھتیجے اور دوسرے عزیز و اقارب ایک ایک کرکے ان کی آنکھوں کے سامنے خاک و خون میں تڑپے اور سرد ہو گئے۔ آخرکار حضرت حسینؑ بھی زخموں سے نڈھال ہو گئے اور دشمنوں نے نرغا کرکے انھیں بھی شہید کر ڈالا اور ان کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس کوفہ لے گئے۔ یہ المناک سانحہ **دس محرم ۶۱ھ مطابق دس اکتوبر ۶۸۱ء کو پیش آیا۔**

ابن زیاد نے آپ کے سر مبارک کو مع آپ کے اہل و عیال کے یزید کے پاس دارالخلافہ دمشق میں روانہ کر دیا ، اس ہولناک حادثے سے عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور اکثر لوگوں کے دلوں میں بنو امیہ سے نفرت اور حضرت علی[4] کی اولاد سے گہری عقیدت کے جذبات پیدا ہو گئے اور آخرکار یہی جذبات بہت حد تک بنی امیہ کے زوال کا باعث ہوئے۔

حضرت حسین[4] کی سیرت

حضرت حسین[4] ، حضرت علی[4] بن ابی طالب اور حضرت فاطمہ[4] کے فرزند تھے اور حضرت حسن[4] کے چھوٹے بھائی تھے ۔ آپ مدینہ میں ماہ شعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ نے پرورش پائی ۔ ان کے نانا یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ، حضرت حسن[4] اور حضرت حسین[4] کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور ان کی بڑی ناز برداری کرتے تھے ۔ جب حضرت حسن[4] خلافت سے دستبردار ہوگئے تو حضرت حسین[4] نے بھی مدینہ میں ان کے ہمراہ سکونت اختیار کرلی اور امیر معاویہ کے عہد حکومت میں سیاست سے الگ تھلگ رہے ۔ مگر امیر معاویہ کے بعد جب ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا تو حضرت حسین[4] نے اسے خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اہل کوفہ کے بلانے پر عراق کی طرف روانہ ہو گئے ، اور وہاں کربلا کا المناک سانحہ پیش آیا ۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی ۔

حضرت حسین[4] بڑے حلیم الطبع ، پرہیزگار اور عالی حوصلہ بزرگ تھے ۔ آپ نے یزید کے استبداد کا مقابلہ کرنے میں جس حق پرستی کا ثبوت دیا اور بلند اصول کی خاطر میدان کربلا میں بے رحم دشمنوں کے مقابلے میں استقلال اور شجاعت کا جو نمونہ پیش کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے ۔

مدینہ پر حملہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اہل حجاز نے یزید کی حکومت کو خوشی سے قبول نہیں کیا تھا۔ جب انھیں حضرت حسین[ع] کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ یزید کی حکومت سے اور بھی بیزار ہو گئے، چنانچہ اہلِ مدینہ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک انصاری کو اپنا امیر مقرر کر کے بنی امیہ کو شہر سے نکال دیا۔ جب یزید کو ان کی مخالفت کا علم ہوا تو اس نے ان کو دبانے کے لیے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوج دے کر حجاز روانہ کیا۔ مسلم نے مدینے پہنچ کر وہاں کے رئیسوں کو بلایا اور ان کو یزید کی اطاعت اختیار کرنے کے لیے کہا، لیکن اہل مدینہ نے اس کی بات کی پروا نہ کی اور مخالفت پر اڑے رہے۔

شامی فوج نے آخر کار مدینے پر حملہ کردیا اور شہر کے باہر 'حرہ' کے میدان میں اموی فوج اور اہلِ مدینہ کے درمیان تین دن تک خون ریز جنگ ہوتی رہی، جس میں بہت سے اشرافِ مدینہ کام آئے۔ مدینے والوں نے شکست کھائی اور شامی فوج نے شہر میں داخل ہو کر باشندوں کا قتلِ عام کیا اور تین دن تک لوٹ مار کی اور ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھا۔ جب قدرے امن ہوا تو لوگوں نے مجبوراً یزید کی بیعت کر لی اور اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ یہ واقعہ ذوالحجہ ۶۳ھ کا ہے۔

مکہ کا محاصرہ

حضرت عبداللہ بن زبیر نے ابتدا ہی سے یزید کی جانشینی کی مخالفت کی تھی، چنانچہ انھوں نے امیر معاویہ کی وفات کے بعد اہل مکہ کو یزید کے خلاف ابھارا۔ حضرت عبداللہ صحابی تھے اور زبیر بن العوام جیسے جلیل القدر صحابی کے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ حضرت اسماء، حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں۔ آپ بڑے

دیندار ، حق پرست اور دلیر آدمی تھے۔ الغرض آپ کی ذات میں کئی ایسی صفات تھیں جن کی وجہ سے اہلِ مکہ آپ کی طرف مائل ہو گئے اور آپ نے ان سے بیعت لے کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا ۔

جب یزید کے سپہ سالار مسلم بن عقبہ مری نے دیکھا کہ ابن زبیر نے مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا ہے تو اس نے ان کے مقابلے کے لیے مکہ کا رخ کیا ۔ راستہ میں مسلم نے وفات پائی اور حصین بن نمیر اس کا قائم مقام ہوا ۔ ابن زبیر نے مکہ کے باہر شامی فوج کا مقابلہ کیا ، لیکن شکست کھائی اور مکے میں واپس آ گئے ۔ شامیوں نے مکے کا محاصرہ کر لیا اور سنگ باری کی ، جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا ۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ یزید نے دمشق میں وفات پائی ، اس پر لڑائی بند ہو گئی اور اموی فوج شام واپس چلی گئی ۔

یزید بن معاویہ نے ربیع الاول ۶۴ھ (۶۸۳ء) میں انتقال کیا ۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۳۸ سال کی تھی اور مدت حکومت تین سال نو ماہ ۔

۳ - معاویہ ثانی
(۶۴ھ)

یزید کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا ، اس وقت اس کی عمر اکیس سال تھی ، مگر وہ بیمار اور کمزور تھا ، اور اس میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہ تھی ، اس لیے وہ تین ماہ کی حکومت کے بعد تخت سے دستبردار ہو گیا اور چند مہینوں کے بعد اس دنیا سے چل بسا ۔

۴ - مروان بن حکم
(۶۴ھ)

معاویہ بن یزید کی موت کے بعد بنو امیہ کی حالت ابتر ہو گئی ، کیونکہ ان کے درمیان کوئی ایسا ممتاز اور قابل شخص نظر

نہیں آتا تھا ، جو خاندان کا رہنما بن کر حکومت سنبھال سکے۔ اہلِ حجاز نے اس اثنا میں عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور مسلم سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھی ان کا اثر و رسوخ بڑھ رہا تھا۔ شام کے جن عربی قبیلوں پر اموی حکومت کا دارومدار تھا ، ان میں بھی اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ اموی خاندان کے بعض افراد معاویہ ثانی کے بھائی خالد بن یزید کے حق میں تھے ، چونکہ وہ نو عمر تھا اس لیے اکثر بنی امیہ نے اس کو خلیفہ بنانے سے انکار کر دیا۔ بنو امیہ ، جابیہ کے مقام پر جمع ہوئے اور غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ مروان بن حکم سب سے زیادہ معمر اور تجربہ کار ہے اس لیے خلافت کا سب سے زیادہ حق دار ہے ، لہٰذا انہوں نے ذوالقعدہ ۶۴ھ میں مروان بن حکم کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور خالد بن یزید اس کا ولی عہد مقرر ہوا۔ مروان کے انتخاب سے بنو امیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی اور بنو امیہ کے تمام طرفدار دوبارہ ایک مرکز پر جمع ہوگئے۔

عربوں کی خانہ جنگی

مروان کے انتخاب سے تمام بنی امیہ ایک مرکز پر جمع ہوگئے لیکن اس کے عہد میں عربی قبائل کے درمیان مرج راہط میں ایک ہولناک جنگ ہوئی جسے ہم عربوں کی دوسری خانہ جنگی کہہ سکتے ہیں۔

اسلامی عہد میں عربوں کی سب سے پہلی خانہ جنگی وہ ہے جو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد برپا ہوئی۔ اس خانہ جنگی میں مسلمانوں نے جنگ جمل کے موقعہ پر سب سے پہلی مرتبہ ایک دوسرے پر تلوار اٹھائی۔ پھر صفین کے میدان میں کئی ماہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور ایک دوسرے کے ہاتھ سے فریقین کے اتنے آدمی مارے گئے جتنے ایران اور بلادِ روم کی فتوحات میں بھی کام نہیں آئے تھے۔

عربوں کی دوسری خانہ جنگی وہ ہے جو یزید اور معاویہ ثانی کی وفات کے بعد مروان بن حکم کے عہد میں برپا ہوئی ۔ یہ جنگ یمنی اور مضری قبیلوں کے درمیان ہوئی اس کا سبب یہ ہوا کہ بعض عرب قبیلے بنی امیہ کے حق میں تھے اور بعض ان کے مخالف ، مخالف قبیلے ابن زبیر کے حامی تھے ، جنھوں نے حجاز میں اپنی خلافت کا اعلان کر رکھا تھا ۔ اس عہد کی سیاسی تاریخ کو بخوبی سمجھنے کے لیے قبائل عرب کے باہمی تعلقات کا سمجھنا ضروری ہے ، جنھوں نے اس دور کی سیاست میں حصہ لیا ۔

نسل کے لحاظ سے عربی قبیلے قدیم زمانے سے دو بڑے گروہوں میں منقسم چلے آ رہے تھے یعنی اسماعیلی اور قحطانی ، یہ تقسیم نسبی اختلاف پر مبنی تھی ۔ اسماعیلی قبیلے بیشتر جزیرہ عرب کے وسطی اور شمالی عرب میں آباد تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم[ع] کے بیٹے حضرت اسماعیل[ع] کی اولاد سمجھتے تھے ، یہ قبیلے اپنے اجداد کے نام پر عدنانی ، معدی اور مضری بھی کہلاتے تھے، ان کی بہت سی چھوٹی بڑی شاخیں تھیں ، مثلاً ربیعہ ، قیس ، بکر اور قریش وغیرہ ۔ ان کے برعکس قحطانی قبیلوں کا اصلی وطن یمن تھا اس لیے یہ قبیلے یمنی کہلاتے تھے ۔ ان کی بہت سی شاخیں تھیں ۔ مثلاً حمیر ، کہلان ، آزد وغیرہ ۔ قدیم زمانے میں ان کی بڑی بڑی سلطنتیں تھیں ۔ جب یہ سلطنتیں زوال پذیر ہوئیں تو اکثر قبیلوں نے شمال کی راہ لی اور بہت سے مضری قبیلوں کو ان کے علاقوں سے خارج کر کے ان کی جگہ لے لی ۔ تاہم ظہور اسلام کے وقت یمنی قبیلے ، مضری قبائل کے دوش بدوش آباد نظر آتے ہیں ۔ لیکن ان قبیلوں کی یہ باہمی کشمکش ختم نہ ہو سکی ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبول اسلام کے بعد بھی ان میں باہمی عناد اور دشمنی قائم رہی ۔

مرج راہط کا معرکہ

یزید بن معاویہ کی ماں میسون اور اس کی بیوی دونوں

یمنی قبیلہ، کلب سے تھیں - لہٰذا کلب کا قبیلہ اموی خاندان کا حامی تھا - کلب کا مرکز تدمر تھا اور ان کے سردار بحدل کا دمشق کے دربار میں بڑا اثر و رسوخ تھا - کلب کو سلطنت کے کاروبار میں جو دخل حاصل تھا اس پر ان کا حریف قبیلہ قیس بہت حسد کرتا تھا - قیس کا قبیلہ جس کا تعلق مضری قبائل سے تھا ، شمالی شام میں اور الجزیرہ میں فرات کے دونوں جانب آباد تھا - قنسرین اور حران ان کے علاقے کے بڑے بڑے شہر تھے اور ان کے علاقے میں ابن بحدل کا بھائی سعید حاکم تھا - یہ امر قیس کو بہت ناگوار تھا کہ ان کے خاص علاقے میں ایک کلبی برسر حکومت ہو - اس کے علاوہ قیس کی قدیمی سکونت کے مقابلے میں قبیلہ کلب کے لوگ شام میں نووارد تھے - الغرض قیس اور دوسرے مضری قبیلے اس بات کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ کلب نے بنو امیہ کے ساتھ رشتہ ناطہ کر کے اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا ہے اور میدان سیاست میں ان پر سبقت لے گئے ہیں ، لہٰذا وہ اموی حکمرانوں کے مخالف بن گئے اور جب معاویہ ثانی کی دست برداری سے دمشق کا تخت خالی ہو گیا تو قیس نے سعید کلبی کو اپنے علاقے سے نکال دیا اور ان کے سردار ضحاک نے دمشق پر قبضہ کر لیا اور جب اہلِ حجاز اور دوسرے صوبوں نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ضحاک اور دیگر مضری سردار بھی ابن زبیر کی خلافت تسلیم کر کے ان کے حامی بن گئے -

جب جابیہ کے مقام پر بنو امیہ اور ان کے حامیوں نے مروان بن حکم کو اپنا خلیفہ منتخب کیا تو اس وقت ضحاک اپنے حلیفوں کے ساتھ دمشق کے نزدیک مرج راہط میں مقیم تھا - چونکہ اس نے ابن زبیر کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا ، اس لیے مروان بن حکم کلب ، سکاسک اور غسان کے قبیلوں کو لے کر ضحاک کے مقابلے کے لیے بڑھا - بیس روز تک فریقین کے درمیان بڑی

خون ریز جنگ ہوتی رہی ۔ آخر قبیلہ قیس اور اس کے حلیفوں نے شکست کھائی اور ضحاک اور اس کے بہت سے طرفدار مارے گئے اور مرج راہط کے معرکے سے شام اور فلسطین ، بنو امیہ کے مخالفین سے خالی ہو گئے اور وہاں بنو امیہ کی حکومت دوبارہ قائم ہو گئی ۔

شام پر قبضہ کرنے کے بعد مروان نے مصر پر چڑھائی کی ، اہل مصر نے اس کی خلافت تسلیم کر لی اور اس طرح مصر کا ملک کشت و خون کے بغیر مروان کے قبضہ میں آ گیا ۔

جب مروان نے دیکھا کہ اس کی حکومت مضبوط ہو گئی ہے ، تو اس نے خالد بن یزید کی ولی عہدی منسوخ کرکے اپنے بیٹے عبدالملک کو اپنا جانشین نامزد کر دیا ۔

توابین

توابین ، شیعان علی کی ایک جماعت تھی جس نے مروان بن حکم کے عہد میں حضرت حسین[۴] کے خون کا بدلہ لینے کے لیے کوفے میں خروج کیا ، ان کا سر کردہ لیڈر سلیمان بن صرد تھا ۔ یزید بن معاویہ کے زمانے میں حضرت حسین[۴] کوفے کے قریب پہنچے تھے تو یہ لوگ ان کی کماحقہ امداد کرنے سے قاصر رہے تھے ۔ ان کی شہادت کے بعد ان کو اپنی کوتاہی پر سخت ندامت ہوئی اور اپنے قصور سے تائب ہوکر اپنا نام توابین رکھا اور قاتلین حضرت حسین[۴] سے انتقام لینے کو اپنے گناہ کا کفارہ قرار دیا ۔ مروان کے زمانے میں یہ لوگ کوفے سے نکلے اور کربلا پہنچ کر حضرت حسین[۴] کے مشہد پر بہت گریہ زاری کی ۔

عبداللہ ابن زیاد ان دنوں الجزیرہ میں تھا ، جب اسے توابین کے خروج کی خبر ملی تو اس نے کئی ہزار کا لشکر ان کے مقابلے میں بھیجا ، فریقین سے سخت جنگ ہوئی جس میں سلیمان بن صرد اور ان کے بہت سے ساتھی مارے گئے ، جو لوگ بچے وہ کوفہ بھاگ

آئے - رمضان ۶۵ھ میں مروان بن حکم نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی - اس نے صرف نو ماہ حکومت کی -

۵ - عبدالملک (۶۶ھ تا ۸۶ھ)

مروان کے بعد اس کا بڑا بیٹا عبدالملک ۶۵ھ میں دمشق میں تخت نشین ہوا تھا، عبدالملک ۲۶ھ میں مدینے میں پیدا ہوا تھا - جب بڑا ہوا تو اس نے یہاں کے اربابِ علم سے استفادہ کیا اور اس کا شمار علما میں ہونے لگا - تخت نشینی کے وقت اس کی عمر چالیس سال کی تھی - وہ ایک مدبر، صاحب ہمت اور مستقل مزاج شخص تھا - جب اس نے تخت حکومت پر قدم رکھا تو بنی امیہ ایک پر آشوب دور سے گزر رہے تھے - ان کی حکومت صرف شام اور مصر تک محدود تھی - حجاز میں ابن زبیر نے اپنی علیٰحدہ خلافت قائم کر رکھی تھی اور اکثر مسلم ملکوں نے ان کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا تھا - ان کے علاوہ اور جماعتیں بھی بنو امیہ کی مخالفت پر کمر بستہ تھیں، مثلاً عراق میں شیعان علی یعنی حضرت علیؓ کے طرفداروں کا زور تھا - خارجی بھی ان کے خلاف تھے، لیکن عبدالملک نے ہمت کے ساتھ ان تمام مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا اور ان کو یکے بعد دیگرے زیر کر کے اموی حکومت کو از سر نو قائم کیا -

عبدالملک نے بیس سال تک حکومت کی - ہم اس کے عہد حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں - اس نے پہلے دس سال اپنے مخالفین کو نیچا دکھانے میں صرف کیے اور آخری دس سال سلطنت کو مضبوط بنانے میں گزارے - اس کے سب سے زبر دست حریف عبداللہ بن زبیر تھے جنھوں نے امویوں کے مقابلے میں حجاز پر نو سال تک حکومت کی، چونکہ اکثر مسلمانوں نے ان کو اپنے وقت کا جائز خلیفہ تسلیم کر لیا ہے اس لیے ان کے حالات لکھے جاتے ہیں -

٦ ۔ عبداللہ بن زبیر (۶۴ھ تا ۷۳ھ)

آپ مشہور صحابی حضرت زبیر ابن العوام کے بیٹے تھے اور ان کی والدہ حضرت اسماء ، حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی تھیں ۔ آپ بڑے پرہیزگار اور حق پرست تھے ۔ یزید کی موت کے بعد جب اموی خاندان میں کوئی ایسا صاحب ہمت شخص باقی نہ رہا جو حکومت کو سنبھال سکے تو اہلِ حجاز نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ بصرہ اور کوفہ کے لوگوں نے بھی اپنے وفد بھیج کر ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا ۔ اسی طرح اہلِ مصر نے بھی ان کی اطاعت اختیار کر لی ، چنانچہ شام کے سوا تمام عالم اسلام ان کی خلافت پر متفق ہوگیا ۔ شام میں بھی بعض لوگ ان کے حق میں تھے ۔ اگر وہ فوراً شام پہنچ جاتے تو غالباً سارا ملک بنو امیہ کے حامیوں سے پاک ہو جاتا اور اموی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ، مگر ابن زبیر حجاز ہی میں رہے ۔ انھوں نے دوسری غلطی یہ کی کہ مروان اور بنو امیہ کے دوسرے لوگوں کو مدینہ سے نکال دیا ۔ یہ لوگ شام میں پہنچ کر اپنے حامیوں سے جا ملے ۔ بنو امیہ ، مروان کو اپنا سرکردہ منتخب کرکے اس کے گرد جمع ہو گئے اور اپنے مخالفوں سے مقابلے کے لیے دوبارہ تیار ہو گئے ۔

ابن زبیر کو عراق میں مختار ثقفی سے جنگ کرنی پڑی ۔ مسلم تاریخ میں مختار کی شخصیت اس لحاظ سے خاصی اہم ہے کہ اس کے ہاتھوں بہت سے لوگ جنھوں نے حضرت حسین[ؓ] کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا ، اپنے کیفر کردار کو پہنچے ۔

مختار بن ابی عبید ثقفی

توابین کی شکست اور ناکامی کے بعد ۶۶ھ میں کوفہ میں ایک شخص مختار بن ابی عبید جو طائف کے قبیلہ ثقیف سے تھا حضرت حسین کے خون کے انتقام کے دعویٰ سے اٹھا ۔ اس نے

مشہور کیا کہ مجھے حضرت علیؑ کے بیٹے محمد بن حنیفہ نے اس کام پر مامور کیا ہے - وہ دراصل اپنی ذاتی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے آل رسول کی حمایت کی آڑ میں اپنے پیروؤں کی ایک بڑی جماعت پیدا کر لی جس میں اکثریت عراق کے عجمیوں کی تھی -

اس زمانے میں کوفہ والوں نے ابن زبیر کی خلافت تسلیم کر رکھی تھی - مختار نے سب سے پہلے کوفے کے والی کو وہاں سے نکال دیا اور خود شہر پر قبضہ کر لیا ، پھر وہاں کے لوگوں سے اس بات کا عہد لیا کہ وہ حضرت حسینؑ کے قاتلوں سے بدلہ لیں گے- بعد ازاں تمام عراق اس کے قبضہ میں آ گیا - کوفہ کے جن لوگوں نے حضرت حسین کے خلاف فوج کشی میں حصہ لیا تھا ، مختار نے ان کو چن چن کر قتل کر دیا - اس طرح عمر بن سعد ، شمر اور دیگر کئی سو آدمی اپنے کیفر کردار کو پہنچے ، پھر اس نے ابن اشتر کو عبداللہ بن زیاد کے مقابلہ میں بھیجا جو ایک لشکر لے کر عراق کی طرف بڑھ رہا تھا - ۶۷ھ کے آغاز میں دریائے زاب کے کنارے دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی ، ابن زیاد کی فوج نے شکست کھائی اور وہ مارا گیا - لوگ اس کا سر کاٹ کر لائے اور مختار کے سامنے اسی دارالامارۃ میں ڈال دیا ، جہاں اس نے چھے سال پیشتر حضرت حسین کے سر مبارک کی بے ادبی کی تھی -

جب عبداللہ بن زبیر نے دیکھا کہ مختار بہت زور پکڑ گیا ہے تو اس نے اپنے بھائی مصعب کو بصرے سے اس کے مقابلے کے لیے بھیجا - مصعب نے مختار کی فوج کو شکست دی اور کوفے میں داخل ہو کر اسے قتل کر ڈالا - اس طرح سے عراق میں ابن زبیر کی حکومت دوبارہ قائم ہو گئی -

خوارج

عبداللہ بن زبیر کو مختار کے علاوہ خارجیوں سے بھی لڑنا پڑا ، ان کی ابتدا حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کے باہمی اختلاف کے

زمانے میں ہوئی تھی ۔ یہ لوگ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کے خلاف تھے ، چنانچہ انھوں نے امیر معاویہ اور ان کے بیٹے یزید دونوں کے عہد میں بغاوت کی ۔ خوارج نے ابن زبیر کے خلاف بھی عراق میں بڑی شورش اٹھائی ، جب بصرہ خطرہ میں پڑگیا تو ابن زبیر نے ایک تجربہ کار اور لائق سپہ سالار مہلبؒ بن ابی صفرہ کو خارجیوں کے مقابلے میں بھیجا ۔ مہلب نے خارجیوں کو شکست دی اور ان کو فارس کی طرف ہٹا دیا ، مگر ان کی پوری طرح سے بیخ کنی نہ کر سکا ۔ خارجی بڑے نڈر ، بہادر اور جانباز تھے ، جب شکست کھاتے تو عارضی طور پر دب جاتے ، مگر مناسب موقع پاتے ہی پھر اٹھ کھڑے ہوتے ۔ غرض انھوں نے ایران کے مختلف صوبوں میں کئی سال تک شورش برپا رکھی ۔ لوگوں پر بڑے مظالم ڈھائے ، عورتوں اور بچوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا جب عبدالملک نے ابن زبیر کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو خارجیوں کی مخالفت کا رخ عبدالملک کی طرف پھر گیا ۔

عراق پر عبدالملک کی فوج کشی

جب عبدالملک نے دیکھا کہ شام اور مصر میں اس کی حکومت خوب مضبوط ہو گئی ہے تو اس نے قیصر روم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا اور پھر ۷۱ھ میں اپنے حریف عبداللہ بن زبیر کے خلاف علم اٹھایا ، جس نے حجاز میں اپنی الگ خلافت قائم کر رکھی تھی ۔ اس وقت ابن زبیر کا بھائی مصعب ، عراق کا والی تھا ۔ عبدالملک نے اس کے خلاف عراق پر چڑھائی کر دی اور جو لوگ مصعب کی حکومت سے بد دل تھے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا ، مصعب بھی اپنے دست راست ابن اشتر کو ساتھ لے کر مقابلے کے لیے نکلا اور بڑی بہادری سے لڑا مگر آخر کار مارا گیا ۔ عبدالملک کوفے میں فاتحانہ داخل ہوا اور عراق والوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی خلافت کو تسلیم کر لیا ۔

مکہ کا محاصرہ

مصعب کے قتل ہونے اور عراق کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ابن زبیر کی حکومت کمزور پڑ گئی ، مگر وہ مکہ میں اپنے منصب خلافت پر بدستور قائم رہے ، اس لیے عبدالملک نے ۷۲ھ میں ان کے مقابلے میں اپنے ایک افسر حجاج بن یوسف کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی ۔ جب حجاج ، مکہ کے قریب پہنچا تو اس نے ابن زبیر کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ ہتھیار ڈال دیں تو عبدالملک کی طرف سے آپ کو امان حاصل ہے ، لیکن ابن زبیر نے اس تجویز کو رد کر دیا ۔ اس پر حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر لیا اور شہر پر سنگ باری شروع کر دی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا ، اس کے علاوہ اس نے مکہ کے تمام راستے بند کر دیے ، جب محاصرہ نے طول کھینچا اور شہر میں سامانِ خوراک ختم ہو گیا تو مکے میں قحط پڑ گیا ، اس پر بہت سے لوگ تنگ آکر حجاج کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور عبداللہ بن زبیر کے ساتھ صرف چند آدمی باقی رہ گئے ۔

حضرت اسماء کا مشورہ

جب عبداللہ بن زبیر نے دیکھا کہ ان کے اکثر طرفداروں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے ، تو وہ اپنی والدہ حضرت اسماء کے کے پاس مشورہ طلب کرنے کے لیے گئے اور ان سے کہا کہ ”دشمن میرے ساتھ رعایت کرنے کے لیے تیار ہے ، بشرطیکہ میں ان کی اطاعت اختیار کر لوں“ حضرت اسماء نے ان کا حوصلہ بڑھایا اور جواب دیا کہ ”اے بیٹا ! اگر تو سچائی پر ہے اور آج تک سچائی ہی کے لیے لڑتا رہا ہے ، تو اب بھی اسی سچائی کے لیے لڑو جس کی خاطر تمھارے ساتھیوں نے گردنیں کٹوائی ہیں ، لیکن اگر تو دنیا کی خاطر لڑتا رہا ہے تو تو نے بہت برا کیا ، خود بھی ہلاک ہوا اور اپنے دوستوں کو بھی ہلاک کیا ۔ زندگی چند روز ہے سچائی

کے لیے جان دینا بنو امیہ کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔" یہ حوصلہ افزا جواب سن کر عبداللہ بن زبیر سیدھے میدانِ جنگ میں پہنچے اور دشمنوں پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ یہ واقع جمادی الآخر ۷۳ھ (۶۹۲ء) کا ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۲ سال کی تھی اور ان کی خلافت کے نو سال گزر چکے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد تمام مسلم ممالک نے عبدالملک کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔

ابن زبیر کی سیرت

حضرت عبداللہؓ، رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے مشہور اور ممتاز صحابی حضرت زبیر بن العوام کے بیٹے تھے۔ کفار مکہ نے مشہور کر دیا کہ مدینہ میں مہاجرین کے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوگی، مگر ہجرت کے بعد عبداللہ بن زبیر پہلے مسلمان لڑکے تھے جو مہاجرین کے ہاں ۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش پر بہت خوشی منائی گئی۔ وہ بڑے پرہیزگار، جرأت مند اور بہادر تھے۔ یہ ان کی ذاتی شجاعت اور حق پسندی کا نتیجہ تھا کہ جب امیر معاویہ نے لوگوں سے اپنے بیٹے یزید کے حق میں بیعت لی تو ابن زبیر پر ان کا جادو نہ چل سکا، اور وہ کسی طرح یزید کی جانشینی پر راضی نہ ہوئے اور یزید کے تخت نشین ہونے کے بعد بھی اس کی حکومت کو تسلیم نہ کیا۔ یزید کی وفات کے بعد اگر ابن زبیر حجاز سے نکل کر اپنی خلافت کے استحکام کے لیے دوڑ دھوپ کرتے تو اپنے حریفوں کے مقابلے میں غالباً کامیاب رہتے لیکن انھوں نے حرم مکہ کو چھوڑنا گوارا نہ کیا اور وہ تدابیر اختیار نہ کیں جو سیاست کے میدان میں ان کو کامیاب بنا سکتی تھیں۔ عام لوگ امیر معاویہ کی داد و دہش کے عادی ہو چکے تھے لیکن ابن زبیرؓ لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے بیت المال سے انعام و اکرام دینا جائز نہیں سمجھتے تھے، اس لیے وہ جانثار اور

طرف داروں کی کوئی کثیر جماعت پیدا نہ کر سکے اور آخر کار نو سال کی حکومت کے بعد اپنے حریفوں کے ہاتھوں سے مغلوب ہو گئے -

حجاج بن یوسف ثقفی

خلیفہ عبدالملک کے صوبے داروں اور سپہ سالاروں میں سے جس شخص نے سب سے زیادہ ناموری حاصل کی ، وہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے اور عبدالملک کی کامیابی زیادہ تر اسی کی تدبیر اور طریق سیاست کی رہین منت ہے - وہ عبدالملک کا مشیر خاص اور دست راست تھا اس نے عراق پر ایک والی یعنی گورنر کی حیثیت سے بیس سال تک حکومت کی -

عراق کے اہم شہر یعنی بصرہ اور کوفہ ایک مدت سے بنی امیہ کی مخالفت کے مرکز چلے آ رہے تھے اور وہاں کے لوگ بنی امیہ اور ان کے عاملوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - حجاج نے اموی خاندان کی جو سب سے بڑی خدمت سرانجام دی وہ یہ تھی کہ اس نے اہل عراق کو اپنا مطیع بنایا ، اہلِ عراق ایک مدت سے سرکشی اور شورش پسندی کے عادی چلے آ رہے تھے ، اس لیے ان کو مطیع اور پر امن بنانے کے لیے حجاج کو انتہائی سختی سے کام لینا پڑا - اس نے ہزاروں باغیوں کو قتل کیا اور بے شمار شورش پسندوں کو قید کیا ، اس سختی سے عراق میں اموی حکومت قائم ہو گئی ، لیکن حجاج اپنی سخت گیری کی وجہ سے بہت بدنام ہو گیا اور اس کی خوں ریزی اور سفاکی عربوں کے ہاں ضرب المثل بن گئی -

حجاج کے ابتدائی حالات

حجاج بن یوسف شہر طائف کے مشہور قبیلہ ثقیف سے تھا ، اسی لیے وہ ثقفی کہلاتا ہے - وہ ۴۱ھ کے قریب طائف میں پیدا ہوا

ابتدا میں کسی مدرسہ میں معلم تھا ، لیکن بعد ازاں ترقی کرتے کرتے اموی خاندان کا سب سے زبردست سیاست دان بن گیا - جس زمانے میں عبدالملک عراق کی تسخیر میں مصروف تھا ، حجاج اس کی ملازمت میں داخل ہوا - خلیفہ نے سب سے پہلی اہم خدمت اس کے سپرد یہ کی کہ وہ عبداللہ بن زبیر کو زیر کرے ، جنھوں نے حجاز میں اپنی الگ مسند خلافت بچھا رکھی تھی - جب حجاج ، ابن زبیر کو شہید کر چکا تو عبدالملک نے اسے حجاز کا والی بنا دیا اور دو سال کے بعد اسے عراق کی طرف منتقل کر دیا ، جہاں ایک زبردست حاکم کی ضرورت تھی -

حجاج بطور والیٔ عراق

اس زمانے میں خارجیوں کے ساتھ فارس میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور اموی فوجیں مہلب کی سر کردگی میں ان کے ساتھ برسر پیکار تھیں - لیکن اس میں یہ مشکل آ پڑی تھی کہ بصرہ اور کوفہ کے جو فوجی خدمت پر مامور تھے وہ میدان جنگ چھوڑ کر گھروں کو واپس آ رہے تھے ، لہذا مہلب نے خلیفہ عبدالملک کو لکھا کہ مجھے جلد کمک بھیجی جائے یا اس مہم سے دست بردار کیا جائے خلیفہ نے سوچا کہ ایسے نازک موقع پر عراق کے لیے ایک سخت گیر حاکم کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لیے حجاج سے بہتر کوئی شخص نہیں ہو سکتا ، چنانچہ اس نے حجاج کو عراق کا گورنر مقرر کر دیا - جب حجاج ، کوفہ پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرائی کہ تمام لوگ جامع مسجد میں جمع ہوں - کوفہ والوں کو حجاج کے تقرر کا علم نہ تھا اور نہ ہی وہ اسے پہچانتے تھے ، انھوں نے پہلے تو اس سے بھی گستاخی کا ارادہ کیا ، لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ حجاج ، منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی دہشت سے ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ، حجاج نے ان کو بہت ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ امیرالمومنین نے حکم دیا ہے کہ تمھاری

تنخواہیں تقسیم کر دی جائیں اور تم لوگ مہلب کے پاس خوارج کے مقابلے میں پہنچ جاؤ، تنخواہ کی تقسیم کے چوتھے روز اگر کوئی شخص کوفہ میں نظر آیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ میں جو کچھ زبان سے کہتا ہوں اُسے پورا کرکے چھوڑتا ہوں۔

اس دہشت انگیز تقریر نے اہل کوفہ کو خائف کر دیا، انھوں نے اپنا سامان درست کیا اور مہلب کے پاس روانہ ہوگئے۔ اس کے بعد حجاج بصرہ میں آیا اور یہاں بھی ویسی ہی لرزہ خیز تقریر کی۔ کوفہ اور بصرہ دونوں فوجی چھاؤنیاں تھیں اور یہاں کے عرب لوگ فوجی خدمت کے عوض سرکاری خزانے سے تنخواہیں پاتے تھے۔ جب کوفہ اور بصرہ میں امن قائم ہوگیا اور وہاں کے لوگ اموی حکومت کے مطیع ہوگئے تو حجاج، مہلب کی امداد کے لیے عراقیوں کی آزمودہ کار فوج روانہ کرتا رہا۔ مہلب خارجیوں کے ساتھ برسرِ پیکار رہا اور آخر کار ان کو مغلوب کرنے میں کامیاب رہا۔

ابن اشعث کی بغاوت

حجاج کے زمانے میں عربوں نے سیستان اور افغانستان کے علاقوں پر کئی بار پیش قدمی کی اور وہاں کے بادشاہ زنبیل کے ساتھ جنگ کی، مگر ہر بار زک اٹھائی، حجاج نے آخر کار اپنے ایک تجربہ کار سپہ سالار عبدالرحمٰن بن اشعث کو اس مہم پر مقرر کیا ابن اشعث نے بڑی احتیاط کے ساتھ پیش قدمی کی، جس شہر یا علاقے کو فتح کرتا اس کا پورا بندوبست کرکے آگے بڑھتا۔ جب بہت سے مقامات فتح کر چکا تو اس نے فیصلہ کیا کہ آیندہ سال تازہ دم ہو کر آگے بڑھیں گے۔

حجاج نے اس کو لکھا کہ یہ فیصلہ تمھاری کمزوری اور سستی پر دلالت کرتا ہے تم کو چاہیے کہ زنبیل کے قلعوں کو فتح کرکے مسمار کر دو اور اس کے ملک پر قبضہ کر لو، ورنہ فوج کی کمان

چھوڑ دو ۔ جب ابن اشعث کے پاس یہ فرمان پہنچا تو اس نے اپنی فوج کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے لشکر کشی اس سال اس خیال سے ملتوی کر دی تھی کہ تم تازہ دم ہو جاؤ لیکن حجاج چاہتا ہے کہ سیستان کو فوراً تسخیر کیا جائے ۔ اگر ہم نے جلد بازی کی تو ہمارا بھی وہی انجام ہوگا جو پہلے لشکروں کا ہو چکا ہے ۔ فوج والے حجاج کی سختیوں سے پہلے ہی تنگ آ چکے تھے انھوں نے ابن اشعث کو اپنا امیر تسلیم کر کے حجاج کے خلاف بغاوت کر دی ۔ یہ واقعہ ۸۰ھ کا ہے ۔

ابن اشعث نے زنبیل کے ساتھ صلح کر لی اور حجاج کے مقابلہ کے لیے عراق کی طرف روانہ ہوگیا ۔ خلیفہ عبدالملک کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے حجاج کی امداد کے لیے شام سے فوج روانہ کی ۔ حجاج ، ابن اشعث کو روکنے کے لیے نکلا ، مگر اس نے شکست کھائی اور بھاگ کر بصرہ میں پناہ لی ۔ لیکن جب ابن اشعث ، حجاج کے تعاقب میں بصرہ پہنچا تو حجاج بصرہ چھوڑنے پر مجبور ہوگیا ۔ آخرکار شامی فوج نے ابن اشعث کو شکست دی اور وہ سیستان کی طرف پسپا ہو کر زنبیل کے پاس جا پہنچا ۔ زنبیل نے حجاج کی دھمکیوں سے خوف کھا کر ابن اشعث کو گرفتار کر کے عراق کی طرف روانہ کر دیا ، لیکن جواں مرد راستہ میں ہی خود کشی کر کے حجاج کی داروگیر سے رہا ہو گیا ۔

ابن اشعث کی بغاوت ایک شخصِ واحد کی بغاوت نہ تھی ، بلکہ وہ دراصل اہلِ عراق کی جنگ آزادی تھی ، مگر اس کے باوجود وہ بنی امیہ کا جوا اتارنے میں ناکام رہے ۔ یہ خانہ جنگی کئی سال تک جاری رہی جس میں اہلِ عراق کا بہت سا جانی اور مالی نقصان ہوا ۔

واسط کا آباد ہونا

بصرہ اور کوفہ والوں کی مسلسل سرکشی سے تنگ آ کر حجاج

نے ۸۳ھ میں شامی فوجوں کے لیے ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام واسط رکھا ۔ کیونکہ یہ مقام کوفہ اور بصرہ کے درمیان واقع تھا اور اموی حکومت کا دار و مدار شامی فوجوں پر تھا ، اس لیے حجاج نے بھی وہیں اقامت اختیار کی ۔ یہ شہر مدت تک ایک بھاری چھاؤنی کی حیثیت سے قائم رہا ۔

خلیفہ عبدالملک کی وفات (۸٦ھ) کے بعد اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا ۔ وہ حجاج کا احترام کرتا رہا اور اس سے مشورے لیتا رہا ۔

حجاج کی سیرت

حجاج ابن یوسف نے عراق کے ملک پر بیس سال تک حکومت کرنے کے بعد ۹۵ھ میں وفات پائی ۔ وہ اموی حکمرانوں کا ایک معمولی والی یا گورنر ہی نہ تھا بلکہ اس کی حیثیت ایک نائب السلطنت کی تھی ۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے بغیر اموی حکومت کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی تھی ۔ جس وقت اس نے عراق کی ولایت سنبھالی ، وہاں کے لوگ اموی حکومت سے سخت متنفر تھے ۔ ان کو مطیع بنانے کے لیے حجاج کو بڑی سختی کرنی پڑی اور ہزاروں لوگوں کا خون بہانا پڑا ۔ اس طریق سے وہ عراق میں بنی امیہ کی حکومت کو قائم کرنے میں کامیاب تو ہوگیا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی سفاکی اور خون ریزی ضرب المثل بن گئی اور تاریخ کی کتابوں میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہوگئی ۔ سفاکی کے ساتھ ساتھ حجاج میں بعض خوبیاں بھی تھیں ، مثلاً وہ ایک فصیح و بلیغ مقرر تھا ، جس کے خطبے ، عربی بلاغت کا عمدہ نمونہ سمجھے جاتے ہیں اور ادب کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہیں ۔ حجاج قرآن پاک کا اچھا قاری بھی تھا ۔ اس کی تجویز پر قرآن کی عبارت پر نقطے لگائے گئے تاکہ ہم شکل حروف میں تمیز ہو سکے ۔

عبدالملک کی فتوحات اور اصلاحات

اہلِ بربر کی تسخیر

یزید کے عہد حکومت ہی میں افریقہ کی بربر قوم نے بغاوت کرکے عرب سپہ سالار عقبہ بن نافع اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا تھا اور 'برقہ' سے 'پرے' تمام مقبوضات عربوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے ۔ اس حادثے کے بعد عرب حکمران اپنی خانہ جنگی کی وجہ سے کئی سال تک افریقہ کی طرف توجہ نہ دے سکے ۔ جب عبدالملک نے اموی حکومت کو دوبارہ مضبوط کیا ، تو اس نے ۶۹ھ میں زہیر بن قیس کو فوج دے کر افریقہ کی طرف روانہ کیا زہیر نے قیروان پر دوبارہ قبضہ کر کے باغیوں کو شکست دی ۔ اسی اثناء میں رومیوں نے برقہ پر حملہ کیا ۔ زہیر ان کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا لیکن شکست کھا کر مارا گیا ۔

جب عبدالملک نے عبداللہ بن زبیر کی مخالفت سے فرصت پائی تو اس نے حسان بن نعمان کو ۷۴ھ میں ایک کثیر فوج کے ساتھ اہل بربر کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا ۔ اہلِ بربر ایک ملکہ کے جھنڈے تلے جمع ہوئے ، جو عرب مؤرخوں کے ہاں 'کاہنہ' کے لقب سے مشہور ہے ۔ رومی بھی ان کے ساتھ مل گئے ۔ رومیوں اور اہلِ بربر نے مل کر حسان کو شکست دی اور وہ برقہ کی طرف پسپا ہونے پر مجبور ہوا ۔

چار سال کی تیاری کے بعد حسان نے کاہنہ کے خلاف دوبارہ پیش قدمی کی اور ایک خون ریز جنگ کے بعد اسے شکست دی ، کاہنہ ماری گئی ۔ اس کے مارے جانے کے بعد بہت سے بربری قبیلے مسلمان ہوگئے اور حسان نے کاہنہ کے ایک لڑکے کو نومسلم بربروں کا افسر مقرر کر دیا ۔ اس نے بربروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کیے اور ان کے ساتھ مل کر رومیوں کو افریقہ کے تمام ساحلی

مقامات سے نکال دیا ۔ حسان کی دانش مندانہ پالیسی سے عربوں کی حکومت شمالی افریقہ میں پھر مستحکم ہوگئی ۔

رومیوں کے ساتھ جنگیں

جب قیصر روم نے دیکھا کہ خانہ جنگی نے عربوں کو کمزور کر دیا ہے تو اس نے ارمینیہ پر قبضہ کر لیا اور ۷۰ھ میں شام پر چڑھائی کر دی ۔ عبدالملک میں مقابلے کی طاقت نہ تھی ، اس لیے اس نے قیصر روم کے ساتھ چند شرائط پر صلح کرلی ، لیکن تین سال کے بعد قیصر نے معاہدہ توڑ کر شام پر حملہ کر دیا ۔ اس کی فوج میں صقالیہ Slavs بھی تھے ۔ عبدالملک نے اپنے بھائی محمد بن مروان کو رومیوں کے مقابلے کے لیے بھیجا ۔ پہلے پہل رومی غالب رہے ، لیکن جب صقالیہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو رومیوں نے شکست کھائی اور ارمینیہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہا ۔ آیندہ سال محمد نے صقالیہ کے ساتھ مل کر رومی علاقے پر چڑھائی کی اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا کے لے آیا ۔

عبدالملک کی اصلاحات

عبدالملک نے اپنے عہد حکومت میں بہت سی اصلاحات جاری کیں ، اولاً عربی زبان کو دفتری زبان قرار دیا ۔ عرب لوگ اب تک بیرونی ملکوں کی تسخیر میں مصروف رہے تھے اور ان کو حساب کتاب اور ملکی نظم و نسق کی جزئیات سے چنداں دلچسپی نہ تھی ۔ اس لیے شام کے سرکاری دفتر یونانی زبان میں اور عراق کے پہلوی زبان میں چلے آ رہے تھے ، نیز بیشتر دفتری کاروبار ملکی باشندوں کے ہاتھ میں تھا ۔ عبدالملک نے حکم دیا کہ تمام سرکاری دفاتر عربی زبان میں منتقل کیے جائیں ۔ جب عربی زبان دفتروں میں استعمال ہونا شروع ہوئی تو اس بات کا احساس ہوا کہ اس کا رسم الخط اس لحاظ سے ناقص ہے کہ عربی حروف پر نقطے نہیں ہیں ، چنانچہ جو حروف تہجی

ایک دوسرے کے مشابہ تھے ، ان کے تلفظ میں غلطی کا امکان تھا۔ لہذا ہم شکل حروف (مثلاً ب ، ت ، ث) کے امتیاز کے لیے ان پر نقطے ڈالے گئے۔ اس سے عربی رسم الخط بہتر ہو گیا اور عجمیوں کے لیے قرآن پڑھنا آسان ہو گیا اور دینی علوم کی ترقی کا راستہ کھل گیا۔

عبدالملک کے عہد تک حجاز ، شام اور مصر میں رومی سکے رائج رہے اور عراق میں ایرانی سکے۔ عبدالملک نے سب سے پہلے ۷٦ھ (٦۹۵ء) میں دمشق میں سونے اور چاندی کے سکے مضروب کیے اور ان پر عربی کلمات نقش کرائے۔ رومیوں کے ہاں طلائی سکے کو دینار کہتے تھے اور ایران کے نقرئی سکے کو درہم۔ مسلم عہد میں سونے اور چاندی کے سکوں کے لیے یہی نام جاری رہے اور درہم و دینار مسلم ممالک میں صدیوں تک ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ تانبے کے سکے کو فلس کہتے تھے۔

اگرچہ سرکاری مراسلات کی ترسیل کے لیے ڈاک کا انتظام پہلے عہد میں کم و بیش موجود تھا ، لیکن خلیفہ عبدالملک نے اس محکمہ کی تنظیم پر خاص توجہ دی اور مسلم سلطنت کے تمام حصوں میں گھوڑوں کی ڈاک بٹھائی اور دارالخلافہ دمشق کو تمام اہم مرکزوں کے ساتھ ملا دیا۔ محکمہ ڈاک کو عربی میں ''برید'' کہتے ہیں۔ اس محکمے کا افسر ''صاحب البرید'' کہلاتا تھا۔ سرکاری مراسلات بھیجنے کے علاوہ 'صاحب البرید' کا یہ بھی فرض تھا کہ اپنے علاقے کے تمام اہم واقعات کے متعلق خلیفہ کو براہِ راست خفیہ رپورٹ بھیجتا رہے۔

عبدالملک نے ۸٦ھ (۷۰۵ء) میں ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کی کل مدتِ حکومت اکیس سال ہے۔

۷ - ولید بن عبدالملک

۸۶ھ تا ۹۶ھ (۷۰۶ء تا ۷۱۵ء)

عبدالملک نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے ولید کو جانشین مقرر کردیا تھا اور اس کے حق میں لوگوں سے بیعت لے رکھی تھی چنانچہ اپنے والد کی وفات کے بعد ولید ۸۶ھ میں ۳۶ سال کی عمر میں مسند خلافت پر بیٹھا۔

ولید نے اپنے باپ کی طرح حجاج بن یوسف پر پورا اعتماد کیا اور اسے عراق کی گورنری پر بدستور بحال رکھا۔ لیکن اس نے حجاز کی حکومت اپنے چچیرے بھائی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سپرد کر دی۔ یزید اور عبدالملک کے زمانے میں مدینہ منورہ کو جنگ و جدال کی وجہ سے جو نقصان پہنچا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کی تلافی کی کوشش کی۔ مسجد نبوی کو وسعت دی اور اس کی آرائش پر بڑی رقم صرف کی۔ خلیفہ ولید کی ہدایت کے مطابق خانۂ کعبہ کو جانے والی شاہراہ کو درست کیا اور اس پر کنویں کھدوائے۔

الغرض حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عدل و انصاف سے حجاز کو ایسا امن نصیب ہوا کہ عراق کے بہت سے لوگوں نے حجاج کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حجاز میں پناہ لے لی۔ حجاج کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور اس نے خلیفہ ولید پر دباؤ ڈال کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو حجاز کی گورنری سے برطرف کرا دیا۔

مہلب بن ابی صفرہ کی وفات کے بعد خراسان کی گورنری پر اس کا بیٹا یزید مقرر ہوا۔ حجاج نے ناراض ہو کر اس پر مال خراج میں خیانت کرنے کا الزام لگایا اور اسے خراسان کی ولایت سے معزول کر کے قتیبہ بن مسلم کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

فتح ترکستان

قتیبہ بن مسلم ایک با تدبیر حاکم اور لائق سپہ سالار تھا۔ اس نے حرد کے شہر کو اپنا مرکز بنایا اور دریائے جیحوں کے پار کے ملک پر جسے عرب لوگ 'ماوراء النہر' کہتے تھے، ہر سال حملے کرنے شروع کر دیے۔ اس کی فوج کی تعداد پچاس ہزار کے قریب تھی جس میں عربوں کے علاوہ ایرانی سپاہی بھی شامل تھے۔ اس سے پیشتر بھی عرب حکمران 'ماوراء النہر' پر فوج کشی کرچکے تھے اور وہاں کے علاقوں کے حکمرانوں کو اپنا باج گزار بنا چکے تھے، لیکن وہاں کے لوگ فوجی لحاظ سے بہت طاقتور تھے۔ جب عرب لوگ خانہ جنگی میں مبتلا ہوگئے اور ان کی مرکزی حکومت کمزور پڑ گئی تو وہ خود مختار بن بیٹھے اور انھوں نے خراج دینا بند کر دیا۔ جب عبدالملک نے اپنے مخالفوں کو زیر کر لیا اور ولید کے زمانے میں اموی حکومت دوبارہ مضبوط ہو گئی اور بیرونی فتوحات کے لیے سازگار حالات پیدا ہوگئے تو قتیبہ نے 'ماوراء النہر' پر چڑھائی کر دی۔

قتیبہ نے سب سے پہلے طخارستان کے علاقے پر فوج کشی کی۔ (یہ علاقہ دریائے جیحوں کے جنوب میں واقع ہے) اس نے وہاں کے صدر مقام بلخ کو فتح کر لیا، پھر دریائے جیحوں پار کر کے ماوراء النہر میں قدم رکھا۔ یہ ملک اس زمانے میں مختلف حکمرانوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان کی باہمی مخالفت سے قتیبہ نے فائدہ اٹھا کر چغتائیاں اور شورمان کے علاقے لے لیے اور ۸۷ھ میں بخارا کے نزدیک پیکند پر چڑھائی کی۔ یہ شہر تجارت کا مرکز تھا اور یہاں کے لوگ بڑے دولت مند تھے۔ اہلِ شہر قلعہ بند ہوگئے لیکن قتیبہ نے محاصرہ کر کے شہر کو بزورِ شمشیر فتح کر لیا اور وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔ اس کے بعد اس نے ۸۸ھ میں بخارا پر چڑھائی کی۔ یہاں کے حکمران نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر اطاعت

کرنے پر مجبور ہوا ۔ قتیبہ نے بخارا میں عربوں کی نو آبادی قائم کر دی اور آس پاس کے علاقے کو جسے سغد کہتے تھے ، تسخیر کر لیا ۔ ترکستان کا دوسرا اہم شہر سمرقند تھا ۔ قتیبہ نے اسے بھی فتح کرکے اموی سلطنت میں شامل کر لیا ، پھر خوارزم (خیوا) پر چڑھائی کی اور خوارزم اور سغد کی فتح سے فارغ ہو کر قتیبہ نے دریائے سیحون کو عبور کیا اور تاشقند کو اپنے قبضے میں لے لیا ، پھر مشرق میں فرغانہ کی طرف بڑھا اور خجند اور دیگر شہروں کو فتح کرتا ہوا کاشغر اور چین کی حدود تک جا پہنچا ۔

عرب فاتحین نے مقامی حکمرانوں کو اپنے اپنے علاقے میں بحال رکھا اور ملک کا اندرونی انتظام انھیں کے ہاتھوں میں رہنے دیا لیکن خراج کی وصولی اور فوج کے انتظام کے لیے اپنے نائب مقرر کر دیے اور اپنی حکومت کے استحکام کے لیے بخارا ، سمرقند اور خوارزم میں عربوں کی مستقل آبادیاں قائم کر دیں ۔ ترکستان میں آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا گیا اور وہاں کے شہر رفتہ رفتہ مسلم تہذیب اور اسلامی علوم و فنون کے مرکز بن گئے ۔ ان شہروں میں بہت سے علمائے دین مثلاً امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ پیدا ہوئے ، جن کی شہرت تمام دنیا میں پھیل گئی ۔

فتح سندھ

سندھ کے سمندری لٹیروں نے عربوں کے چند جہاز لوٹ لیے تھے جن میں عرب عورتیں بھی تھیں ، جب ان کی فریاد حجاج بن یوسف والیِ عراق کے کانوں تک پہنچی تو اس نے سندھ کے ہندو راجا داہر سے اس بات کی شکایت کی ، لیکن ہندو راجا نے اس لوٹ مار کی تلافی کرنے سے انکار کیا تو حجاج نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو بارہ ہزار فوج اور دیگر ساز و سامان کے ساتھ سندھ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا ۔ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت صرف سترہ سال کی تھی ۔ اس نے سندھ کی حدود میں داخل ہو کر دیبل کا محاصرہ کر لیا

جو سمندر کے کنارے پر ایک بندرگاہ تھی اور شہر پر منجنیقوں سے سنگ باری شروع کر دی ، محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا اور آخرکار عربوں نے شہر پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا اور راجا داہر کا نائب شہر چھوڑ کر بھاگ گیا ۔ محمد بن قاسم وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت کو آباد کرکے آگے بڑھا ۔

راجا داہر اس وقت برہمن آباد میں مقیم تھا ۔ محمد بن قاسم دریائے سندھ کو عبور کرکے اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا اور راوڑ کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا ۔ راجا داہر کے ساتھ پچاس ہزار سوار تھے اور اس کی فوج میں بہت سے ہاتھی بھی تھے ۔ راجا داہر بڑی بہادری سے لڑا لیکن آخرکار مارا گیا اور اس کی فوج شکست کھا کر بھاگ نکلی ، راوڑ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد پر قبضہ کر لیا اور مفتوحہ مقامات میں اپنے نائب چھوڑ کر شمال کا رخ کیا اور بہت سے شہر اور قلعے فتح کرتا ہوا ملتان تک جا پہنچا ۔ کچھ مدت کے محاصرے کے بعد وہاں کا حاکم بھی بھاگ گیا اور اہل شہر نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں محمد بن قاسم کی اطاعت اختیار کر لی ۔ ملتان میں ہندوؤں کا ایک بڑا قدیم مندر تھا جہاں سے عربوں کو بے شمار دولت ہاتھ آئی ۔ ملتان کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے چند اور مقامات کو تسخیر کیا ، اس اثنا میں خبر پہنچی کہ خلیفہ ولید کا انتقال ہو گیا ہے ، اس سے عربوں کی مزید پیش قدمی رک گئی ۔

فتح سندھ کے دوران میں محمد بن قاسم نے صرف قلعہ بند لوگوں اور مسلح لشکروں کے ساتھ جنگ و جدال کیا ، جن مقامات کے باشندوں نے صلح کرکے اطاعت اختیار کی ، ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا ، مذہب کے معاملے میں ان کو پوری آزادی دی اور ان کی عبادت گاہوں کو بدستور قائم رہنے دیا ۔ اندرونی معاملات میں ملکی باشندے خود مختار تھے اور اپنے باہمی لڑائی جھگڑے پنچایت

کے ذریعے سے طے کرتے تھے - پہلے حکمرانوں کے مقابلے میں محمد بن قاسم کی حکومت عادلانہ تھی - اس لیے اسے لوگوں میں بڑی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی ، کئی مقامات میں عربوں نے چھاؤنیاں اور نو آبادیاں قائم کر لیں اور بعض نے مقامی عورتوں کے ساتھ شادیاں بھی کر لیں -

شمالی افریقہ کے حالات

خلیفہ ولید نے شمالی افریقہ کے مسلم مقبوضات کو مصر سے الگ کرکے انھیں ایک مستقل صوبے کی حیثیت دے دی ، جس کا صدر مقام قیروان کا شہر تھا - حسان بن نعمان کے بعد موسیٰ بن نصیر وہاں کا حاکم مقرر ہوا - موسیٰ بن نصیر نے حسان بن نعمان کی مصالحانہ پالیسی کو جاری رکھا اور اہل بربر کے ساتھ مصالحت کرکے ان کی بیگانگی کو دور کیا اور آیندہ فتوحات میں اپنا شریک کار بنایا - اہل بربر کے درمیان جب مذہب اسلام اور عربی زبان نے اشاعت پائی تو اس سے بھی دونوں قوموں کی مغائرت دور ہوتی گئی اور ان کے باہمی نسلی اختلاط نے ان میں اور بھی یکسانی اور یک جہتی پیدا کر دی - الغرض بربر لوگ رفتہ رفتہ عربوں کے دست و بازو بن گئے اور عالم اسلام کا جزو قرار پائے ، اس سے افریقہ میں اسلام کے ماننے والوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا اور یوں اہل بربر کے تعاون سے عربوں کے قدم افریقہ سے گزر کر یورپ کی سرزمین میں جا پہنچے -

فتح اندلس

آٹھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں سپین کا ملک جس کو عرب مؤرخوں نے اندلس کا نام دیا ہے قوطی (Goths) خاندان کے زیر حکومت تھا -

ملک سرسبز اور شاداب تھا ، لیکن وہاں کی سیاسی اور معاشی حالت اچھی نہ تھی - حکام عیش پرست تھے ، عیسائیوں کے مذہبی

پیشوا ، امورِ سلطنت میں حد سے زیادہ دخیل تھے ، حکومت کے قوانین جابرانہ اور غیر منصفانہ تھے اور سلطنت کے محاصل کا بیشتر بار کسانوں ، دستکاروں اور رعایا کے نچلے طبقوں پر تھا ۔

عام لوگ ، جاگیرداروں کی چیرہ دستی سے نالاں تھے ۔ صنعت و حرفت برائے نام تھی ، تجارت کا بازار سرد تھا ۔ ملک میں کچھ یہودی بھی آباد تھے مگر ان سے بدسلوکی کی جاتی تھی ۔ الغرض رعایا میں ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور ان کے مختلف طبقوں میں باہمی نفرت تھی ۔ ان حالات میں جنوبی ساحل کے مقابل افریقہ کے دشت میں عربوں کے لشکر فتح و ظفر کے پرچم لہراتے نمودار ہوئے اور سمندر عبور کرکے ملک پر قابض ہو گئے ۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

ان دنوں افریقہ کا گورنر موسیٰ بن نُصَیر تھا اور اس کا صدر مقام قیروان تھا ۔ اس نے ۹۱ھ (۷۱۰ء) میں اپنے ایک غلام طریف نامی کو سمندر پار بھیجا ، اس کے ہمراہ پانچ سو فوجی تھے جو سب کے سب بربر تھے ۔ اس نے سپین کے جنوبی ساحل پر چھاپا مارا جو کامیاب رہا ۔ موسیٰ نے اگلے سال اپنے ایک بربری افسر طارق بن زیاد کو سات ہزار فوج کے ساتھ سپین پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا ۔ ایک روایت کے مطابق شہر سبتہ کا حاکم جوایان بھی اس کے ہمراہ تھا اور اسی نے اپنے ذاتی اختلافات کی بنا پر عربوں کو سپین پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا تھا ۔

طارق بن زیاد ، سپین کے ساحل پر ایک پہاڑی کے نزدیک اترا جسے اس کے نام پر جبل الطارق کہتے ہیں ۔ اس کو انگریزی میں جبرالٹر (Gibralter) کہتے ہیں ۔ طارق نے حکم دیا کہ ان کشتیوں کو جن پر انھوں نے سمندر عبور کیا تھا ، جلا دیا جائے تاکہ اس کے ہمراہی اپنے دل سے واپسی کا خیال نکال دیں اور مرنے مارنے کے لیے تیار ہو جائیں ۔ سپین کا بادشاہ راڈرک اطلاع پاتے ہی

حملہ آوروں کو روکنے کے لیے بڑھا ۔ ملک کے تمام بڑے بڑے امیر اور جاگیردار اس کے ہمرکاب تھے اور پچاس ہزار کی فوج اس کے جھنڈے تلے تھی ۔ جب موسیٰ بن نصیر نے راڈرک کی آمد کا حال سنا تو اس نے طارق کی امداد کے لیے مزید پانچ ہزار فوج بھیج دی ۔ مدینہ شذونہ (Medine Sidania) کے پاس دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا ۔

راڈرک کی فوج کو شکست ہوئی اور خود وہ اس جنگ کے بعد ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کا کہیں پتا نہ چل سکا ۔

مدینہ شذونہ کی شکست کے بعد سپین کے امیروں اور ارکانِ سلطنت نے پائے تخت طیطلہ (Toledo) میں پناہ لی اور طارق نے قرطبہ ، مالقہ اور البیرہ شہروں کی تسخیر کے لیے کئی فوجی دستے روانہ کیے اور خود طلیطلہ کا رخ کیا ۔ چند ماہ کی مدت میں مسلمانوں نے یہ تمام شہر یکے بعد دیگرے آسانی سے فتح کرلیے اور وہاں کے لوگوں نے فاتحین کی اطاعت قبول کر لی ۔

طارق بن زیاد ان فتوحات میں ہی مصروف تھا کہ موسیٰ بن نصیر نے بھی دس ہزار فوج کے ساتھ سپین کی سرزمین پر قدم رکھا ۔ اس نے اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے مفتوحہ علاقوں کو چھوڑ کر ایسے شہروں کا رخ کیا جو ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے ، چنانچہ اس نے قرمونہ فتح کرنے کے لیے اشبیلیہ (Savillea) کا رخ کیا جو ایک بڑا اہم قدیمی شہر تھا ۔ ایک ماہ کے محاصرے کے بعد قبضہ کر لیا گیا ، ماردہ کو فتح کرنے کے بعد اس نے طلیطلہ کا رخ کیا ۔ اس پر طارق نے موسیٰ بن نصیر کا آگے بڑھ کر استقبال کیا ۔ موسیٰ نے مال غنیمت کا جائزہ لے کر طارق کو شمال کی طرف روانہ کیا اور مفتوحہ علاقوں کا انتظام کرنے کے لیے خود اس کے پیچھے پیچھے چلا ۔ عربوں کی گذشتہ کامیابیوں سے سپین والوں پر اتنی ہیبت چھا گئی تھی کہ طارق جس طرف کا رخ کرتا

لوگ اس کی اطاعت کرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ چنانچہ سرقسطہ اور یرشلونہ کے شہر فتح کرتے ہوئے عرب فاتحین ، فرانس کی سرحد تک جا پہنچے اور پھر اورگون ، لیوں اور جلیقیہ کے علاقوں میں اپنی فوجیں پھیلا دیں - سپین کی شکست خوردہ فوجوں کے باقی سپاہیوں نے استوریہ کے پہاڑوں میں پناہ لی -

اسی زمانے میں خلیفہ ولید نے اپنے گورنر موسیٰ بن نصیر کو دمشق میں طلب کیا - موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو سپین میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا - اس کے ساتھ عرب امیروں کے علاوہ چار سو قوطی شہزادے اور ہزاروں لونڈیاں ، غلام اور بے شمار مالِ غنیمت تھا - موسیٰ دارالخلافہ میں بڑے شان و شوکت کے ساتھ داخل ہوا اور خلیفہ نے اس کی باریابی کے موقع پر دربارِ عام کیا - موسیٰ نے اس موقع پر بہت سے نادر تحفے جو مال غنیمت میں حاصل ہوئے تھے ، خلیفہ کے حضور میں پیش کیے -

جزیرہ نما اندلس کے علاوہ مسلمانوں نے بحیرہ روم میں کئی ایک جزیرے بھی فتح کر لیے ، ان میں سے زیادہ مشہور میورقہ اور منورقہ کے جزیرے تھے جو سپین کے مشرقی ساحل کے بالمقابل واقع ہیں - یہ جزیرے ۸۸ھ میں فتح ہوئے - ۹۲ھ میں عربوں نے سردانیہ پر بھی حملہ کیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا -

فتح اندلس کے نتائج

عربوں کی فتح سے ، اندلس یعنی سپین کی تاریخ میں ایک نئے عظیم الشان دور کا آغاز ہوا ہے - عربوں نے ان وحشی قوموں کی طرح جو ان سے پہلے سپین پر حملہ آور ہو چکی تھیں ، ملک کو تباہ و برباد نہیں کیا ، بلکہ مفتوح قوم کے ساتھ رواداری برتی اور ان کو امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع دیا - ملک

میں ایسا عادلانہ نظام حکومت قائم کیا جو اس سے پہلے ان کو کبھی نصیب نہیں ہوا تھا ۔ انھوں نے رعایا کو پوری مذہبی آزادی دی اور ان کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ اپنے قدیم قوانین کی پیروی کریں اور اپنے لڑائی جھگڑے اپنے ہم مذہب حاکموں کے پاس لے جائیں ۔ کلیسا کی زمینیں اور مفرور امراء کی تمام جاگیریں کاشتکاروں میں تقسیم کر دیں ، مالکان اراضی پر بلالحاظ مذہب لگان مقرر کیا اور شہریوں پر جزیہ لگایا اور ان کو ان کو اجازت دی کہ وہ جزیہ کی رقم ماہوار قسطوں میں ادا کریں ۔ عربوں سے پہلے حکمران، غلاموں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتے آئے تھے، مگر عربوں نے ان کو آزادی کی سہولتیں مہیا کیں اور انھیں ذلت کی زندگی سے نجات دلائی ، الغرض عربوں کی حکومت سے سپین کے اکثر طبقوں کی حالت بہتر ہو گئی ۔

رومیوں سے جنگ

خلیفہ ولید کے عہد میں رومیوں کے مقابلے میں شام کی سرحد پر اس کا بھائی مسلمہ متعین رہا ۔ اس نے رومیوں کے علاقے پر کئی بار چڑھائی کی اور بہت سے شہر ، جو جنگی لحاظ سے اہم تھے ، فتح کیے ۔

بحری انتظامات اور فتوحات

مسلم مقبوضات ، بحیرہ روم کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ بحر اوقیانوس تک پھیلے ہوئے تھے اور ان کی حفاظت ایک زبردست بحری بیڑے کے بغیر ممکن نہ تھی ، اس لیے خلیفہ ولید نے بحری انتظامات پر خاص توجہ دی اور سلطنت کے پانچ مقامات پر پانچ مختلف بیڑے متعین کیے ، جہاز سازی کے لیے مصر ، قلزم اور تونس میں مستقل کارخانے قائم تھے جن کو ''دارالصناعہ'' کہتے تھے ۔

خلیفہ ولید نے ۹۶ھ (۷۱۵ء) میں دس سال کی حکومت کے

بعد چھیالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت زین العابدین علیؑ

حضرت زین العابدین علیؑ، حضرت حسینؑ بن علیؑ کے فرزند تھے۔ ان کی ولادت ۳۸ھ میں ہوئی، حادثہ کربلا میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ تھے، لیکن اپنی بیماری کے باعث جنگ میں شریک نہ ہو سکے اس لیے بچ رہے۔ انھوں نے ساری عمر مدینے میں گزاری اور سیاسی معاملات سے الگ تھلگ رہے۔ وہ اپنا اکثر وقت عبادت میں گزارتے تھے، اس لیے ''زین العابدین'' اور ''سجاد'' کے القاب سے مشہور ہوئے۔ انھوں نے خلیفہ ولید کے عہد میں ۵۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور مدینہ کے گورستان بقیع میں مدفون ہوئے۔ فرقہ امامیہ شیعہ ان کو چوتھا امام برحق مانتے ہیں۔

ولید کی سیرت اور سیاست

خلیفہ ولید اپنے بھائیوں سے بہت شفقت سے پیش آتا تھا اور رعایا کے ساتھ بھی اس کا رویہ منصفانہ تھا۔ ولید کو اپنے باپ عبدالملک کی طرح علوم میں کوئی دستگاہ حاصل نہ تھی، تاہم اس میں جہاں بانی اور حکمرانی کے اوصاف موجود تھے، جن کی بدولت اس کا عہد حکومت بہت کامیاب اور شاندار ثابت ہوا۔ ولید کا زمانہ ملکی فتوحات اور تمدنی ترقی دونوں کے اعتبار سے اموی عہد کا بہترین دور شمار ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر خانہ جنگی کی وجہ سے عربوں کی قوت ضائع ہو رہی تھی لیکن جب عبدالملک نے تمام دنیائے اسلام کو دوبارہ ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور اس کے جانشین ولید نے سلطنت کے اندرونی امن و امان سے فائدہ اٹھایا اور بیرونی فتوحات پر خاص توجہ دی، چنانچہ اس کے عہد میں سندھ، ترکستان اور سپین کے علاقے فتح ہوئے اور مسلم سلطنت کی حدود مشرق میں ہندوستان اور چین اور مغرب میں فرانس تک

وسیع ہو گئیں اور کئی ایک دیگر قوموں سے عربوں کے تعلقات پیدا ہو گئے۔

ولید کے رفاہی کام

خلیفہ ولید نے رفاہ عامہ کے بھی بہت سے کام سرانجام دیے۔ اس نے اپنے تمام ممالک محروسہ میں سڑکیں درست کرائیں اور ان کے ساتھ ساتھ کنویں کھدوائے اور نہریں جاری کرائیں۔ مسافروں کے آرام کے لیے مہمان خانے بنوائے۔ اندھے اور معذور لوگوں کے لیے شفاخانے قائم کیے اور ان کے روزینے مقرر کر دیے، اسی طرح یتیموں کی پرورش کا بندوبست کیا۔

خلیفہ ولید کو عمارات کا بھی بڑا شوق تھا۔ مدینہ کی مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس کے علاوہ اس نے دارالخلافہ دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر پر بے دریغ روپیہ صرف کیا، بلاد روم، ایران اور ہند سے کاریگر اور عمارتی سامان منگوایا اور ہزاروں مزدوروں اور کاریگروں نے مل کر آٹھ سال کی مدت میں اسے مکمل کیا۔ پوری عمارت مختلف قسم کے نہایت قیمتی پتھروں سے بن کر تیار ہوئی۔ جامع دمشق آج بھی موجود ہے اور اس کا شمار مسلم دنیا کی مشہور عمارات میں ہوتا ہے۔ یہ مسجد اتنی وسیع ہے کہ اس میں بیس ہزار نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔

ہندوستان میں عربوں کی فتوحات سندھ تک محدود تھیں۔ سندھ کا ملک اسلامی دارالخلافہ سے بہت دور تھا اس لیے وہاں ان کا تسلط دیر تک قائم نہ رہ سکا اور جب سندھ میں عربوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو وہاں ان کے کوئی پائدار تمدنی آثار نہ رہے، تاہم سندھی زبان، عربی رسم الخط میں لکھی جانے لگی اور سندھی زبان میں بہت سے عربی الفاظ رائج ہو گئے۔ ہندوستان کے دیگر حصوں میں

مسلم حکومت بعد میں ترکوں اور افغانوں کے زمانے میں قائم ہوئی۔

۸ ۔ سلیمان بن عبدالملک
۹۶ھ تا ۹۹ھ
۷۱۵ء تا ۷۱۷ء

عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنے دوسرے بیٹے سلیمان کو اس کا جانشین بنایا۔ ولید نے اپنے عہدِ حکومت میں یہ کوشش کی کہ سلیمان کو جانشینی سے برطرف کرکے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے۔ حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم نے ولید کے اس ارادے کی تائید کی۔ اس سے سلیمان بہت برافروختہ ہوا اور حجاج اور قتیبہ کا دشمن بن گیا، پیشتر اس کے کہ ولید اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا سکے، اس نے ۹۶ھ وفات پائی اور سلیمان نے تخت حکومت پر قدم رکھا۔

سپہ سالاروں کے ساتھ بد سلوکی

سلیمان کے تخت نشین ہونے سے پیشتر ہی حجاج بن یوسف فوت ہو چکا تھا، اس لیے سلیمان نے اس کی بجائے اس کے رشتہ داروں پر اپنا عتاب نازل کیا، چنانچہ اس نے محمد بن قاسم کو سندھ کی ولایت سے معزول کرکے اسے گرفتار کر لیا اور صالح بن عبدالرحمان کے سپرد کر دیا، جس کے بھائی کو حجاج نے بغاوت کے الزام میں قتل کر دیا تھا۔ صالح نے اس کے بدلے میں محمد بن قاسم کوطرح طرح کی اذیتیں دے کر مار ڈالا۔ محمد بن قاسم کی معزولی اور موت سے ہند میں عربوں کی پیش قدمی رک گئی اور یہ لائق اور نوجوان سپہ سالار، جس نے سلطنت اسلامیہ کی بیش بہا خدمت سرانجام دی تھی، ذاتی اور خاندانی عناد کی نذر ہو گیا۔

قتیبہ بن مسلم کو حجاج ہی نے خراسان کا والی مقرر کیا تھا اسے خوب معلوم تھا کہ خلیفہ سلیمان ، حجاج اور اس کے متعلقین کا سخت دشمن ہے اس لیے وہ سلیمان کی تخت نشینی سے بہت خائف ہوا۔ محمد بن قاسم کا درد ناک انجام بھی اس کے سامنے تھا ۔ لہٰذا اس نے خلیفہ وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ، لیکن اس نے اپنی قوت کا غلط اندازا لگایا تھا ۔ عرب فوج کے تمام عناصر نے اس کا ساتھ نہ دیا بلکہ تمیم اور ازد کے قبیلے اس کے مخالف ہو گئے اور انھوں نے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ۔ اس لڑائی میں قتیبہ مارا گیا اور دشمنوں نے اس کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس دمشق بھیج دیا ۔ اس طرح ایک نامور سپہ سالار جس نے تمام ترکستان کو فتح کر کے مسلم سلطنت میں شامل کیا تھا ، افسوسناک انجام کو پہنچا ۔ قتیبہ کے مارے جانے کے بعد سلیمان نے یزید بن مہلب کو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا ۔

موسیٰ بن نصیر ، فاتح اندلس کے ساتھ بھی سلیمان نے بدسلوکی کی ۔ خلیفہ ولید نے موسیٰ کو دارالخلافہ میں واپس بلایا تھا ۔ اس دوران میں ولید خود مرض الموت میں گرفتار ہو گیا ۔ سلیمان نے جو اس وقت ولی عہد تھا ، موسیٰ کو لکھا کہ تم جب دمشق کے لیے روانہ ہو تو اس رفتار سے چلو کہ ولید کے مرنے کے بعد دارالخلافہ میں پہنچو لیکن موسیٰ ، ولید کی زندگی میں ہی دمشق پہنچ گیا ، خلیفہ ولید نے اس کی بڑی عزت افزائی کی ۔ اس سے سلیمان ، موسیٰ سے بگڑ گیا اور ولید کی وفات کے بعد اس سے حقارت آمیز سلوک کیا اور خیانت کے جھوٹے الزام میں اس پر اتنا بھاری تاوان لگایا کہ موسیٰ اسے کسی طرح ادا نہیں کر سکتا تھا ۔ آخر کار وہ بے چارہ انتہائی تنگ دستی کی حالت میں انتقال کر گیا ۔

موسیٰ اندلس یعنی سپین چھوڑنے سے پہلے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا حاکم مقرر کر آیا تھا ۔ کچھ ہی عرصہ بعد عبدالعزیز

اپنی ہی فوج کے ہاتھوں مارا گیا ، کہتے ہیں کہ اس کے قتل میں بھی سلیمان کا ہاتھ تھا - سپین کے شمال مغرب میں استوریہ کا دشوار گزار پہاڑی علاقہ ہے - وہاں کے عیسائیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کر دی اور رفتہ رفتہ عربوں کے خلاف زور پکڑتے چلے گئے -

فتح جرجان اور طبرستان

طبرستان اور جرجان کے علاقے پہاڑی اور دشوار گزار ہیں ، اگرچہ حضرت عثمان ہی کے عہد خلافت میں عربوں نے ان علاقوں پر چڑھائی کی تھی ، لیکن وہاں کے حکام سے خراج کی ادائیگی پر صلح ہو گئی تھی اور یہ ملک عملی طور پر خود مختار رہے - چونکہ یہ علاقے خراسان اور ترکستان کے راستے میں پڑتے تھے ، اس لیے عربوں کے لیے ان کا تسخیر کرنا ضروری تھا ، چنانچہ یزید بن مہلب والی خراسان نے ۹۸ھ میں جرجان کے ملک پر چڑھائی کر دی جو بحیرہ خزر کے جنوب مشرق میں واقع تھا - وہاں کے پہاڑی قلعوں کو سر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا اس لیے یزید نے ان کی ناکہ بندی کر کے ان کی رسد بند کردی اور اہل جرجان نے مجبور ہو کر عربوں سے صلح کر لی - یزید نے وہاں چار ہزار فوج متعین کرکے خود طبرستان کا رخ کیا - طبرستان کے حاکم میں، عربوں کے مقابلے کی تاب نہ تھی لہٰذا اس نے فرار ہو کر پہاڑوں میں پناہ لی ، اس اثنا میں جرجان والوں نے عربی فوج پر شب خون مار کر اسے تہ تیغ کر ڈالا - یزید نے طبرستان والوں کے ساتھ صلح کرکے جرجان کی طرف دوبارہ رخ کیا اور بہت سے کشت و خون کے بعد وہاں کے لوگوں کو دوبارہ مطیع بنایا ، اس مہم کے اختتام پر جب یزید بن مہلب نے خلیفہ کو اپنی کامیابی کی اطلاع دی تو اس نے ازراہ فخر مال غنیمت کی مقدار بتانے میں مبالغہ سے کام لیا اور یہی غلط بیانی بعد ازاں اس کے حق میں بلائے جان ثابت ہوئی -

قسطنطنیہ کا محاصرہ

خلیفہ سلیمان کے عہد میں عربوں نے قسطنطنیہ پر تیسری بار حملہ کیا، چنانچہ ۹۸ھ میں خلیفہ نے اپنے بھائی مسلمہ کو ایک لشکر جرار دے کو قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا۔ مسلمہ نے بحری اور بری فوج کے ساتھ دونوں اطراف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ ادھر رومیوں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا، اتفاق سے اس سال شدت کی برف باری ہوئی، عرب لوگ زیادہ سردی برداشت کرنے کے عادی نہ تھے، اس لیے ان کی فوج کے بہت سے آدمی بیمار ہو گئے، اس کے علاوہ ان کا سامان رسد بھی ختم ہو گیا تھا۔ ان وجوہ سے ان کے ہزاروں آدمی ہلاک ہو گئے۔ اس دوران میں خلیفہ سلیمان نے انتقال کیا۔ اس پر عربوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور واپس چلے آئے۔

سلیمان کی سیرت

خلیفہ سلیمان بڑا عیش پسند تھا، اس کے ساتھ وہ بڑا تنگ‌ظرف، کینہ پرور اور حاسد بھی تھا۔ خلیفہ ولید کے عہد میں جن سپہ سالاروں نے اپنی بے مثال حسن تدبر اور شجاعت سے بڑے بڑے وسیع ملک فتح کیے تھے اور عربوں کی شان و شوکت میں چار چاند لگائے تھے، سلیمان نے ان کے شاندار کارناموں کی قدر نہ پہچانی بلکہ کوتاہ نظری سے ان کے ساتھ انتہائی بدسلوکی روا رکھی۔ اس کا یہ طرز عمل اس کے نام پر ایک بدنما دھبہ اور اموی خاندان کے زوال کا پیش خیمہ ہے۔

سلیمان جب مرض‌الموت میں مبتلا ہوا تو وہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، لیکن وہ ابھی نابالغ تھا، اس لیے ایک خیرخواہ کے مشورے سے اس نے اپنے چچیرے بھائی عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ سلیمان نے اپنی زندگی میں اگر کوئی

نیک کام کیا تو وہ یہ تھا کہ اس نے عمر بن عبدالعزیز جیسے پرہیزگار اور عادل شخص کو اپنا جانشین مقرر کیا -

اس وصیت کے چند روز بعد ۹۹ھ میں ۴۵ سال کی عمر میں سلیمان دو سال آٹھ ماہ کی مختصر مدت کے بعد انتقال کر گیا -

۹ - عمر بن عبدالعزیز
۹۹ھ تا ۱۰۱ھ
۷۲۷ء تا ۷۳۰ء

خلیفہ سلیمان کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے چچیرے بھائی عمر بن عبدالعزیز نے بارِ خلافت سنبھالا -

عمر بن عبدالعزیز بڑے پرہیزگار ، خدا ترس اور انصاف پسند تھے اور اس لحاظ سے اپنے خاندان کے دوسرے افراد سے بالکل مختلف تھے - ان کو اپنے پیشرو اموی خلفا کی بدعنوانیوں کا پورا پورا احساس تھا اور وہ ان کے پیدا کردہ مفاسد کو سخت ناپسند کرتے تھے - چنانچہ انھوں نے اپنے مختصر عہد حکومت میں ان خرابیوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کی اور اپنے حسنِ سیرت اور انصاف پسندی سے خلافت راشدہ کی روایات کو کچھ مدت کے لیے دوبارہ زندہ کر دیا ، اس لیے انھیں تاریخ میں عمر ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے -

عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات

جس وقت عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر بیٹھے اس وقت اموی خاندان کی حکومت کو ساٹھ سال ہو چکے تھے اور اس عرصہ میں مسلم مملکت اور اس کے طرز حکومت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں - خلیفہ خود مختار تھا اور سرکاری بیت المال حکمرانوں کا ذاتی خزانہ بن چکا تھا ، حکمران جس طرح چاہتے

اسے خرچ کرتے تھے ۔ غرض کہ اموی حکومت میں وہ تمام خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں جو شخصی حکومت میں عام طور پر پائی جاتی ہیں ۔

جاگیروں کی واپسی

اموی خلفا یکے بعد دیگرے شاہی خاندان کے افراد اور دیگر ارکان کو دولت اور جاگیریں بخشتے آئے تھے ، اکثر ایسا بھی ہوا کہ انھوں نے رعایا کی زمینوں اور جائدادوں کو زبردستی اپنے قبضہ میں لے لیا ۔ اس کے علاوہ شاہی خاندان کے افراد کے نام بیت المال سے بیش قرار وظائف جاری تھے ۔ عمر بن عبدالعزیز کے اندازے کے مطابق ملک کا نصف یا دو تہائی مال حکمران خاندان کے قبضے میں جا چکا تھا ۔ خلیفہ عبدالعزیز نے یہ جاگیریں ان کے قبضہ سے نکال کر ان کے اصلی مالکوں کو واپس دلا دیں ، یہاں تک کہ اپنی ذاتی جاگیریں بھی واپس کر دیں ، اس موقع پر آپ نے عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کیا اور ان کو مخاطب کرکے کہا :

"ان لوگوں نے یعنی اموی حکمرانوں نے اپنے خاندان کے افراد کو ایسی جاگیریں اور عطیے دیے ، جن کو دینے کا ان کو کوئی حق حاصل نہ تھا ۔ اب میں ان سب کو ان کے حق داروں کو واپس کرتا ہوں اور اس کام کو اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں"۔

اس کے بعد انھوں نے وہ جاگیریں جو انھیں اور ان کے خاندان کو عطا کی تھیں ، ان کے اصل وارثوں کو واپس کر دیں ۔ بعض خیرخواہوں نے کہا کہ اگر امیرالمومنین اپنی موروثی جاگیر واپس کر دیں گے تو اپنی اولاد کے لیے کیا چھوڑیں گے ۔ آپ نے جواب دیا کہ میں انھیں خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔

اس کے بعد انھوں نے اپنی توجہ ان جاگیروں کی طرف مبذول کی ، جو بنی امیہ نے رعایا سے چھین کر اپنے قبضے میں کرلی تھیں ۔

لیکن یہ معاملہ اتنا آسان نہ تھا کیونکہ اس اقدام سے تمام اموی خاندان کی مخالفت یقینی تھی۔ انھوں نے ان کی ناراضگی کی بھی کچھ پرواہ نہ کی اور غصب شدہ جائدادیں ان کے اصلی مالکوں کو واپس دلا دیں۔ انھوں نے صوبوں کے والیوں کو بھی تاکیدی احکام بھیجے کہ غصب شدہ املاک واپس کر دی جائیں۔ بنی امیہ ان کے اس اقدام سے سخت ناراض ہوئے اور ان کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے لیکن عمر بن عبدالعزیز اپنے ارادے پر قائم رہے۔

فدک کا معاملہ

فدک، مدینہ کے شمال میں خیبر کے پاس ایک نخلستان ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا خالصہ تھا یعنی اس کی آمدنی سے آپ اپنی اور اپنے خاندان کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ خلفائے راشدین بھی اس کی آمدنی کو ان ہی مصارف میں خرچ کرتے آئے تھے لیکن مروان بن حکم نے اپنے عہد حکومت میں اسے اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ اس کے بعد فدک ورثے میں عمر بن عبدالعزیز کے قبضہ میں آیا تو انھوں نے اسے واگزار کرکے سابقہ مصارف کے لیے خاص کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ فدک پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لیے تم گواہ رہنا کہ فدک کے مصارف کی جو صورت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے زمانے میں تھی اسے اسی حالت پر لوٹاتا ہوں۔

عاملوں کا محاسبہ

اموی گورنر رعایا پر ظلم و ستم کرنے کے عادی ہو چکے تھے حجاج کا ظلم و تشدد ضرب المثل بن چکا تھا اور اس کا خاندان بھی اس کے نقش قدم پر گامزن تھا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ان کو یمن کی طرف جلا وطن کر دیا اور حجاج کے رشتہ داروں اور اس کے مقرر کردہ عہدہ داروں کو جو ناجائز سختی کے عادی ہو چکے تھے

برطرف کر دیا ۔ عمر بن عبدالعزیز سے پہلے اموی حاکموں کا یہ دستور تھا کہ ذرا سی بدگمانی یا شک کی بنا پر لوگوں کو سزائیں دیتے تھے ، لیکن خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ آیندہ کسی شخص کو محض شبہ کی بنا پر کوئی سزا نہ دی جائے ۔

ذمیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ذمیوں کے حقوق کا بھی خاص خیال رکھا اور اپنے عاملوں کو ہدایت کی کہ جزیہ کی وصولی میں ان پر سختی نہ کریں ۔ حجاج نے عراق کے ذمیوں کا جزیہ یعنی ٹیکس بڑھا دیا تھا ۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اس اضافے کو منسوخ کر دیا اور ان کی جو زمینیں امراء نے چھین لی تھیں انھیں واپس دلا دیں ، نیز حکم دیا کہ معذور اور محتاج ذمیوں کے لیے بیت المال سے روزینہ مقرر کیا جائے ۔

تبرّیٰ کی موقوفی

امیر معاویہ کے زمانے سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ اموی خلفا اور ان کے گورنر اپنے خطبوں میں برسر منبر حضرت علیؓ کو برا بھلا کہتے تھے بلکہ ان کے حق میں ناشائستہ کلمات بھی کہتے تھے ۔ عمر بن عبدالعزیز نے تبرّیٰ کی اس رسم کو موقوف کیا اور اپنے عاملوں اور والیوں کے نام فرمان جاری کر دیا کہ اس رسم بد کو بند کیا جائے ۔

بیت المال میں اصلاحات

اموی خلفا نے بیت المال کو اپنا ذاتی خزانہ سمجھ رکھا تھا وہ جائز و ناجائز ہر قسم کے ذریعے سے روپیہ حاصل کرتے اور اس کا اکثر حصہ اپنے ذاتی عیش و عشرت اور اپنے خاندان کی پرورش پر صرف کرتے تھے ۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے بیت المال کے تمام

ناجائز مصارف روک دیے اور شاہی خاندان کے افراد کے نام بیت المال سے جو وظائف جاری تھے ان کو بند کر دیا۔ اس سے وہ لوگ بڑے تلملائے، مگر آپ نے ان کی ناراضگی کی بالکل پروا نہ کی۔

دربارِ خلافت کی شان و شوکت قائم رکھنے کے لیے جو اخراجات ہوتے تھے، آپ نے ان کو بھی موقوف کر دیا اور آرائش کا تمام سامان فروخت کر کے بیت المال میں جمع کرا دیا، یہاں تک کہ شاہی اصطبل کے گھوڑے بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں جمع کر دی، اپنی سواری کے لیے فقط ایک خچر باقی رکھا، ان اصلاحات سے بیت المال کی آمدنی میں بہت اضافہ ہو گیا، جس کو آپ نے رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف کیا۔

رفاہِ عامہ کے کام

آپ نے رفاہِ عامہ کے بہت سے کام کیے، مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کو از سرِ نو تعمیر کرایا، مسافروں کے آرام کے لیے شاہراہوں پر سرائیں تعمیر کیں۔ نئی نہریں جاری کیں جس سے زراعت نے فروغ پایا، جو لوگ معذور اور محتاج تھے ان کے نام سرکاری دفتر میں لکھے گئے اور ان کے لیے وظائف جاری ہوئے۔ حاجت مندوں میں صدقات کی تقسیم کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ ایک لنگر خانہ قائم کیا جہاں سے مسکینوں کو کھانا ملتا تھا۔

اصلاحات کا نتیجہ

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حکومت کے کاروبار میں جو عدل و انصاف قائم کیا اور رعایا کے مال و دولت اور ان کے حقوق کی جس طرح حفاظت کی، اس سے ان کے ہم نام یعنی خلیفہ عمرؓ بن الخطاب کے عادلانہ عہد کی یاد تازہ ہو گئی۔ اسی بنا پر ان کو عمر ثانی کہا جاتا ہے۔

اڑھائی سال کی مختصر مدت حکومت کے بعد جب عمر بن عبدالعزیز نے وفات پائی تو ان کی جاری کردہ تمام اصلاحات ملیا میٹ ہو گئیں اور اموی حکمرانوں نے پھر وہی پرانی روش اختیار کرلی اور خلیفہ موصوف کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں ، لیکن یہ اصلاحات اس لحاظ سے دلچسپ اور اہم ہیں کہ ان سے وہ تمام مختلف قسم کی خرابیاں روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہیں جو ساٹھ سال کے عرصہ میں بنو امیہ کی سلطنت میں پیدا ہو گئی تھیں ۔

عربوں کا داخلہ فرانس

موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کے قتل کے بعد افریقہ کے والی نے حر بن عبدالرحمان کو اندلس کا حاکم مقرر کیا ۔ حر کو جب معلوم ہوا کہ اندلس کی سرحد کے پار دوسری جانب ایک بڑا شاداب اور دولت مند ملک آباد ہے تو اس نے ۹۹ھ میں جنوبی فرانس پر چڑھائی کر دی ۔ حر بن عبدالرحمان سب سے پہلا عرب سردار ہے جس نے کوہستان البرانس کو عبور کرکے فرانس کی سر زمین میں قدم رکھا ۔ اس زمانے میں فرانس کا ملک کئی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور وہاں کے حکمران آپس میں اکثر لڑتے رہتے تھے ، ان کی نا اتفاقی سے عربوں نے فائدہ اٹھایا اور ایکی تاتیا کی ریاست کو تاخت و تاراج کیا اور سپنی ماتیا کے علاقہ میں شہر تیم تک جا پہنچے ، حر کے بعد اس کے جانشین سمع بن مالک خولانی نے دوبارہ فوج کشی کی ، یہاں کا سب سے اہم شہر اربونہ تھا ، سمع نے اربونہ (arbune) فتح کرکے اسے فوجی لحاظ سے خوب مضبوط کیا اور آیندہ پیش قدمی کے لیے اسے اپنا مرکز بنایا ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۱ھ میں چالیس سال کی عمر میں وفات پائی ، ان کی مدت خلافت صرف اڑھائی سال ہے ۔

۱۰ - یزید بن عبدالملک

۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی وفات کے بعد سلیمان کی وصیت کے مطابق یزید بن عبدالملک مسندِ حکومت پر بیٹھا - یزید ایک آرام طلب اور عیش پسند شخص تھا - اس نے عنان حکومت سنبھالتے ہی ان تمام اصلاحات کو منسوخ کر دیا جو عمر بن عبدالعزیز نے نافذ کی تھیں اور بنو امیہ کے پرانے جابرانہ دستور حکومت کو دوبارہ جاری کر دیا -

یزید بن مہلب کی بغاوت

مہلب بن ابی صفرہ بڑا تجربہ کار سپہ سالار تھا ، اس نے خلیفہ عبدالملک کے عہد میں بڑے کار ہائے نمایاں انجام دیے تھے ، اس کے بیٹوں نے بھی اپنی قابلیت کی بدولت بڑا عروج پایا ، خصوصاً اس کے بیٹے یزید کو خلیفہ سلیمان کا خاص قرب حاصل تھا - سلیمان ، حجاج اور اس کے متعلقین کے ظلم و ستم کو ناپسند کرتا تھا ، چنانچہ اس کے اشارے پر یزید بن مہلب نے سلیمان کے عہد حکومت میں حجاج کے عزیزوں کا بہت سا مال و دولت ضبط کر لیا جو انھوں نے اپنے ظلم و تعدی سے اکٹھا کیا تھا - ان لوگوں میں حجاج کی بھتیجی بھی تھی ، جو یزید بن عبدالملک کے عقد نکاح میں تھی - یزید بن مہلب نے اس خاتون کی وہ جایداد بھی ضبط کرلی ، جو اسے اپنے باپ کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی ، اس بات سے یزید بن عبدالملک بہت برہم ہوا اور وہ یزید بن مہلب کا دشمن بن گیا -

جب یزید بن مہلب نے دیکھا کہ یزید بن عبدالملک خلیفہ بننے والا ہے تو اس کو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہوا اور اس نے یزید بن عبدالملک کے خلاف علم بغاوت بلند کیا - جب یزید بن

عبدالملک کو اس بغاوت کی خبر پہنچی تو اس نے اپنے بھائی مسلمہ کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا ، یزید بن مہلب کی فوج نے شکست کھائی اور وہ میدانِ جنگ میں مارا گیا ۔ اس شکست کے بعد یزید بن مہلب کے بھائی اور اس کے خاندان کے دوسرے لوگ جنوب کی طرف بھاگ گئے، لیکن دشمنوں نے ان کا تعاقب کرکے ان سب کو قتل کر ڈالا ، چنانچہ مہلب کے نامور اور کثیر الافراد خاندان میں سے صرف چند عورتیں اور چھوٹی عمر کے دو لڑکے سلامت بچے ۔

دولت بنو امیہ کا انحطاط

اگرچہ یزید بن مہلب کی بغاوت ناکام رہی لیکن اس کے نتائج اموی حکومت کے لیے سخت خطرناک اور ضرر رساں ثابت ہوئے ۔ یزید بن مہلب، یمنی قبیلہ ازد سے تھا ۔ اس کے مارے جانے کے بعد یزید بن عبدالملک نے اس کے خاندان اور قبیلے کو تباہ و برباد کرنے میں جس سنگدلی اور بے رحمی کا ثبوت دیا ، اس سے تمام یمنی قبیلے آگ بگولا ہوگئے اور یمنی اور مضری عربوں کے درمیان دشمنی کی آگ از سرِ نو بھڑک اٹھی اور وہ اندلس ، افریقہ اور مشرقی ملکوں میں ہر جگہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مفتوحہ اقوام نے عربی مملکت کی اندرونی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ہر طرف سے سر اٹھالیا ، چنانچہ ترکستان میں سغد اور فرغانہ کے لوگوں نے عربوں کے خلاف بغاوت کر دی ۔ قفقاز کے علاقے میں حزر اور قبچاق اقوام نے عربوں کو دو مرتبہ زک پہنچائی اور انھیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ، ان کے علاوہ افریقہ کے اہلِ بربر نے بھی سرکشی اختیار کرلی ۔

یزید بن عبدالملک نے ۱۰۵ھ (۷۲۴ء) میں چار سال کی حکومت کے بعد وفات پائی ۔ اس وقت اس کی عمر چالیس سال کی تھی ۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک تخت حکومت پر بیٹھا ۔

۱۱ - هشام بن عبدالملک

۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ

اپنی تدبیر اور عالی ہمتی کی بدولت خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا شمار مشہور اور الوالعزم خلفا میں ہوتا ہے - جب اس نے زمامِ حکومت سنبھالی تو سلطنت کی حالت بہت بگڑی ہوئی تھی - شمالی سرحد پر خزرو اور ترک دباؤ ڈال رہے تھے - ملک کے اندر تحط الرجال تھا کیونکہ عرب قوم کے طاقتور اور ممتاز خاندان، حکمرانوں کے ذاتی بغض و کینہ اور قبائل کی باہمی رشک و رقابت کی بھینٹ چڑھ چکے تھے - ہشام نے بڑی ہمت اور استقلال کے ساتھ ان مشکلات کا سامنا کیا - ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا، رومیوں کا مقابلہ کیا، الغرض اس نے اپنے عہد حکومت کے بیس سال اسی جد و جہد میں گزار دیے، لیکن اپنی تمام تر تدبیر اور بیدار مغزی کے باوجود وہ اس روز بد کو نہ ٹال سکا، جو بنو امیہ پر آنے والا تھا - اگرچہ ہشام کی فوجی مہمیں کامیاب رہیں، لیکن اس سے بنو امیہ کی حکومت کو استحکام اور اس کے خاندان کو دوام حاصل نہ ہو سکا -

ارمینیہ اور قفقاز کی جنگیں

ہشام کے عہد میں قفقاز اور ارمینیہ میں بھی خزر اور الان قوموں کے ساتھ کئی سال تک جنگ جاری رہی اور جنگ کے دوران میں ان کو ایک سے زیادہ مرتبہ زک اٹھانا پڑی - خلیفہ ہشام نے ان کے مقابلے کے لیے تازہ دم فوج بھیجی، جس نے خزر کو شکست دی - فریقین کے درمیان کئی سال تک جنگ جاری رہی - کبھی عرب فتح یاب ہو کر قفقاز کے علاقے میں دور تک نکل جاتے اور کبھی خزر ان کو پیچھے دھکیل دیتے - آخرکار ہشام نے مروان بن محمد کو عربی فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے ان کے مقابلہ میں بھیجا - اس نے کئی سال کی مسلسل جنگ کے بعد ارمینیہ سے لے کر طبرستان تک

تمام ملک مطیع بنا لیا اور بحیرہ خزر کا علاقہ بھی دوبارہ سر کرلیا۔

عربوں کی پیش قدمی فرانس میں

امیر سمح ، ایکی تانیا کے حاکم کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس کے بعد عنبسہ ، اندلس کا والی مقرر ہوا۔ اس نے ۱۰۷ھ میں سرحد عبور کرکے فرانس پر چڑھائی کی اور قرقشونہ اور نیم کے شہر کے لیے۔ اہلِ قرقشونہ نے خراج دے کر اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ عربوں کے حلیف رہیں گے۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد امیر عنبسہ کوہ پیرینیز کی ایک وادی میں عیسائیوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔

۱۱۳ھ میں عبدالرحمٰن غافقی ، اندلس کا والی مقرر ہوا۔ اس نے ملک کا خاطر خواہ بندوبست کرنے کے بعد فرانس پر چڑھائی کرنے کے لیے اعلیٰ پیمانے پر تیاری کی اور ۱۱۴ھ میں وہ کوہ پیرینیز کے مغربی دروں سے ایک بھاری فوج کے ساتھ فرانس کی حدود میں داخل ہوگیا اور بورڈیو کی بندرگاہ کی طرف بڑھا۔ ایکی تانیا کی حاکم نے اس کی مزاحمت کی لیکن عربوں کو روکنے میں ناکام رہا۔ عربوں نے بورڈیو پر قبضہ کرکے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا ، پھر برگنڈی کے علاقے میں داخل ہوکر لیون اور دوسرے شہر فتح کیے۔ امیر عبدالرحمٰن نے ان مفتوحہ شہروں میں فوجی دستے متعین کرکے خود شمال کا رخ کیا۔

جنگ طورش

جب ایکی تانیا کے حکمران (ڈیوک) نے دیکھا کہ عربوں کے حملوں کو روکنا اس کی بساط سے باہر ہے تو اس نے مجبور ہو کر اپنے حریف چارلس مارٹل سے امداد کی درخواست کی ، ڈیوک کے علاوہ فرانس کے دوسرے امرا نے بھی چارلس کو غیرت دلائی۔ چارلس نے خود بھی محسوس کیا کہ عربوں کی پیش قدمی تمام فرانس کے لیے خطرناک ہے ، اس لیے اس نے ان کو روکنے کے لیے فرانس اور جرمنی

کی جنگجو قوموں کا ایک لشکر جرار تیار کیا ۔ اس وقت عربی فوجیں شہر ٹورس تک بڑھ آئی تھیں ۔ یہیں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور کئی دن تک میدانِ کارزار گرم رہا ۔ عربوں نے اپنی فتوحات کے دوران میں بہت سا مال غنیمت سمیٹ لیا تھا ۔ ایک دن جب جنگ زوروں پر تھی تو فرنگیوں نے اچانک عربوں کے خیمہ گاہ کا رخ کیا ، اس پر عربی فوج کو مال غنیمت کی فکر دامن گیر ہوئی اور ان کے پائے ثبات میں لغزش آ گئی ۔ امیر عبدالرحمٰن داد شجاعت دیتا ہوا مارا گیا ۔ اس سے اہل لشکر کی ہمت اور بھی پست ہو گئی ۔ دن بھر کی لڑائی کے بعد جب جنگ ملتوی ہوئی تو عربوں نے رات کی تاریکی میں خاموشی سے اپنا کیمپ خالی کر دیا اور جنوب کی طرف پسپا ہو گئے ۔ چارلس نے عربوں کی پسپائی کو غنیمت سمجھا اور ان کا تعاقب کرنے کی بجائے اپنے دارالسلطنت کی راہ لی ، اس نے بزعم خود عربوں کی فوجی طاقت پر جو ضرب کاری لگائی تھی ، اس کی بنا پر اس نے مارٹل (Mortal) یعنی ہتھوڑے کا لقب اختیار کیا طورس کے میدان میں عربوں نے جو زک اٹھائی اس سے فرانس کی شمالی جانب میں ان کی مزید پیش قدمی رک گئی ، لیکن وہ تھوڑے ہی عرصے میں سنبھل گئے اور ان کی فتوحات کا رخ مشرقی علاقوں کی طرف پھر گیا ۔ چارلس مارٹل نے ان کی پیش قدمی روکنے کے لیے وسطی فرانس کے ایک وسیع علاقے کو خاک سیاہ کر دیا تاکہ برباد شدہ علاقہ اس کی سلطنت اور عربی مقبوضات کے درمیان حائل رہے ۔

اندلس کے نئے والی عبدالملک بن قطن نے اندلس میں امن و امان قائم کرکے جنوبی فرانس کا قصد کیا اور جو مقامات عربوں کے قبضے میں تھے انھیں خوب مستحکم کیا ۔ ۱۱۶ھ میں اربونہ کے عرب حاکم نے دریائے رون (Rhone) کو عبور کرکے ایتون کے شہر پر چڑھائی کی اور فرنگیوں کی مزاحمت کے باوجود اسے فتح کر لیا ۔ یہ شہر کئی سالوں تک عربوں کے قبضے میں رہا ۔

عربوں کی پیش قدمی مشرقی فرانس میں

عبدالملک کے بعد امیر عقبہ، اندلس کا والی مقرر ہوا ۔ اس نے بھی عربی مقبوضات کے استحکام پر خاص توجہ کی اور جنوبی فرانس میں کئی بار فوج کشی کی ۔ چنانچہ ۱۱۷ھ میں دوفیتے کے علاقے میں داخل ہوکر بہت سے شہر فتح کیے اور اپنے فوجی دستے برگنڈی تک پھیلا دیے ۔ ادھر مشرق میں عرب فوجیں پیدموں تک جا پہنچیں اور انھوں نے کئی مقامات پر چھاؤنیاں قائم کر لیں اور آن کی فتوحات کا قدم رفتہ رفتہ کوہستان ایلپس تک جا پہنچا ۔ الغرض جنوبی فرانس میں عربوں کی حکومت تقریباً دو سال تک قائم رہی چنانچہ ان علاقوں میں ان کے دھندلے سے آثار اب تک باقی ہیں ۔

۱۲ ۔ ولید ثانی

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ

خلیفہ ہشام کے بعد یزید ثانی کا بیٹا ولید ثانی ۱۲۵ھ میں تخت حکومت پر بیٹھا ۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی ہشام کی اولاد اور اس کے دیگر متعلقین کے ساتھ انتہائی بدسلوکی روا رکھی اور اس کے مقرر کردہ عاملوں کو برطرف کر دیا تھا ۔ اس نے یمنی قبائل کو بھی نظروں سے گرا دیا ۔ اگرچہ ولید نے لشکریوں کی تنخواہیں بڑھا دی تھیں اور اپنے درباریوں کو مالا مال کر دیا تھا، لیکن اس کی عیش پسندی اور اس کے ظلم و ستم سے رعایا کے طبقے جلد بیزار ہوگئے ۔ اس نے اپنے دو کمسن بیٹوں کو اپنا ولی عہد بنایا اور جو شخص ان کی جانشینی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا، اسے قید خانے میں ڈال دیتا، الغرض حکمران خاندان اور رعایا کی بددلی کو دیکھ کر خلیفہ ولید کے بیٹے یزید نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور یمنی عربوں کی مدد سے اسے شکست دی اور بعد میں قتل کر دیا ۔ یہ واقعہ ۱۲۶ھ کا ہے ۔ ولید نے صرف ایک سال حکومت کی ۔

۱۳ - یزید ثالث

۱۲۶ھ

اموی خاندان کی نااتفاقی اور خانہ جنگی سے حکمران خاندان کی ہیبت اور اس کا رعب داب رعایا کے دلوں سے جاتا رہا اور وہ حکام کی مخالفت میں بے باک ہو گئے - یزید ثالث نے یمنی قبیلوں کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی ، اس لیے یمنی اور مضری قبیلوں کی رقابت بھی دوبارہ بھڑک اٹھی اور اکثر مضری عرب ، یزید کے مخالف ہو گئے چنانچہ شام کے کئی شہروں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی - بنوامیہ کے درمیان مختلف پارٹیاں بن گئیں اور اموی خاندان کے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے - چنانچہ مروان بن محمد بن مروان نے ''الجزیرہ'' پر قبضہ کر لیا - وہ دارالخلافہ پر چڑھائی کرنے کو تھا کہ یزید نے اسے ''الجزیرہ'' اور ''ارمینیہ'' کا گورنر بنا کر اسے خاموش کر دیا - یزید ثالث نے چھ ماہ کی پرآشوب حکومت کے بعد ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں وفات پائی -

۱۴ - مروان ثانی

۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ

یزید ثالث کے انتقال کے وقت مروان بن محمد پہلے ہی کئی صوبوں کا حاکم تھا اور خلافت پر دانت تیز کر رہا تھا - چنانچہ اس نے شام پر چڑھائی کر دی اور حکومت پر قابض ہو گیا -

مروان ایک سن رسیدہ ، تجربہ کار اور بہادر شخص تھا ، لیکن اموی سلطنت کا نظام ایسا درہم برہم ہو چکا تھا کہ اس کا درست کرنا اس کی بساط سے باہر تھا - بنو امیہ میں کئی سال سے خانہ جنگی جاری تھی - حکمران خاندان کے کئی افراد ایک دوسرے کے ہاتھ سے مغلوب یا مقتول ہو چکے تھے - اس کے علاوہ عربی قبیلے جن پر اموی حکومت کا دارو مدار تھا ، ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان تھے - علاوہ ازیں عباسی تحریک بیس پچیس سال سے

جاری تھی اور آہستہ آہستہ اموی حکومت کی جڑوں کو کھوکھلا کر چکی تھی ۔ غرضیکہ کئی اسباب سے اموی حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی ، کہ مروان اس کا سد باب نہ کر سکا ۔

عباسی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ خلافت کو بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکال کر حضرت عباس رضؓ کی اولاد میں منتقل کر دیا جائے ۔ اس تحریک کو خراسان میں خاص طور پرکامیابی ہوئی کیونکہ یہاں کے لوگ اموی حکومت سے بہت بیزار تھے ۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں ایک ایرانی ابو مسلم نے سب سے زیادہ حصہ لیا ، جو تاریخ اسلام میں ابو مسلم خراسانی کے نام سے مشہور ہے ۔ ابومسلم نے بڑی ہوشیاری اور مستقل مزاجی سے اس تحریک کو پھیلایا اور چند سالوں میں اس تحریک نے اتنی قوت پکڑ لی کہ بنی عباس کے طرف دار ، اموی حکومت کے خلاف علانیہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ۱۲۹ھ میں ابومسلم نے مرو کے قریب بنی امیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ۔ دوسرے مقامات کے باشندے بھی اس کے ساتھ ہو گئے اور انھوں نے اموی فوجوں کو اپنے ہاں سے نکال دیا ۔ خراسان کے عربی قبیلے ایک دوسرے کے مخالف تھے ، اس لیے وہ ابو مسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت کو نہ دبا سکے ۔ خراسانی فوج نے آخر کار مشرق کی طرف چڑھائی کر کے عراق پر قبضہ کر لیا اور بنی عباس کے طرف داروں نے ۱۳۲ھ میں کوفہ میں ابوالعباس ، عبداللہ عباسی کو خلیفہ تسلیم کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔

جنگ ازب اور بنی امیہ کا خاتمہ

بیعت عامہ کے بعد ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان کے مقابلے کےلیے بھیجا، مروان اس وقت ایک لاکھ فوج کے ساتھ دریائے زاب کے کنارے ڈیرے ڈالے پڑا تھا ۔ اموی فوج نے شکست کھائی اور مروان ، شام کی طرف پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا ۔ چونکہ اہل شام نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا ، اس لیے مروان ، مصر کی طرف

نکل گیا ۔ دشمن اس کے تعاقب میں تھا ۔ چنانچہ ۱۳۲ھ کے آخری مہینے میں مروان، بوصیر کے مقام پر لڑتا ہوا مارا گیا ، اس کے قتل سے مسلم سلطنت کے تمام مشرقی ملکوں میں اموی حکمرانوں کا خاتمہ ہو گیا ، اور اموی حکومت کا چراغ گل ہو گیا ۔

بنی امیہ کے زوال کے اسباب

بنی امیہ نے نوے سال حکومت کی ۔ اس عرصے میں سلطنت کی حدود بحر اوقیانوس سے لے کر سندھ اور کابل تک پھیل گئیں ۔ مرکزی ایشیا کا بھی بہت سا علاقہ فتح کر لیا گیا اور مسلم مملکت کی حدیں چین کی سرحد تک جا پہنچیں ۔ اس دور میں مسلم مجاہدین کے ہاتھوں اتنی فتوحات ہوئیں کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۔ اس کے ساتھ ساتھ اس وسیع سلطنت کی آبادی کے بڑے حصے نے اسلام بھی قبول کر لیا ۔ اس دور کے علما نے علم حدیث ، فقہ ، قرأت ، سیرت اور تاریخ جیسے علوم کی بنیاد ڈالی ۔ اسی عہد میں یونانی زبان سے طب اور ہیئت کی کتابوں کے ترجمے کا کام بھی شروع کیا گیا ۔

اس خاندان میں شروع کے بعض حکمرانوں نے انتظام سلطنت میں بڑی قابلیت اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا ۔ انھوں نے اپنے مخالفین کے دلوں کو ہاتھ میں لینے کی بہت کوشش کی ۔ بنو ہاشم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہل بیت کو بیش بہا وظیفے دیے لیکن بعد کے حکمرانوں نے عیش و عشرت میں پڑ کر حکومت کے کاموں میں دل چسپی لینا چھوڑ دی ، اس لیے مخالفین کو سر جوڑ کر بیٹھنے کا موقعہ مل گیا ۔ بنو امیہ کے مخالفین میں بڑے بڑے گروہ مندرجہ ذیل تھے ۔

(۱) شیعان علی : یہ لوگ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے ۔ یزید بن معاویہؓ کے عہد میں

حضرت حسینؑ کی شہادت کا المناک حادثہ پیش آیا جس سے شیعان علیؓ کی نفرت اور مخالفت شدید سے شدید تر ہوتی گئی ۔ اور ان کے دل میں انتقام کی آگ سلگتی رہی ۔ عبدالملک کے زمانے میں شیعان علی نے مختار ثقفی کا ساتھ دیا ، عجمی لوگ عربوں سے بالعموم اور بنی امیہ سے بالخصوص متنفر تھے ، اس لیے شیعی خیالات نے ایران اور خراسان کی سر زمین میں خاص طور پر فروغ پایا اور عباسی تحریک کی کامیابی کے لیے راستہ صاف کر دیا ۔

خارجی فرقہ

(ب) یہ فرقہ پہلے دو خلفاء کے بعد کسی کو خلیفہ نہیں مانتا تھا ۔ انھوں نے بنو امیہ کی بڑی مخالفت کی ، دراصل وہ ہر حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھانا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے چنانچہ ان کی مسلسل بغاوتوں سے سلطنت میں ایک مدت تک بدامنی رہی اور اس سے حکمرانوں کے اقتدار کو ضعف پہنچا ۔

(ج) اگرچہ موالی یعنی نو مسلم عجمیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ عربوں کے دینی بھائی بن چکے تھے ، لیکن اس کے باوجود عربوں نے ان کو کبھی اپنا ہمسر تسلیم نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کو حکومت میں شریک کیا ۔ لہذا موالی اپنی سیاسی اور معاشرتی پستی کو سختی سے محسوس کرتے تھے اور حکام کی طرف سے بدل رہتے تھے ۔ چنانچہ عبدالملک کے عہد میں جب مختار ثقفی نے عراق میں سر اٹھایا تو موالیوں نے اس کا ساتھ دیا ۔

۲ ۔ بنی امیہ کے زوال کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ ان کے عہد میں عربی قبائل کی عصبیت یعنی ان کی باہمی رشک و رقابت نے دوبارہ سر اٹھایا ۔ عرب قبائل دو بڑے گروہوں مضری اور یمنی میں تقسیم تھے ۔ مضری قبائل کا تعلق حجاز کی سر زمین سے تھا اور یمنی قبائل کا یمن سے ۔ اسلام نے کچھ مدت کے لیے زمانہ جاہلیت

کی اس عصبیت کو دبا دیا تھا اور عربی قبیلوں کو آپس میں متحد کر دیا تھا ۔ لیکن اموی دور میں مضری اور یمنی قبیلوں کی باہمی دشمنی کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی جس نے عرب قوم اور اموی حکومت دونوں کو کمزور کر دیا ۔ اس باہمی عداوت کا ظہور سب سے پہلے مروان کے عہد میں ہوا ، جب راہط میں مضری اور یمنی قبیلوں کے درمیان ایک نہایت خون ریز جنگ ہوئی ۔ اگرچہ اس جنگ میں مروان ، یمنی قبائل کی امداد سے کامیاب ہو گیا ، لیکن مضری قبائل کے دلوں میں انتقام کی آگ برابر سلگتی رہی اور یہ منافرت سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھی پھیل گئی ۔ اس مسلسل خانہ جنگی سے عربوں کے کئی نامور خاندان مثلاً آل مہلب اور آل حجاج وغیرہ مٹ گئے : نتیجہ یہ ہوا کہ عرب لوگ اپنے مخالفوں کے مقابلے میں بہت کمزور ہو گئے ۔

۳ ۔ بنی امیہ کے زوال کا تیسرا سبب یہ ہوا کہ ان کے حکمرانوں کی جانشینی کا کوئی خاص دستور یا قاعدہ مقرر نہ تھا مثال کے طور پر امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا ، مروان کے زمانے سے اموی حکمرانوں نے ایک کی بجائے دو دو ولی عہد نامزد کرنے شروع کر دیے اور جب کوئی حکمران اس میں تبدیلی کی کوشش کرتا تو اس سے شاہی خاندان کے ارکان میں باہمی رنجش اور عداوت پیدا ہو جاتی تھی ۔ اس باہمی خانہ جنگی سے اموی خاندان کا شیرازہ بکھر گیا ۔

۴ ۔ بنی امیہ کے زوال کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ ان کی عیش پسندی نے رفتہ رفتہ ان کے مردانہ جوہر اور اوصاف سلب کر لیے ۔ ان کے اسلاف سخت کوش اور عرب کی سادہ زندگی کے عادی تھے ، لیکن شہری زندگی کے آرام و آرائش نے ان کے اخلاق پر بہت برا اثر ڈالا اور مال و دولت اور سامان عشرت کی فراوانی ان کے لیے مہلک ثابت ہوئی ۔

مذکورہ بالا اسباب سے بنو امیہ کی حکومت رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئی اور رعایا کے دلوں میں ان کے خلاف جو نفرت پیدا ہو گئی تھی، بنو عباس نے اسے اپنے پراپیگنڈا سے اور ابھارا اور آخر کار اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔

اموی عہد پر تبصرہ

بنو امیہ کے عہد حکومت کی خصوصیات

بنو امیہ کے عہد میں اسلامی سلطنت کو خلفا راشدین کی جمہوری خلافت کے بجائے ایک دنیاوی حکومت کی صورت دے دی گئی - خلیفہ کا تقرر جمہور کے انتخاب کی بجائے خاندانی وراثت کے اصول پر ہونے لگا ، ہر حکمران اپنی زندگی ہی میں ایک ایک ، دو دو جانشین نامزد کر جاتا تھا اس لیے ان کے زمانے میں وہ تمام خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں جو ایک خود مختار شخصی حکومت کے لیے لازم ہیں - جمہور کی آواز اتنی دب گئی تھی کہ عام مسلمانوں کے لیے امور سلطنت میں مشورہ یا دخل دینے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی - اگرچہ بعض اموی حکمرانوں نے بیت المال کا صحیح مصرف کیا - اس سے سلطنت کا دفاع مضبوط کیا ، ساحلوں کی حفاظت کے لیے بحری بیڑا بنایا ، سرحدوں پر قلعے تعمیر کیے ، نئی چھاونیوں اور فوجی نو آبادیوں کی بنیاد ڈالی ، زراعت کی ترقی کے لیے نہروں کا انتظام کیا ، سلطنت کے ہر صوبے میں سڑکوں کا جال پھیلا دیا ، لیکن ان میں سے بعض حکمران ایسے بھی تھے جنھوں نے بیت المال کو اپنا ذاتی خزانہ سمجھ رکھا تھا - جس طرح چاہتے ، خرچ کرتے تھے - خلیفہ عبدالعزیز نے اپنے عہد میں ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی تمام اصلاحات کو خاک میں ملا دیا گیا -

۲ - بنو امیہ کی حکومت ایک خالص عربی سلطنت تھی ، کیونکہ حکومت کی باگ ڈور عرب قوم کے ہاتھ میں تھی اور سلطنت

کے سیاہ و سفید کے وہی مالک تھے - حکومت کے تمام اہم انتظامی عہدے انھی کو ملتے تھے - چونکہ سلطنت انھی کے زور بازو سے قائم ہوئی تھی ، اس لیے حکومت کے فوائد سے متمتع ہونے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے - جب مختار ثقفی نے عراق کے موالیوں کو مال غنیمت سے حصہ دلایا تو عرب لوگ اس مساویانہ سلوک سے بہت برہم ہوئے ، اگرچہ مفتوحہ اقوام میں سے بہت سے عجمیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن عربوں نے کبھی ان کو اپنے جیسا تسلیم نہیں کیا تھا -

ظہور اسلام سے پہلے عرب لوگ مختلف قبیلوں میں منقسم تھے اور جب وہ بیرونی فتوحات کے بعد مفتوحہ ملکوں میں آباد ہوئے تو ان کی قبائلی تقسیم بدستور قائم رہی ، خصوصاً مضری اور یمنی قبیلوں کا باہمی امتیاز پہلے کی طرح نمایاں رہا اور عربوں کی اندرونی کمزوری کا باعث ہوا -

۳ - اموی خاندان کے اکثر حکمران عیش و عشرت کے دلدادہ تھے اور سلطنت کے کاروبار میں بہت کم دلچسپی لیتے تھے ، تاہم اس خاندان میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے حکمران بھی تھے جن کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے - ان ہی میں معاویہ بن یزید بھی تھا جو نہایت دین دار اور صالح جوان تھا - وہ تین ماہ بعد ہی سلطنت سے دست بردار ہو گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ جسے چاہو خلیفہ بنا لو - حضرت امام حسنؓ کے بعد سلطنت چھوڑنے کی یہ دوسری مثال تھی - اموی حکمرانوں کی تن آسانی اور عیش و عشرت سلطنت کے زوال کا موجب ہوئی اور اموی خاندان کے اکثر حکمرانوں میں خالص اسلامی روح کمزور رہی اور وہ اس مذہبی احکام کی طرف سے لاپرواہی برتتے رہے -

۴ - بنو امیہ کی حکومت تمام عالم اسلام پر حاوی تھی ، یعنی کوئی مسلم ملک ایسا نہیں تھا جو ان کے دائرہ اختیار سے باہر

ہو - بعد کے زمانے میں مسلم دنیا کی یہ وحدت قائم نہ رہ سکی - اگرچہ بنی عباس نے بنی امیہ کی جگہ لے لی ، لیکن اندلس یا سپین کا ملک ابتدا ہی سے ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا - اس کے علاوہ سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھی کئی خاندان یکے بعد دیگرے خود مختار بن بیٹھے تھے اور اس طرح مسلم سلطنت کی سیاسی وحدت ختم ہو کر رہ گئی تھی -

اموی سلطنت کا نظم و نسق

بنو امیہ کے عہد میں مسلم سلطنت حسب ذیل پانچ بڑی ولایتوں یا صوبوں میں منقسم تھی -

(۱) عراق جس کا صدر مقام کوفہ تھا - اس میں ایران اور عرب کے مشرقی علاقے شامل تھے - خراسان کا حاکم بھی والیٔ عراق کے زیر نگین تھا ، خراسان کا صدر مقام ، مرو کا شہر تھا -

(۲) حجاز ، نجد اور یمن کے علاقے ایک والی کے سپرد تھے -

(۳) الجزیرہ ، ارمینیہ اور آذر بائیجان ایک گورنر کے ماتحت تھے -

(۴) مصر کی ولایت الگ تھی -

(۵) شمالی افریقہ کی ولایت کا صدر مقام قیروان تھا اور اس میں اندلس کا ملک بھی شامل تھا -

سلطنت کے انتظام کے لیے متعدد محکمے تھے ، مثلاً 'دیوان الخراج' جس میں سلطنت کے محاصل اور مالیات کا حساب رکھا جاتا تھا ، فوج اور پولیس کی تنخواہوں کے حساب کے لیے الگ الگ محکمے تھے - 'دیوان الانشاء' یا 'دیوان الرسائل' جس میں شاہی فرامین اور احکام تیار ہوتے تھے اور امیروں اور والیوں کے نام بھیجے جاتے تھے ، ان کی نقلیں 'دیوان الخاتم' میں محفوظ رکھی جاتی تھیں -

ہر ایک ولایت کے انتظامی اور فوجی معاملات ، وہاں کے والی کے ہاتھ میں ہوتے تھے، لیکن مالیانہ کی وصولی کے لیے بعض اوقات ایک الگ عامل مقرر کر دیا جاتا تھا ، اسے صاحب الخراج کہتے تھے - مقامی اخراجات پورے کرنے کے باقی مانده رقم دارالخلافہ کے مرکزی بیت المال یعنی خزانہ میں بھیج دی جاتی تھی -

بڑے بڑے شہروں میں قاضی مقرر تھے ، جو مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے - اوقاف اور یتیموں کے مال کی نگرانی بھی انھی کے سپرد تھی - غیر مسلموں کے جھگڑے ان کے مذہبی پیشوا طے کرتے تھے -

اموی عہد کا فوجی نظام

بنی امیہ کی فوجی طاقت کا دار و مدار بیشتر شام کے عربوں پر تھا ، جب حجاج کی سیاست سے عراق بھی بنی امیہ کا مطیع بن گیا ، تو مشرقی ملکوں کی فتوحات کے لیے کوفہ اور بصرہ میں بھی عربی فوجیں تیار رہنے لگیں - اندرونی بغاوتوں اور عربوں کی خانہ جنگی کے باوجود اموی عہد میں عربوں کی فوجی طاقت انتہائی عروج پر پہنچ گئی اور ان کے عہد میں مشرق میں سندھ اور ترکستان ، مغرب میں افریقہ اور اندلس جیسے وسیع و عریض ملک مفتوح ہو کر مسلم سلطنت میں شامل ہوئے - اس زمانے میں بہت سے با تدبیر اور نامور سپہ سالار مثلاً مہلب بن ابی صفرہ، محمد بن قاسم ، قتیبہ بن مسلم ، مسلمہ بن عبدالملک ، عقبہ بن نافع ، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد پیدا ہوئے ، جنھوں نے چار دانگ عالم میں عربوں کی دھاک بٹھا دی اور مسلم سلطنت کو بے مثال وسعت دی ، ان کی فتوحات کے نتائج پائدار ثابت ہوئے -

میدان جنگ میں فوج کو حسب ذیل پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا :

(۱) مقدمۃ الجیش (Vanguard)
(۲) قلب
(۳) میمنہ (Rightwing)
(۴) میسرہ (Lefting)
(۵) ساقہ (Rearguard)

آخری اموی خلیفہ مروان ثانی نے چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کو رواج دیا ، جن کو ''کردوس'' کہتے تھے - ہتھیار تقریباً وہی تھے جو خلافت راشدہ میں رائج تھے یعنی تلوار ، نیزہ اور تیر کمان ، قلعوں کی تسخیر کے لیے عربوں نے منجنیق اور دبابہ کا استعمال شروع کیا ، نیز آتشیں گولوں کا رواج بھی شروع ہوا ، جن میں رال کی قسم کا آتش گیر مادہ بھر کر دشمنوں پر پھینکتے تھے اور ان کے خیموں اور ساز و سامان کو جلا ڈالتے تھے -

عربوں کی بحری فوج کی بنیاد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہی پڑ چکی تھی - بنو امیہ نے اسے یہاں تک ترقی دی کہ چند سالوں میں عربی بیڑہ رومی بیڑے کا مدِ مقابل بن گیا اور بحیرہ روم میں عربوں کی دھاک بیٹھ گئی - مسلم سلطنت کی حدود سپین اور فرانس تک پھیل چکی تھیں ، چنانچہ اس کی پوری حفاظت بحری بیڑے کے بغیر نہیں ہوسکتی تھی - لہٰذا عربوں نے کئی بندرگاہوں میں جہاز سازی کے کارخانے قائم کر دیے تھے، جہاز سازی اور جہاز رانی میں عرب حکمران مفتوحہ قوموں سے بھی کام لیتے تھے -

اموی عہد کی معاشرت

اموی عہد میں مسلم سلطنت کی آبادی چار بڑے طبقوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے :
(۱) عرب فاتحین -
(۲) نو مسلم عجمی لوگ -

(۳) موالی -

(۴) اہل الذمہ یا ذمی لوگ -

(۱) جب عرب لوگ فتوحات کے بعد بیرونی ملکوں میں آباد ہوگئے تو ان کی زندگی میں بہت تبدیلیاں پیدا ہوگئی تھیں اور انہوں نے بہت سے عجمی رسوم و آداب اختیار کر لیے - بہت سے عربوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے شادیاں کر لیں اور چونکہ انہیں تعداد ازواج یعنی ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت تھی ، اس لیے تھوڑے ہی عرصے میں ان کی نسل میں حیرت انگیز اضافہ ہوا -

خراسان کے عربوں نے ایرانی عورتوں سے شادیاں کرکے ، ایرانی لباس اختیار کر لیا تھا - وہ نوروز اور مہرگان کا تہوار مناتے تھے ، اور اکثر لوگ فارسی سمجھ لیتے تھے - عرب فاتحین اپنی مملکت کے انتظام اور استحکام میں مصروف رہتے تھے اس لیے انھیں کاشت کاری اور صنعت و حرفت کے لیے نہ تو فرصت تھی اور نہ دلچسپی ، اس لیے یہ مشاغل بیشتر موالی اور ملکی لوگوں کے ہاتھ میں رہے -

اموی خلفا کے دربار میں آہستہ آہستہ قیصر و کسریٰ کے نئے آداب اور تکلفات نے جگہ لے لی اور ان کے محلات میں ویسے ہی ساز و سامان دکھائی دینے لگے - کئی ایک حکمران راگ رنگ کے دلدادہ تھے - ان کی سرپرستی سے موسیقی نے بہت رواج پایا -

(۲) وہ نو مسلم عجمی ، جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور عربوں کی حمایت میں ان کے حلیفوں کی حیثیت سے رہتے تھے، موالی کہلاتے تھے - وہ دراصل اسیرانِ جنگ تھے جو فتوحات کے دوران عربوں کے ہاتھوں گرفتار ہو چکے تھے - اگرچہ قبولِ اسلام کے بعد ان کے مالکوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا لیکن وہ ضرورت کے وقت خدمت اور اعانت کے لیے طلب کیے جا سکتے تھے اور میدانِ جنگ میں ان کے دوش بدوش لڑتے تھے -

(۳) ذمی لوگوں میں مفتوحہ ملکوں کے یہودی، عیسائی اور زرتشتی شامل تھے - یہ لوگ حکومت کو جزیہ ادا کرتے تھے اور اس کے معاوضے میں حکومت ان کے جان و مال کی حفاظت کرتی تھی - مذہب کے معاملے میں انہیں پوری آزادی حاصل تھی اور ان کے باہمی مقدمات کا فیصلہ ان کے مذہبی پیشوا کرتے تھے - سرکاری ملازمت کے دروازے ان کے لیے کھلے تھے - قبولِ اسلام سے ان کی تعداد رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی -

(۴) جو لوگ لڑائی میں پکڑے جاتے اور زر فدیہ ادا نہ کرسکتے، وہ عرب فاتحین کے غلاموں کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے - اس طبقے میں افریقہ کے حبشی، ماور النہر کے ترک اور یورپ کے سفید رنگت والے صقلبی شامل تھے، ان لوگوں کے مالک ان سے ہر قسم کی خدمت لے سکتے تھے - شریعت اسلام میں غلاموں سے نیک سلوک کرنے کی سخت تاکید آئی ہے، اس لیے غلاموں کی حالت خانگی ملازموں سے ملتی جلتی تھی -

دارالخلافہ دمشق

دمشق ایک نہایت قدیم شہر ہے جو عربوں کی آمد سے پہلے رومی عہد میں بھی شام کا صدر مقام رہ چکا تھا، یہ شہر ایک نہر کے کنارے آباد ہے، جس کو بردیٰ کہتے ہیں - اموی خلفا نے اسے اپنا دارالخلافہ بنایا اور اسے بہت سی نفیس اور عظیم الشان عمارتوں، باغوں اور فواروں سے سجایا، امیر معاویہؓ نے اپنے لیے ایک محل تیار کرایا جو **'الخضرا'** کے نام سے مشہور ہوا - خلیفہ ولید نے بھی دمشق کو بہت سی خوبصورت عمارات سے زینت بخشی، اس نے دمشق کی جامع مسجد تعمیر کرائی جو اس کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے گی -

جس ایوان میں خلیفہ دربار لگاتا تھا اس کا فرش سنگِ مرمر کا تھا، اور اس فرش پر رنگ برنگ کے قیمتی قالین بچھے رہتے

تھے اور خلیفہ یہاں لباس فاخرہ پہن کر اپنے امیروں اور درباریوں کو باریابی کا شرف بخشتا تھا ۔

خلیفہ کا محل سنگِ مرمر اور دیگر خوبصورت اور قیمتی پتھروں سے تعمیر ہوا تھا ۔ اس کے ارد گرد خوبصورت باغات تھے، جن میں انواع و اقسام کے درخت ایستادہ تھے ، جہاں فوارے اور آبشاریں خوش گوار خنکی پیدا کرتی تھیں ۔ شہر میں آب رسانی کا انتظام بہت اچھا تھا ۔ جابجا نہریں بہتی تھیں جن کی بدولت تقریباً ہر گھر میں پانی کی افراط رہتی تھی ، شہر کے چھ دروازے تھے ، جن کے بلند برج دور دور سے نظر آتے تھے ۔

فنِ تعمیر

ظہورِ اسلام سے پہلے عربوں کا کوئی خاص اپنا طرزِ تعمیر نہ تھا ، لیکن اسلامی عہد میں انھوں نے حجاز اور شام میں جو مساجد اور محلات تعمیر کیے، ان میں رفتہ رفتہ عربی یا اسلامی طرزِ تعمیر کی خصوصیات پیدا ہوتی گئیں ۔ عبدالملک نے بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ بنوایا ، جو اپنی خوبصورتی میں لاجواب ہے ۔ اس کے بعد خلیفہ ولید نے دمشق کی جامع مسجد تعمیر کرائی ، جس کا شمار مسلم دنیا کی مشہور مساجد میں ہوتا ہے ۔ اموی خاندان کے بعض خلفا نے صحرائے شام میں محلات تعمیر کرائے تھے ، جہاں وہ شہری زندگی سے دور سیر و شکار میں اپنا وقت گزارتے تھے ۔ ان محلات کی دیواریں رنگین تصویروں سے مزین تھیں اور ان میں سے بعض تصاویر اب تک موجود ہیں اور خلفا کے ذوق اور ان کے طرزِ معاشرت کی غمازی کرتی ہیں ۔

اموی عہد کی علمی ترقی

خلافت راشدہ کا زمانہ بیرونی فتوحات اور خانہ جنگی میں گزرا، لہٰذا مسلمانوں کے ہاں علمی ترقی کی ابتدا اموی دور سے ہوئی ۔

چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اہلِ اسلام کے لیے شمع ہدایت کا کام دیتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں نے ان کو تلاش کرکے روایت کرنا شروع کیا۔ اس قسم کی روایات کو حدیث نبوی کہتے ہیں۔ ابتدا میں یہ روایات زبانی تھیں لیکن ۱۰۰ھ کے قریب ان کی کتابت شروع ہوئی، چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عمر کے آخری دس سال مدینے میں گزارے تھے اور ان کے اکثر صحابہ نے بھی وہیں سکونت اختیار کرلی تھی، اس لیے مدینہ ہی علم حدیث کا سب سے پہلا مرکز قرار پایا۔

ظہورِ اسلام کے وقت اسلامی سلطنت میں یونانی فلسفہ و حکمت کی بچی کچھی روایات کا سب سے بڑا مرکز سکندریہ تھا۔

شام (سوریہ) کے علما بھی یونانی علوم میں دسترس رکھتے تھے، اور بہت سی یونانی کتابوں کے سریانی زبان میں ترجمہ کرچکے تھے۔ اموی دور میں، عرب لوگ انھی کے ذریعے سے یونانی علوم سے آشنا ہوئے۔

اموی خاندان کے ایک رکن خالد بن یزید نے علم کیمیا اور طب کی متعدد کتابوں کا یونانی اور قبطی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے یونانی طبیبوں کو سکندریہ سے انطاکیہ اور حران میں منتقل کیا۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں اکثر علوم سینہ بسینہ روایت ہوتے رہے اور ان کی تعلیم بھی زبانی رہی، اس لیے کتابیں کم لکھی گئیں جو کتابیں لکھی بھی گئیں، وہ امتداد زمانہ سے ناپید ہوگئیں، ان وجوہ سے اموی عہد کی بہت کم تصانیف ہم تک پہنچی ہیں۔

اموی عہد کے متعلق امتحانی سوالات

(۱) بنی امیہ کے برسرِ اقتدار آنے سے اسلامی سلطنت کے طرز حکومت میں کیا تبدیلی رونما ہوئی؟

(۲) امیر معاویہؓ کا ایک مدبر سیاست داں کی حیثیت سے جائزہ لیجیے اور بتائیے کہ انھوں نے اسلامی سلطنت کے دستوری نظام میں کیا تبدیلی کی ؟

(۳) حادثۂ کربلا یعنی شہادت حضرت امام حسینؑ کو اختصار کے ساتھ بیان کیجیے اور واضح کیجیے کہ یہ حادثہ کس طرح بنی امیہ کے زوال کا باعث بنا ۔

(۴) 'بنو امیہ کی حقیقی عظمت کا بانی عبدالملک تھا، اس قول کی صحت یا عدم صحت پر واقعات کی روشنی میں بحث کیجیے۔

(۵) عبدالملک نے کون کون سی اصلاحات جاری کیں ۔

(۶) عبداللہ بن زبیرؓ کی سیرت اور ان کی زندگی کے واقعات قلم بند کیجیے اور بتائیے کہ ان کی ناکامی کے کیا اسباب تھے ؟

(۷) حجاج بن یوسف کے حالاتِ زندگی لکھیے اور اس کی سیرت اور اصول سیاست سے بحث کیجیے ۔

(۸) خلیفہ ولید کے عہد کی ملکی فتوحات کو بیان کیجیے اور ان کے نتائج پر روشنی ڈالیے ۔

(۹) عربوں کی فتح اندلس سے ملک کی آیندہ تاریخ پر کیا اثر پڑا ؟

(۱۰) خلیفہ ولید کے رفاہی کاموں کی تفصیل لکھیے ۔

(۱۱) خلیفہ سلیمان کی سیرت اور سیاست پر تبصرہ کیجیے ۔

(۱۲) حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جو اصلاحات جاری کی تھیں ان کی نوعیت اور ان کے نتائج سے بحث کیجیے ۔

(۱۳) اموی خاندان کے زوال کے اسباب بیان کیجیے ۔

(۱۴) اموی عہد کی سیاسی ، معاشرتی اور ادبی خصوصیات بیان کیجیے ۔

اندلس میں مسلمانوں کی حکومت

یورپ کے جنوب مغرب میں سپین کا ملک واقع ہے ، جو ایک لمبا چوڑا جزیرہ نما ہے ۔ عرب لوگ اس جزیرہ نما کو جس میں پرتگال کا ملک بھی شامل ہے ، اندلس کہتے آئے ہیں ۔ اس کتاب میں اندلس کا لفظ اس سر زمین کے لیے استعمال کیا گیا ہے ۔ اندلس کا بیشتر حصہ ایک سطح مرتفع ہے جس کا ڈھلوان مغرب کی جانب ہے ۔ اندلس کو چار بڑے دریا سیراب کرتے ہیں ۔ ان میں ایک بڑا دریا بحیرہ روم اور تین بحر اوقیانوس میں گرتے ہیں ۔ سب سے جنوبی دریا کا نام ''وادی الکبیر'' ہے ، اسے آج کل عربی زبان میں ''گوادل کیور'' کہتے ہیں ۔ قرطبہ اور اشبیلہ کے مشہور تاریخی شہر بھی اسی دریا کے کنارے آباد ہیں ۔

مسلمانوں کی آمد سے پہلے اندلس پر قوطی (Gothic) خاندان کے بادشاہ حکمران تھے ۔ ملک سرسبز و شاداب تھا ، لیکن رعایا کی حالت اچھی نہ تھی ۔ حکام عیش پرست تھے اور پادری لوگ سلطنت کے کاروبار میں حد سے بڑھ کر دخیل تھے ۔ امرا ہر قسم کے ٹیکسوں سے بری تھے اور محاصل کا بیشتر بار کسانوں ، دستکاروں اور دیگر نچلے طبقوں پر تھا ۔ صنعت و حرفت برائے نام تھی ، تجارت کا بازار سرد تھا ۔ رعایا کے مختلف طبقوں میں باہمی نفرت زوروں پر تھی ، الغرض اندلس کی یہ حالت تھی کہ اس کے جنوبی ساحل پر مجاہدین اسلام کا لشکر نمودار ہوا ۔

فتح اندلس

عربوں نے اندلس کو خلیفہ ولید کے زمانے میں فتح کیا تھا، اس کا مختصر بیان اموی حکومت کے تحت آچکا ہے۔ عربوں کی فتح سے اندلس کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ عربوں نے ان وحشی قوموں کی طرح جو ان سے پہلے اندلس پر حملہ آور ہو چکی تھیں۔ ملک کو تباہ و برباد نہیں کیا بلکہ مفتوح قوم کے ساتھ رواداری برتی اور ان کو پوری مذہبی آزادی دی اور ملک میں ایسا عادلانہ نظام حکومت قائم کیا، جو ان لوگوں کو پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ کلیسا کی زمینیں اور ان امرا کی جاگیریں جو شکست کھا کر بھاگ گئے تھے، عام کاشتکاروں میں تقسیم کر دیں اور مالکان اراضی پر بلالحاظ مذہب لگان مقرر کیا۔

اندلس کی فتح کے بعد اس ملک کی حکومت ایک امیر کے ہاتھ میں رہی۔ بعض اوقات اسے قیروان (افریقہ) کا والی مقرر کرتا تھا اور بعض اوقات اس کا تقرر براہ راست خلیفہ دمشق کی طرف سے ہوتا تھا اس دور کو "عہد امارات" کہتے ہیں۔ ابتدا میں اندلس کا امیر اشبیلیہ کے شہر میں رہتا تھا اور بعدازاں قرطبہ صدر مقام ٹھہرا اور صدیوں تک یہی شہر اندلس کی مسلم حکومت کا پایا تخت رہا۔

عبدالرحمٰن الداخل

جب مشرق میں عباسیوں نے بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تو خلیفہ ہشام اموی کا ایک پوتا عبدالرحمٰن نامی جان بچا کر افریقہ کی طرف نکل گیا اور سینکڑوں مصیبتیں جھیل کر آخر کار اندلس میں جا پہنچا۔ اس نے یمنی عربوں کو اپنا ہمنوا بنا کر اندلس کے مقامی امیر کو شکست دی اور خود ملک پر قابض ہو گیا۔ اس سے اندلس میں بنی امیہ کی ایک مستقل حکومت قائم ہو گئی، جو تقریباً تین سو سال تک قائم رہی۔ عبدالرحمٰن تاریخ میں الداخل کے لقب سے

مشہور ہے ۔ اس نے قرطبہ کو دارالسلطنت بنایا اور انتظام کی سہولت کے لیے ملک کو چھے صوبوں میں تقسیم کر دیا ۔

جامع قرطبہ

عبدالرحمٰن نے قرطبہ میں اپنی سکونت کے لیے ایک محل بنوایا اور اس کے نزدیک ایک وسیع مسجد کی تعمیر شروع کی ۔ اس کی بنیاد ایسے وسیع پیمانے پر رکھی گئی تھی کہ عبدالرحمٰن کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکی ۔ امیر عبدالرحمٰن کے جانشین ہشام نے اس کی تعمیر کو جاری رکھا ۔ آخر کار آٹھ سال کی مسلسل محنت اور لاکھوں اشرفیوں کے صرف سے یہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔ اس کے بعد متعدد حکمرانوں نے اسے یکے بعد دیگرے وسعت دی اور اس کی آراستگی میں کوشش کی ، یہاں تک کہ وہ نادرہ روزگار اور بے مثال یادگار بن گئی ۔ یہ مسجد ابھی تک باقی ہے اور ایک ہزار سال گزرنے کے بعد بھی اچھی خاصی حالت میں ہے اور اسلامی اندلس کی عظمت رفتہ کو یاد دلاتی ہے ۔

عبدالرحمٰن الداخل کے جانشین

عبدالرحمٰن الداخل کے بعد اس کا بیٹا ہشام تخت حکومت پر بیٹھا ۔ وہ ایک نیک سیرت اور خدا ترس حکمران تھا ۔ اس نے قرطبہ کی جامع مسجد کو مکمل کیا اور اپنی مملکت کے دیگر شہروں میں بھی شاندار عمارات تعمیر کروائیں ۔

ہشام کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ، حکم اس کا جانشین ہوا ۔ وہ سیر و شکار کا دلدادہ تھا اور علما کے بجائے شاعروں کی صحبت کو زیادہ پسند کرتا تھا ۔

عبدالرحمٰن ثانی

حکم کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمٰن مسند حکومت پر بیٹھا ۔ وہ تاریخ میں عبدالرحمٰن ثانی کے نام سے مشہور ہے ۔ وہ علوم و فنون

کا مربی ، اہل ہنر کا قدردان اور با کمال لوگوں کی صحبت کا دلدادہ تھا اور شعر و شاعری کا شستہ مذاق رکھتا تھا - اس کے زمانے میں بغداد کا ایک بے نظیر مغنی زریاب ، اندلس آیا - وہ موسیقی کا بڑا ماہر تھا اور اپنے کمال فن کی بدولت امیر عبدالرحمٰن کا مقرب بن گیا اس کی طبیعت میں نفاست تھی - اس بنا پر اس نے خوراک ، لباس اور وضع قطع میں بہت سی نئی باتوں کو رواج دیا اور اہل اندلس نے انھیں خوش مذاقی کی دلیل سمجھ کر بخوشی اختیار کیا - موسیقی کا شوق جو اندلسی عربوں کا قومی خاصہ بن گیا ، اسی عہد سے سوسائٹی کے تمام طبقوں میں پھیلنا شروع ہوا - مروت اور عالی ظرفی آداب و اخلاق کی شائستگی اور وہ جوہر مردانہ جو یورپ کے بانکے شہسواروں (نائٹ) نے عربوں کے میل جول سے سیکھے اور یورپ میں شولری (Chiualarey) کے نام سے مشہور ہوئے ، ان کی ابتدا بھی اسی عہد سے ہوئی ہے -

عبدالرحمٰن ثانی کا عہد حکومت امن و امان اور خوش حالی کا زمانہ تھا - اس نے بہت سی عالی شان عمارتیں بنوائیں اور سڑکیں اور پل تعمیر کرائے - اس نے قرطبہ کی مسجد کو وسعت دی اور اشبیلیہ ، جیان اور دوسرے شہروں میں بھی مساجد تعمیر کروائیں -

امیر عبدالرحمٰن ثانی کے بعد امیر محمد ، منذر اور عبداللہ یکے بعد دیگرے قرطبہ کے تخت پر بیٹھے - ان کے زمانے میں ملک میں بے چینی رہی - شمال کے عیسائیوں نے مسلم علاقے میں اودھم مچا دیا اور فتنہ و فساد کے زمانے میں امیر عبداللہ کی حکومت صرف قرطبہ تک محدود رہ گئی -

عبدالرحمٰن ناصر

امیر عبداللہ کی وفات کے بعد اس کا پوتا عبدالرحمٰن ۲۳ سال کی عمر میں قرطبہ کے تخت پر بیٹھا - اس وقت ملک میں سخت

بد نظمی پھیلی ہوئی تھی اور ہر طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا۔ عبدالرحمٰن نے حکومت سنبھالتے ہی باغیوں کو سختی سے دبایا اور ملک میں ہر طرف امن و امان قائم کیا۔

اب تک اندلس کے اموی حکمرانوں نے امیر کے لقب پر اکتفا کی تھی۔ صرف بغداد کے عباسی حکمران خلیفہ اور امیرالمومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ عبدالرحمٰن کے زمانے میں عباسی خلفیہ کمزور ہو چکے تھے۔ جب عبدالرحمٰن کو اپنی قوت اور اپنی سلطنت کی عظمت کا احساس ہوا تو اس نے ۹۲۹ء میں ''الخلیفہ الناصر الدین اللہ'' کا لقب اختیار کیا۔

آج کل قرطبہ کے لوگ حالانکہ عیسائی ہیں اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کا شہر مدت تک اندلس کا دارالخلافت رہ چکا ہے۔ وہاں کے علما و حکما تمام دنیا میں مشہور تھے اور ان کے شہر کی شان و شوکت کی تمام یورپ میں دھوم تھی۔ چنانچہ اہل قرطبہ نے ۱۹۲۹ء میں اپنے شہر کی ایک ہزار سالہ برسی کے موقع پر کئی دن تک جشن منایا اور اس کا نام ''ہفتہ خلافت'' رکھا۔ علمی محفلیں منعقد ہوئیں جن میں علما نے مقالے اور مضامین پڑھے اور جشن منانے والوں نے مسلم عہد کے تاریخی مقامات کی سیر کی اور اس موقع پر مجمع کے فوٹو گراف لیے گئے، اس ''ہفتہ خلافت'' کی تمام روائد ایک مستقل کتاب میں قلم بند ہے، جو طبع ہو چکی ہے۔

قرطبہ کی شان و شوکت

خلیفہ ناصر کے عہد میں دارالحکومت قرطبہ کی شان و شوکت حد درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ یہ شہر ''وادی الکبیر'' کے کنارے دس بارہ میل تک پھیلا ہوا تھا اور خلیفہ کے عالی شان محلات، امرا کے پر تکلف مکانات اور دلکش باغات سے آراستہ تھا۔ کوچہ و بازار

کے فرش پختہ تھے اور آب رسانی کا انتظام بہت اچھا تھا ۔ مکانات میں فوارے نصب تھے جن سے گرمی کے دنوں میں خوشگوار خنکی پیدا ہوتی تھی ۔ دارالخلافہ میں نو سو حمام اور سات سو مساجد تھیں ۔ خاص کر وہاں کی جامع مسجد اپنی وسعت ، خوبصورتی اور صنعت کی خوبی کے لحاظ سے عجوبہ روز گار تھی ۔

قرطبہ صنعت و حرفت کا گھر تھا اور وہاں کے کاریگر اپنے فن میں باکمال تھے ۔ تجارت کا بازار گرم تھا اور شہر کی منڈیاں مختلف اجناس ، لباس ، اسلحہ اور ہر قسم کی صنعت کے بہترین نمونوں سے بھر پور رہتی تھیں ۔ سوداگر اور مسافروں کے لیے بہت سی سرائیں موجود تھیں ۔ قرطبہ کے باشندے شائستگی اور خوش اخلاقی اور طباعی میں مشہور و ممتاز تھے ۔

قرطبہ جس طرح اپنی ظاہری خوبصورتی اور شان و شوکت میں مشہور تھا ، اس طرح علوم و فنون میں بھی شہرۂ آفاق تھا ۔ علما کا مسکن اور طلبہ کا مرجع تھا ۔ وہاں کے علما اور فضلا تمام دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ وہاں کی درس گاہوں میں طالب علم یورپ سے استفادہ کے لیے آتے تھے ۔ عوام بھی علم و فن کے قدر دان تھے اور قیمتی اور نایاب کتابوں کو بڑے شوق سے فراہم کرتے تھے اور ان سے کتب خانے تیار کرتے تھے ۔

مدینۃ الزہرا

جب خلیفہ الناصر کے جاہ و جلال کے لیے قرطبہ کی چاردیواری میں گنجائش نہ رہی تو اس نے دارالخلافہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک نیا محل تعمیر کر دیا اور اس کا نام اپنی چہیتی ملکہ الزہرا کے نام سے ''قصرالزہرا'' رکھا ۔ اس کی تعمیر میں سنگ مرمر اور دیگر رنگین پتھر استعمال کیے ۔ غرضکہ قصر الزہرا اپنی خوبصورتی

اور مرصع کاری میں فن تعمیر کا حیرت انگیز نمونہ تھا جو قرطبہ کے تمام قدیم محلات پر سبقت لے گیا - خلیفہ اپنا دربار یہیں منعقد کرتا تھا اور غیر ملکوں کے سفیروں کو یہیں شرف باریابی بخشتا تھا - بہت سے لوگوں نے اس محل کے آس پاس مکانات تعمیر کرلیے جس سے ایک نئے شہر کی صورت پیدا ہو گئی اور یہ شہر ''مدینۃ الزہرا'' کہلایا -

خلیفہ الناصر اندلس کے اموی حکمرانوں میں سب سے زیادہ قابل اور کامیاب خلیفہ گزرا ہے ، اس نے اپنے حسن تدبیر سے اندلس کی سلطنت کو وہ عظمت و وسعت دی جو اسے پیشتر کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی - اندرونی امن و امان اور حکومت کے حسن انتظام سے زراعت ، صنعت و حرفت اور تجارت کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہوئی - شاہی خزانہ بھرپور تھا اور خلیفہ کی فتح مند فوجوں کی ہر طرف دھاک بندھی ہوئی تھی - جب خلیفہ الناصر نے پچاس سال کی حکومت کے بعد ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی تو اندلس کی مسلم سلطنت اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی تھی -

خلیفہ حکم

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے بعد اس کا بیٹا حکم تخت خلافت پر بیٹھا - جب شمالی سپین کے عیسائی حکمرانوں نے الناصر کی وفات کی خبر سنی تو انھوں نے معاہدے توڑ کر مسلم علاقوں پر غارت گری شروع کر دی لیکن حکم نے ان کو شکست دے کر اپنی سرحدوں کو مضبوط کیا -

خلیفہ حکم خود عالم تھا اور اہل علم کا قدردان تھا - اس کے عہد میں دارالخلافہ میں بہت سے عام فاضل جمع ہو گئے تھے جو خلیفہ کے سایہ عاطفت میں رہ کر علم کی اشاعت کرتے تھے - خلیفہ کو اچھی کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا ، چنانچہ اس نے تمام

اطراف عالم میں اپنے گماشتے بھیج رکھے تھے جو اس کے لیے ہر علم و فن کی کتابیں تلاش کرتے تھے ۔ بعض مصنف خلیفہ کی خدمت میں اپنی تصانیف براہ راست بھیجتے تھے اور شاہانہ صلہ پاتے تھے ۔ اس طرح سے خلیفہ حکم کے پاس ایک عظیم الشان کتب خانہ جمع ہو گیا تھا ۔ شاہی محل کے بہت سے کمرے کاتبوں اور جلدبندی کرنے والوں کے لیے مخصوص تھے ۔ یہ لوگ وہاں کتابوں کی نقل و کتابت اور جلد بندی میں مصروف رہتے تھے ۔ خلیفہ حکم اپنا اکثر وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا تھا ۔ اس کا معمول تھا کہ جو کتاب اس کی نظر سے گزرتی ، اس پر اس کے مصنف کا نام ، اس کی تاریخ ولادت اور اس کی زندگی کے مختصر حالات اپنے قلم سے لکھا کرتا تھا ۔

غرناطه کی ریاست

جب قرطبہ کی اموی سلطنت کو زوال آیا تو اندلس کے بہت سے صوبے الگ ہو گئے اور وہاں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں ۔ ان میں شہر غرناطہ کے بنی نصر بھی تھے ۔ محمد بن یوسف بن نصر نے ۶۳۵ھ (۱۲۳۷ء) میں غرناطہ کے شہر پر قبضہ کر کے اسے اپنا پایہ تخت بنایا اور ایک مستقل خاندان کی بنیاد ڈالی ، جو اپنے مورث اعلیٰ کے نام پر نصری خاندان کہلاتا ہے ۔ اس کی وفات کے بعد اس کی نسل سے بیس فرمانروا غرناطہ کی ریاست پر اڑھائی سو سال تک حکمران رہے ۔ اس عرصے میں سپین کے عیسائیوں کے ساتھ جنگ و جدال جاری رہا لیکن انھوں نے مغرب اقصلی کے مرینی خاندان کی مدد سے عیسائیوں کی پیش قدمی کو مدت تک روکے رکھا ۔

اندلس کی مسلم ریاستوں کے مٹنے سے غرناطہ مسلم اندلس کا سب سے مضبوط اور محفوظ مقام قرار پایا اور بہت سے مسلمان دور دور سے ہجرت کرکے یہاں آ گئے ، اس سے غرناطہ کی آبادی کئی

لاکھ تک پہنچ گئی - بنی نصر نے یہاں بہت سے خوبصورت محلات، مساجد، مدارس اور شفاخانے بنائے - یہاں کے حکمران بڑے علم دوست تھے - ان کے دربار میں دور دور سے ارباب کمال آ کر جمع ہو گئے تھے - خود غرناطہ کی خاک سے بہت سے عالم و فاضل لوگ اٹھے -

الحمرا

ان کی سب سے مشہور عمارت الحمرا ہے، جو آج بھی ایک کشادہ اور خوبصورت قلعے کی صورت میں محفوظ ہے، اسے نصری خاندان کے بانی نے غرناطہ کی ایک پہاڑی پر تعمیر کیا تھا - اس کے جانشینوں نے بعد ازاں اس میں محلات اور جدید عمارات کا اضافہ کیا اور ان کی آرائش میں طرح طرح کے تکلفات پیدا کیے - قلعہ کی دیواریں ایسے مسالہ سے تیار ہوئیں جس کا رنگ سرخی مائل تھا - اسی لیے اس کو "القصر الحمرا" یعنی لال کہتے ہیں - یہ قصر مسلمانانِ اندلس کے مخصوص فن تعمیر کا ایک نہایت عمدہ نمونہ ہے - اس کا بلند محل وقوع، اس کا دلفریب منظر، اس کے دلکشا ایوان، اس کے نازک اور خوبصورت ستون، دیواروں کی رنگین گلکاریاں، اس کی خوش خط کتابت، غرضیکہ اس کی ہر چیز حیرت انگیز ہے - اس کا اکثر حصہ اب تک محفوظ ہے اور عجائبات عالم میں شمار ہوتا ہے -

زوالِ غرناطہ

اندلس کے عیسائیوں کی طاقت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ انھوں نے غرناطہ کے حکمران ابو عبداللہ کو شکست دی اور ابو عبداللہ نے اس شرط پر ۱۴۹۲ء میں شہر ان کے حوالے کر دیا کہ مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل رہے گی، لیکن

عیسائیوں نے غداری کی اور وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ انھوں نے حکم دیا کہ مسلمان اپنے رسوم و آداب چھوڑ کر عیسائیوں کی زبان، ان کا لباس اور انھیں کے سے نام اختیار کریں۔ اس پر اندلس کے مسلمان علاقوں میں بڑا ہنگامہ برپا ہوا اور ۱۵۶۸ء میں بہت سے مسلمان جلا وطن کر دیے گئے۔ ملک کے اندرونی علاقوں میں لاکھوں لوگوں کو جبراً عیسائی بنا لیا گیا لیکن وہ باطن میں مسلمان تھے اور عیسائی حکمران ان کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے ان کو بالآخر ۱۶۰۹ء میں ملک سے نکال دیا۔

مسلم اندلس پر تبصرہ

مسلمان عربوں نے اندلس فتح کرنے کے بعد ایسے عادلانہ قوانین جاری کیے تھے، جن سے ملک نے ہر لحاظ سے حیرت انگیز ترقی کی۔ زراعت پھلی پھولی، صنعت و حرفت نے فروغ پایا، تجارت کا بازار گرم ہوا۔ اندلس کا اکثر علاقہ قدرتی طور پر سرسبز ہے۔ مسلمانوں نے آبپاشی کا انتظام کرکے اسے رشک گلزار بنا دیا۔ اس کے نشیب و فراز میں سرد گرم، دونوں ملکوں کی پیداوار ہوتی تھی۔ مسلمانوں نے یہاں بہت سے پودوں اور پھلوں کی کاشت کاری جاری کی۔ غرضیکہ انھوں نے اندلس کو خوش حال اور مالا مال کرکے تہذیب و تمدن کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا۔

اندلس نے مسلم عہد میں علمی لحاظ سے بڑی ترقی پائی۔ وہاں کے علما اور دارالعلوم شہرۂ آفاق تھے اور طالبانِ علم دور دور سے وہاں آتے تھے۔ جب یورپ کے دوسرے ملکوں پر جہالت کی تاریکی چھائی تھی، اندلس کی مسلم سلطنت ایک شمع کی طرح فروزاں تھی، جس کی روشنی کئی صدیوں تک چاروں طرف اجالا کرتی رہی۔ وہ علوم و فنون اور صنعت و حرفت جس کا مسلم دنیا میں چرچا تھا وہ بیشتر اندلس ہی کے راستہ سے یورپ میں پہنچے تھے اور ان کی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔

اندلس کی ترقی اور خوش حالی مسلمان عربوں ہی کے دم سے تھی ، جب عیسائی حکمرانوں کے اندھے تعصب نے ان کو ملک سے نکال دیا تو وہاں کی صنعت و حرفت اور زراعت بھی ان کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی ۔ ملک میں ہر طرف خاک اڑنے لگی ۔ شاداب وادیاں بنجر ہو گئیں ۔ آباد شہر ویران بن گئے ، عالموں ، تاجروں اور شہسواروں کی جگہ جاہل اور متعصب پادریوں ، گداگروں اور ڈاکوؤں نے لے لی ۔ علم کی وہ شمع جس نے یورپ میں دور دور اجالا کیا تھا ، بجھ گئی اور تمام ملک تاریکی میں ڈوب گیا ۔

خلافت عباسیہ

دعوت عباسیہ

دعوت عباسیہ یعنی عباسی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ خلافت اسلامیہ کو بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکال کر حضرت عباس کی اولاد میں منتقل کر دیا جائے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں بیس پچیس سال صرف ہوئے، اس تحریک کی مختصر کیفیت حسبِ ذیل ہے۔

ظہورِ اسلام سے پیشتر ہی قریش کے دو مشہور خاندانوں یعنی بنو ہاشم اور بنو امیہ میں مخاصمت چلی آتی تھی۔ رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو ہاشم سے تھے اس لیے بنو امیہ نے ان کی سخت مخالفت کی۔ فتح مکہ کے بعد جب بنو امیہ نے اسلام قبول کیا تو کچھ عرصے کے لیے یہ باہمی عداوت دب گئی، لیکن حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کی باہمی کشمکش سے باہمی مخالفت کی دبی ہوئی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی اور اکثر مسلمانوں نے بنو امیہ کے موافق یا مخالف پہلو اختیار کیا۔ حضرت علیؑ کے طرف دار شعیان علی کہلائے اور حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد ان میں حضرت علیؑ کے خاندان کے ساتھ گہری عقیدت اور بنو امیہ سے شدید نفرت پیدا ہو گئی اور ان کا یہ عقیدہ رفتہ رفتہ راسخ ہوتا گیا کہ اسلامی خلافت صرف آلِ رسول کا حق ہے، جن کی نمائندگی کا شرف صرف حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی اولاد کو حاصل ہے۔ لٰہذا یہ لوگ خلفائے بنی امیہ کو، خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ اموی

خاندان کے گورنروں یا والیوں کی سختی سے لوگوں میں بے چینی پھیل گئی تھی - ادھر خاندان علیؑ کے اماموں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی - اس میدان سیاست میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا تھا جو رعایا کے بے چین طبقوں کی رہنمائی کرسکے، ان حالات میں بنو عباس میدان سیاست میں اترے جو رسول خداؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد سے تھے - حضرت عباس کے بیٹوں میں سے حضرت عبداللہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے زیادہ مشہور تھے - چنانچہ بہت سی روایات ہمیں انھیں کے ذریعے سے پہنچی ہیں - ان کے بیٹے علی بدستور آل رسولؐ کا دم بھرتے رہے، ان کے بیٹے محمد بن علی بڑی ہمت اور لیاقت کے مالک تھے - بنو عباس میں سے سب سے پہلے انھیں کے دل میں خلافت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا - محمد بن علی اپنے خاندان کے ساتھ فلسطین میں حمیمہ کے مقام پر مقیم تھے - انھوں نے اس مقام کو اپنی دعوت یعنی تحریک کا مرکز بنایا اور یہاں سے اپنے مبلغ مشرقی صوبوں میں بھیجنے شروع کیے جہاں اموی حکومت کے خلاف پہلے ہی سے مخالفت کی آگ سلگ رہی تھی - عباسی کارندوں کی کارروائی کا سراغ سب سے پہلے ہمیں یزید ثانی کے عہد حکومت میں ملتا ہے - اس کے زمانے میں خراسان کے اموی حاکم کے پاس چند ایک عباسی ایجنٹ پکڑے گئے جو تاجروں کے بھیس میں اپنے خیالات کی اشاعت کر رہے تھے - اموی گورنر نے ان سے باز پرس کی لیکن وہ حیلہ بہانہ کرکے صاف بچ نکلے - یہ لوگ شہر بہ شہر پھرتے تھے اور لوگوں سے حاکمان وقت کی برائیاں اور ان کے ظلم و ستم کی کہانیاں بیان کرتے تھے اور اس کے ساتھ ہی ان کو بنو عباس کی طرف بلاتے تھے اور ان کے حق خلافت کو ثابت کرتے تھے - ایک مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا اور ہزاروں لوگ ان کے خیالات سے متاثر ہوئے -

اہل ایران کو اپنی قدیم تہذیب اور سیاسی عظمت پر بڑا ناز

تھا - جب عربوں کی فتوحات کے بعد یہ چیزیں خواب و خیال ہوگئیں تو ان کو طبعی طور پر اس کا بڑا رنج ہوا اور وہ نئی حکومت سے نفرت کرنے لگے اور وہ بنو امیہ کی حکومت سے خاص طور پر بیزار تھے - جب بنو عباس نے اموی حکومت کا تختہ الٹنے کو اپنا نصب العین بنایا تو ایرانیوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہی - یہی وجہ تھی کہ عباسی تحریک کو خراسان یعنی ایران کے مشرقی حصے میں خاص طور پر کامیابی ہوئی اور بنی امیہ کے خلاف اعلانیہ بغاوت کا ظہور بھی اسی ملک میں ہوا -

دعوت عباسیہ کی کامیابی

۱۲۶ھ میں محمد بن علی عباسی نے وفات پائی اور ان کا بیٹا ابراہیم ان کا جانشین بنا - اس نے عباسی تحریک کو سرگرمی سے جاری رکھا اور عراق اور خراسان کے ہزاروں لوگ اس میں شریک ہوگئے ، وہ داعی جس نے عباسی دعوت کو خراسان میں کامیاب بنانے میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا ، ایک ایرانی نومسلم تھا ، جو تاریخ میں ابو مسلم خراسانی کے نام سے مشہور ہے -

ابراہیم نے اسے داعیٔ اعظم بنا کر خراسان بھیج دیا ، تھوڑے ہی عرصہ میں اس تحریک نے اتنی قوت پکڑ لی کہ ۱۲۹ھ میں ابو مسلم نے شہر مرو کے قریب اموی حکومت کے خلاف علم استقلال بلند کرکے شہر پر قبضہ کر لیا ، جب خلیفہ مروان کو معلوم ہوا کہ تحریک کی باگ ڈور ابراہیم عباسی کے ہاتھ میں ہے تو اس نے اسے حمیمہ سے پکڑ کر منگوایا اور قتل کرا دیا - ابراہیم کے دونوں بھائی ابو جعفر عبداللہ اور ابوالعباس عبداللہ بھاگ کر بصرہ میں روپوش ہوگئے اور ابوالعباس اپنے خاندان کا سربراہ قرار پایا - خراسانی فوج نے مغرب کی طرف بڑھ کر آخر کار کوفے پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے اموی حاکم کو وہاں سے نکال دیا - عباسیوں

کے طرف داروں نے ابوالعباس عبداللہ کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا اور ربیع الاول ۱۳۲ھ میں تمام اہلِ کوفہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ بیعت عامہ کے بعد ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان کے مقابلہ پر روانہ کیا جو اس وقت دریائے زاب کے کنارے ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ اموی فوج نے شکست کھائی اور مروان مصر کی طرف بھاگ گیا جہاں وہ اپنے دشمنوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ مروان کے قتل سے اموی حکومت کا چراغ گل ہو گیا اور بنو عباس کی خلافت کا دور شروع ہوا۔

عباسی عہد کی خصوصیات

بنو عباس کے برسرِ اقتدار آنے سے تاریخ اسلام میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس سے پیشتر اموی خاندان کی حکومت اس لحاظ سے ایک خالص عربی سلطنت تھی کہ اس کی باگ ڈور عرب قوم کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن بنو عباس کے عہد میں دیگر مسلمان قومیں بھی ان کی حکومت میں شریک ہوتی گئیں۔ بنو عباس کو حکومت دلانے میں ایرانیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اس لیے ان کے عہد میں سب سے پہلے عجمی لوگ سلطنت کے کاروبار میں دخیل ہوئے اور زندگی کے ہر شعبے میں ان کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ ان کا اقتدار حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ ان تمام اسباب کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کے کاروبار میں عربوں کی اجارہ داری نہ رہی اور نو مسلم عجمی اقوام بھی اس میں حصہ لینے لگیں غرض عباسی عہد میں اسلامی دنیا نے ایک بین الاقوامی صورت اختیار کر لی، جس میں کئی مختلف قوموں کے لوگ یعنی عرب، ایرانی، ترک اور بربر مختلف حیثیتوں سے شریک تھے۔ ان کے باہمی میل جول سے ایک نیا تمدن اور ایک نئی تہذیب وجود میں آئی جس کو اسلامی تہذیب کہہ سکتے ہیں۔

عباسی خلافت (۱۳۲ھ، ۷۵۰ء سے لے کر ۶۶۵ھ، ۱۲۵۸ء) تک یعنی پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ تک قائم رہی - تاریخ اسلام میں اسے مذہبی، سیاسی اور تمدنی لحاظ سے ایک خاص اہمیت اور امتیاز حاصل ہے، جو کسی دوسرے مسلمان حکمران خاندان کے حصہ میں نہیں آیا - اگرچہ دولت عباسیہ پر اس عرصہ میں بہت سے انقلابات آئے اور عباسی خلفا کی قوت گھٹتی بڑھتی رہی لیکن عالم اسلام کا بیشتر حصہ ان کی خلافت کو تسلیم کرتا رہا، روئے زمین کے اکثر مسلمان ان کو حامی دین تصور کرتے رہے اور خلیفہ کی حیثیت سے ان کا احترام کرتے رہے -

عباسی عہد میں تہذیب و تمدن نے بڑا فروغ پایا، صنعت و حرفت اور تجارت کا بازار گرم رہا اور رعایا کو خوش حالی نصیب ہوئی - دینی اور دنیوی ہر قسم کے علوم نے ترقی پائی - یونانی علوم و فنون کی سینکڑوں کتابیں عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں، جن کے ذریعہ سے مسلمانوں کو قدیم یونان کے فلسفہ و حکمت، ریاضی، ہیئت، طب وغیرہ - علوم سے واقفیت حاصل ہوئی اور نئے نئے مسائل زیر بحث آئے - عباسی خاندان کے پہلے آٹھ دس خلفا بڑے حوصلہ مند، باہمت اور اولوالعزم تھے اور بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کے مالک تھے، انھوں نے ایک سو سال تک بڑی شان سے حکومت کی، اس دور کے سیاسی عروج، تمدنی فروغ اور علمی ترقی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسے عام طور پر تاریخ اسلام کا "زرین عہد" کہا جاتا ہے -

عباسی عہد کے پانچ دور

عباسی خاندان کی ابتدا ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) سے ہوتی ہے، جب ابوالعباس عبداللہ الفساح کے ہاتھ پر کوفہ میں بیعت کی گئی اور اس کا خاتمہ ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں ہوا - جب تاتاریوں کے سردار ہلاکو خان نے بغداد پر قبضہ کرکے خلیفہ مستعصم کو قتل کر

ڈالا - اس لحاظ سے عباسی خاندان کی کل مدت حکومت ۵۲۴ قمری سال ہے - اس مدت میں کل ۳۷ خلفا یکے بعد دیگرے مسندِ خلافت پر بیٹھے - عباسی خلفاء نے حقیقی معنوں میں صرف ایک سو سال تک حکومت کی - اس کے بعد ان کے اقتدار میں کمی بیشی ہوتی رہی اور ان پر بہت انقلابات آئے - ان انقلابات کے اعتبار سے ہم عباسی عہد کو پانچ مختلف ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں - ہر ایک دور کی الگ سیاسی اور تمدنی خصوصیات ہیں -

عباسی عہد کا پہلا دور ۱۳۲ھ سے لے کر ۲۳۲ھ تک ایک سو سال کا ہے جس میں نو حکمران مسند خلافت پر بیٹھے - یہ دور خلافت عباسیہ کے عروج کا زمانہ ہے جس میں عباسی خلفا نے بڑی شان و سوکت کے ساتھ حکومت کی - اسی دور میں ایرانی لوگ امور سلطنت میں دخیل ہوئے اور تمدن اور معاشرت میں ان کا اثر و نفوذ نمایاں ہونے لگا - اس کے علاوہ یونانی زبان کی سیکڑوں کتابیں عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں ، جن کے ذریعے مسلمانوں کو یونان کے فلسفہ و حکمت سے واقفیت حاصل ہوئی -

عباسی عہد کا دوسرا دور ۱۰۲ سال کا ہے - یہ دور ترکی فوجیوں کی سرکشی اور عباسی خلفا کے انحطاط کا زمانہ ہے - آٹھویں خلیفہ معتصم نے ترکوں کو مسلم فوج میں بھرتی کیا تھا آخر کار ترک سپہ سالار سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے - جس کو چاہتے تخت پر بٹھا دیتے اور جب چاہتے اسے اتار دیتے - دسواں خلیفہ متوکل ترکوں کا زور توڑنے کی کوشش میں ہلاک ہو گیا ، چنانچہ اس دور انحطاط کی ابتدا اسی حادثہ سے ہوتی ہے - مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر کئی صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں -

عباسی عہد کا تیسرا دور ۱۱۳ سال کا ہے جب ویلمی حکمران ایران کے علاوہ بغداد پر بھی متسلط رہے (۳۲۴ھ ۴۴۷ھ) ان کو

بنی بویہ بھی کہتے ہیں - یہ لوگ وطن کے لحاظ سے ایرانی اور مذہب کے لحاظ سے شیعی تھے - انھوں نے کئی شیعی رسمیں بغداد میں جاری کیں اور دارالخلافہ میں شیعہ سنی کا فساد اسی زمانہ سے شروع ہوا -

عباسی عہد کا چوتھا دور ۱۴۳ سال کا ہے جس میں سلجوق قوم کے ترک مغربی ایشیا میں برسر اقتدار رہے - ان کی ابتدا ۴۴۷ھ سے ہوتی ہے جب سلاجقہ نے بغداد میں داخل ہو کر ویلمیوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا - سلجوق سنی تھے اور عباسی خلفا کا احترام کرتے تھے -

اس دور میں یورپ کے عیسائیوں نے مسلم ملکوں پر بار بار چڑھائی کی ، ان جنگوں کو صلیبی جنگیں کہتے ہیں - ان کا مقصد یہ تھا کہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا جائے -

عباسی عہد کا پانچواں اور آخری دور ۶۶ سال کا ہے ، اس دور کی ابتدا ۵۹۰ سے ہوتی ہے - جب سلجوقیوں کے زوال کے بعد عباسیوں نے اقتدار سنبھال لیا اور خلافت کا کھویا ہوا وقار کسی حدتک دوبارہ قائم کیا لیکن ان کا یہ اقتدار دیر پا ثابت نہ ہوا ، کیونکہ پچیس سال کے بعد ایشیا کے مسلم ممالک پر تاتاریوں کے حملے شروع ہو گئے اور چنگیز خاں نے ترکستان اور خراسان کے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی - آخر کار اس کے پوتے ہلاکو خاں نے ۶۵۶ھ میں بغداد کو تباہ کر دیا اور خلیفہ مستعصم کو ہلاک کر کے عباسی خلافت کا چراغ گل کر دیا -

۱ - خلیفہ السفاح

کوفہ کا شہر شیعان علی کا مرکز تھا ، اس لیے سفاح نے اسے چھوڑ کر انبار کے قریب ایک نیا دارالحکومت تعمیر کیا اور اس کا نام اپنے جد اعلیٰ کے نام پر ہاشمیہ رکھا - ربیع الاول ۳۲ھ میں

کوفہ والوں نے سفاح کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی - جب اس سال کے آخر میں اموی خاندان کا آخری تاجدار مروان مارا گیا تو اکثر صوبوں نے سفاح کو خلیفہ تسلیم کر لیا، تو اس نے مملکت کے بندوبست پر توجہ دی - خراسان کی ولایت بدستور ابو مسلم کے پاس رہنے دی اور دوسرے صوبوں پر اپنے قریبی رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا -

عہدہ وزارت

دولت عباسیہ سے پہلے وزارت کا عہدہ موجود نہ تھا - بلکہ ہر ایک خلیفہ کے اپنے اپنے مشیر اور حاشیہ نشین ہوتے تھے جن سے وہ مشورہ لیتا تھا، یا اس کے کاتب ہوا کرتے تھے جو سرکاری فرمان اور راز کے مراسلات لکھتے تھے - سب سے پہلے خلیفہ سفاح نے وزیر کا عہدہ قائم کیا - اس کے عہد میں سب سے پہلا شخص جو وزیر کے نام کے مشہور ہوا، ابو سلمہ خلال تھا - ابو سلمہ عباسیوں کا ایک ممتاز داعی تھا - ''وزیر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے لقب سے مشہور تھا - لیکن سفاح نے اپنی بیعت کے چند ماہ بعد اسے اس شبہ میں قتل کرا دیا کہ وہ علویوں کو خلافت دلانا چاہتا ہے - اس کے بعد ابوالجہم کو وزارت ملی اور اس کے بعد خالد بن برمک کو - خالد کے آباؤ اجداد شہر بلخ کے معبد نو بہار کے متولی تھے - اس نے دعوت عباسیہ کو پھیلانے میں بڑی کوشش کی تھی - اس کے صلے میں سفاح نے خالد کو اپنا وزیر بنا لیا اور وہ اس عہدے پر خلیفہ منصور کے عہد تک فائز رہا -

ملکی فتوحات

خلیفہ سفاح کے عہد میں سرحدی صوبوں میں جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہا - سندھ کے والی نے عباسیوں کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا - عباسی فوج نے اسے شکست دی اور وہ

ریگستان میں فرار ہو کر ہلاک ہو گیا ۔ ترکستان میں فرغانہ کے حاکم نے بھی شورش برپا کی اور چینی سپہ سالار کی مدد سے چاچ سے حاکم پر حملہ کر دیا ۔

ابو مسلم خراسانی نے سمرقند کے عرب گورنر زیاد بن صالح کو اس کے مقابلے پر بھیجا ۔ زیاد نے ١٣٣ھ میں حاکم فرغانہ کو شکست دی ، اس جنگ میں ترکوں کے علاوہ بہت سے چینی قیدی بھی پکڑے گئے ۔ چینی قیدیوں میں سے بعض لوگ کاغذ بنانا جانتے تھے ان کے ذریعے سے یہ صنعت سمرقند میں رائج ہو گئی اور یہ شہر کاغذ کی صنعت کے لیے مشہور ہو گیا ۔ اس زمانے میں کاغذ بنانے کا فن صرف اہل چین تک محدود تھا ۔ بعد میں یہ صنعت سمرقند سے نکل کر خراسان بغداد اور دیگر مسلم ممالک میں بھی جاری ہو گئی ۔ کاغذ کی افراط سے تعلیم میں بڑی سہولت پیدا ہوئی اور علوم و فنون نے بڑی ترقی کی ۔

سفاح کی سیرت اور سیاست

جب تک بنی امیہ تخت حکومت پر مضبوطی سے قائم تھے اور ان کو کوئی طاقت اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکتی تھی ۔ سفاح اور اس کے بزرگوں نے اس کے خلاف سازش اور حیلہ سازی سے کام لیا اور خفیہ طور پر رعایا کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت اور مخالفت کا بیج بویا ۔ جب بنو عباس اپنے حریفوں کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہو گئے تو انھوں نے اموی خاندان کے لوگوں کو بڑی بے رحمی سے بے دریغ قتل کیا ۔ سفاح نے وعدہ خلافی ، غداری اور احسان فراموشی کا بھی ارتکاب کیا ۔ اپنے یا بے گانے جس کسی کو وفاداری پر ذرہ بھر بھی شک ہوتا اسے بلا دریغ مروا ڈالتا ۔ جن لوگوں نے عباسیوں کو حکومت دلائی تھی وہ بھی اس کے بے رحم ہاتھ سے نہ بچ سکے ۔ ابو سلمہ خلال نے ابوالعباس سفاح اور ابوجعفر

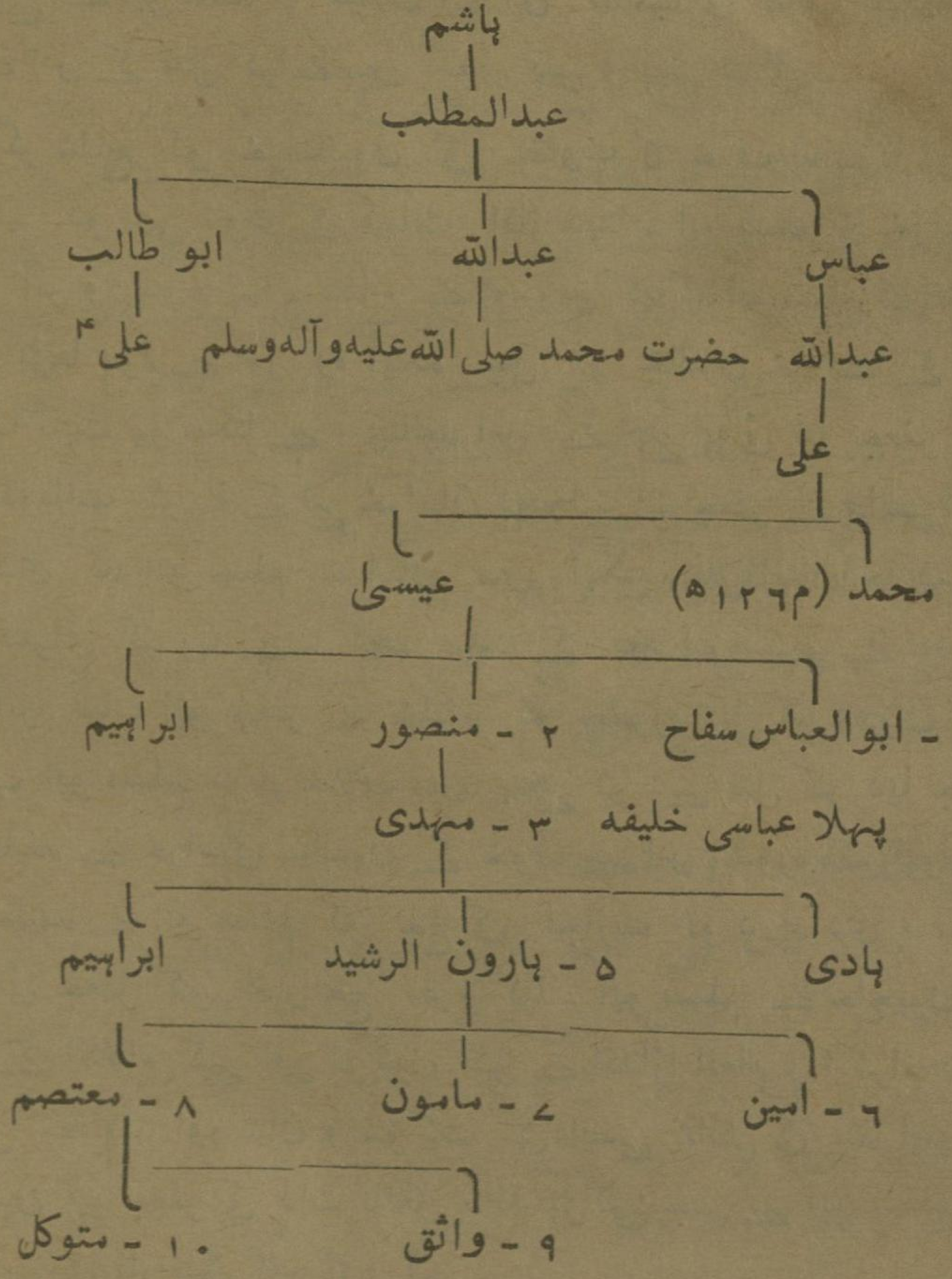
اور عباسی خاندان کے دیگر افراد کو کوفہ میں پناہ لی تھی، لیکن جب سفاح نے ابو سلمہ کا میلان آل ابی طالب کی طرف دیکھا تو سفاح نے اس کے قتل کرانے میں کوئی پس و پیش نہ کی۔

اگر سفاح کو خراسانیوں کی بغاوت کا خوف نہ ہوتا تو وہ ابو مسلم کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ ابو مسلم کا خراسان میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ سفاح نے محسوس کیا کہ ابو مسلم کا اقتدار حد سے بڑھا ہوا ہے اور وہ آیندہ چل کر خاندان خلافت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، چنانچہ اس نے اپنے بھائی ابو جعفر کو حالات دریافت کرنے کے لیے خراسان بھیجا۔ ابو جعفر نے واپس آکر اطلاع دی کہ ابو مسلم خراسان میں ایک مطلق العنان حاکم کی طرح حکمرانی کر رہا ہے۔ کچھ مدد کے بعد ابو مسلم نے حج کا ارادہ ظاہر کیا۔ ابو جعفر نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ دوران سفر میں جب ابو مسلم دربار خلاف میں پہنچے تو اسے قتل کر دیا جائے لیکن خلیفہ نے خراسانی سپاہیوں کے خوف سے اس مشورہ کو قبول نہ کیا، خلیفہ نے ابو مسلم کو حج کی اجازت تو دے دی، لیکن اپنے بھائی جعفر کو امیر حج مقرر کیا۔ ابو مسلم نے حاجیوں کی آسائش کے انتظام کیے اور لوگوں کو بے اندازا انعام و اکرام دیا، اور اپنی سخاوت اور شان و شوکت کی ایسی نمائش کی کہ اس کے مقابلے میں ابو جعفر کی ذات بالکل ماند پڑگئی جس سے ابو مسلم کے خلاف اس کی ناراضگی اور بڑھ گئی۔

سفاح کی وفات

جب ابو جعفر اور ابو مسلم خراسانی حج سے واپس آ رہے تھے تو انھیں راستے میں سفاح کی وفات کی خبر ملی۔ سفاح نے ۱۳۶ھ (۷۵۴ء) میں دارالحکومت ہاشمیہ میں چار سال کی حکومت کے بعد چیچک کے عارضہ سے وفات پائی۔ انتقال کے وقت اس کی عمر تیس سال کے قریب تھی۔

بنو عباس کا شجرہ نسب



۲ - ابو جعفر منصور

خلیفہ سفاح کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھائی ابو جعفر عبداللہ ۱۳۷ھ میں اس کا جانشین ہوا اس وقت اس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی - ابو جعفر نے تخت نشین ہو کر المنصور کا لقب اختیار کیا اور حکومت کے کاروبار میں کمال انہاک کے ساتھ مصروف ہو گیا -

عبداللہ بن علی کی بغاوت

سفاح کی وفات کے وقت اس کا چچا عبداللہ بن علی شام کا والی تھا اور اس کے پاس ایک بھاری فوج بھی تھی۔ اس نے منصور کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فوج سے اپنے حق میں بیعت لے لی۔ منصور نے اس کے مقابلے میں ابو مسلم خراسانی کو بھیجا۔ ابو مسلم نے اسے شکست دی اور عبداللہ نے بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس کوفے میں پناہ لی۔ منصور نے اسے پناہ دے دی لیکن بعد ازاں اسے قید خانے میں ڈال دیا اور چند سال کے بعد اسے قید ہی میں مروا ڈالا۔

ابو مسلم کا قتل

ابو مسلم خراسانی نے نہ صرف دولت عباسیہ کا نخل لگایا تھا بلکہ عبداللہ بن علی کے مقابلہ میں تخت دلایا تھا۔ بجائے اس کے کہ منصور اس کا شکر گزار ہوتا، اس نے اپنے دل میں اس کے قتل کی ٹھان رکھی تھی۔ کیونکہ منصور اس کی خود سری اور اس کے اقتدار کو اپنے خاندان کے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ ابو مسلم بھی منصور کی طرف سے بدظن تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اپنی سلامتی کی خاطر سیدھا خراسان کی طرف چلا جائے، لیکن منصور نے اس کی طرف پے در پے قاصد بھیج کر اسے دارالخلافہ میں بلایا۔ ابو مسلم آخر کار خلیفہ کے پاس حاضر ہونے پر رضامند ہوگیا۔ جب ابو مسلم دربار میں حاضر ہوا تو منصور نے اس سے کئی ایک باتوں کی شکایت کی اور اس سے جواب طلب کیا۔ منصور نے پہلے ہی چند مسلح سپاہی پس پردہ چھپا رکھے تھے۔ کچھ دیر کی بحثا بحثی کے بعد منصور نے تالی بجائی اور سپاہیوں نے پردے کے پیچھے سے نکل کر ابو مسلم کا کام تمام کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۳۷ھ کا ہے۔

رومیوں کے ساتھ جنگ

۱۳۸ھ میں قیصر روم نے مسلم سلطنت پر حملہ کر کے ملطیہ کو تباہ کر دیا جو سرحد پر فوجی لحاظ سے ایک اہم شہر تھا۔ اگلے سال مسلمانوں نے اس شہر کو واپس لے لیا اور قیصر روم کے ساتھ سات سال کے لیے صلح ہو گئی اور طرفین کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔ منصور نے سرحدی مقام کا دورہ کر کے ملطیہ اور دوسرے شہروں کو از سرے نو تعمیر کیا اور سرحد کی حفاظت کے لیے قلعے بنائے اور ان میں اپنی فوج متعین کر دی۔ چند سال کے بعد قیصر روم نے اپنا عہد و پیمان توڑ کر مسلم علاقے پر دوبارہ فوج کشی کی لیکن مسلمانوں کے ہاتھ سے شکست کھائی۔

منصور کے عہد میں اسلامی سلطنت کے بعض حصوں میں بھی ہنگامہ آرائی کا بازار گرم رہا۔ ۱۴۲ھ میں خراسان کے گورنر نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی لیکن عباسی فوج نے باغی گورنر کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ پھر عباسی فوج نے طبرستان کا رخ کیا، کیونکہ وہاں کا مقامی حکمران خلیفہ کی اطاعت سے منحرف ہوگیا تھا آخر کار اس نے شکست کھائی اور خلیفہ کی اطاعت منظور کرلی۔

۱۴۵ھ میں خزر قوم نے مسلم مملکت پر حملہ کیا اور قفقاز کے علاقے میں بہت تباہی پھیلائی، حملہ آور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے اور ارمینیہ میں بھی کئی سال تک فتنہ و فساد برپا رہا۔

عباسیوں اور علویوں کے باہمی تعلقات

اموی عہد میں شیعان علیؓ کی ایک کثیر تعداد موجود تھی، جن کو اہل بیعت کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ جب بنو عباس بنی امیہ

کا خاتمہ کر چکے اور خود خلافت پر قابض ہو گئے تو علوی خاندان کے لوگ جو خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے، ان کا منہ تکتے رہ گئے اور ان کو بنو امیہ کی طرح غاصب اور ظالم تصور کرنے لگے۔ جب سفاح نے خلافت سنبھالی تو حضرت حسنؑ کے پوتے عبداللہ اور دیگر علوی، کوفہ آئے اور انھوں نے سفاح سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم خلافت پر جو دراصل ہمارا حق تھا قابض ہو گئے ہو۔ سفاح نے ان کو بہت سا مال و دولت دے کر خاموش کر دیا اور دوسرے علویوں کو بھی انعام و اکرام دے کر خوش و خرم واپس کیا۔

جب ابو جعفر منصور خلیفہ بنا تو اسے علویوں کی طرف سے بہت خطرہ پیدا ہوا، خصوصاً محمد بن عبداللہ کی طرف سے جو حضرت حسنؑ کی اولاد سے تھے اور اپنے شریفانہ اخلاق اور اعلیٰ سیرت کی وجہ سے نفس زکیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ جب منصور نے خلافت سنبھالی تو انھیں منصور کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا چنانچہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم دونوں منصور کے خوف سے روپوش ہو گئے، اس سے منصور کو یقین ہو گیا کہ وہ خفیہ طور پر اپنی حکومت کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ جب وہ ان کو گرفتار کرنے میں ناکام رہا، تو اس نے جھلا کر مدینہ سے علوی خاندان کے سرکردہ افراد کو شبہ میں گرفتار کر لیا اور ان کو سخت اذیتیں دیں اور اکثر کو قتل کر دیا۔

جب نفس زکیہ نے منصور کے ظلم و ستم کا حال سنا، تو اسے مزید ضبط کی تاب نہ رہی اور اس نے ۱۴۵ھ میں مدینے میں داخل ہو کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس پر منصور نے نفس زکیہ کے مقابلہ کے لیے ایک فوج بھیجی، جس نے مدینہ کا محاصرہ کر کے نفس زکیہ اور ان کے ساتھیوں کو شکست دی اور نفس زکیہ لڑتے ہوئے مارا گیا۔

بغداد کا آباد ہونا

منصور نے اپنے عہد حکومت کے ابتدائی سال، ہاشمیہ میں گزارے، لیکن یہ مقام اس لحاظ سے غیر موزوں تھا کہ وہ کوفہ کے قریب تھا، جہاں کے اکثر لوگ خاندان علیؑ کے طرفدار تھے۔ لہٰذا منصور نے ارادہ کیا کہ اپنے لیے ایک نیا دارالحکومت بنائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے بغداد کو منتخب کیا، جو دریائے دجلہ کے کنارے ایک قدیم قریہ تھا۔ منصور نے ۱۴۵ھ میں دجلہ کے مغربی کنارے پر ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی، جو ایک دائرہ کی شکل میں تھا۔ منصور نے اس کی تعمیر کے لیے دور دور سے با کمال معمار اور ہنر مند کاریگر منگوائے۔ مرکز میں شاہی محلات، جامع مسجد، اور سرکاری دفاتر تھے ان کے ارد گرد امراء اور ارکان سلطنت کے مکانات تھے۔ کوچہ و بازار کشادہ اور ترتیب کے ساتھ بنائے گئے اور ان کے ارد گرد ایک مضبوط فصیل تعمیر ہوئی، آب رسانی کے لیے نہریں جاری کی گئیں۔ شہر کے چار دروازے تھے۔ جن پر دن رات پہرہ رہتا تھا۔ مختلف قسم کی تجارتی منڈیاں شہر سے باہر تھیں، فوجی چھاؤنی دریا کے مشرقی کنارے پر بسائی گئی۔ مضری، یمنی قبیلوں اور خراسانی سپاہیوں کے لیے الگ الگ بارکیں بنائی گئیں۔ بغداد کی تعمیر ۷۶۰ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور اس پر لاکھوں دینار خرچ ہوئے۔ منصور نے اس کا نام "مدینۃ السلام" رکھا۔

بغداد کا محل وقوع کئی لحاظ سے بہت موزوں تھا، چونکہ سلطنت کے مرکز میں واقع تھا، اس لیے وہاں سے تمام صوبجات کی بخوبی نگرانی ہو سکتی تھی۔ نیز آرمینیہ اور الجزیرہ کی پیداوار اور ہند و چین کا تجارتی مال بحری راستہ سے جہازوں کے ذریعہ براہ راست پہنچ سکتا تھا۔ ہر قسم کے کاریگر اور ہنرمند وہاں آ کر جمع ہوگئے اور صنعت و حرفت اور تجارت کی گرم بازاری ہوئی۔ خلفاء کی قدردانی نے اطراف عالم سے علما و فضلا کو کھینچا۔

غرض بغداد کی رونق میں برابر ترقی ہوتی گئی، یہاں تک کہ وہ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا سیاسی، تجارتی، تمدنی اور علمی مرکز بن گیا اور بڑے بڑے عالم و فاضل اس کی خاک سے اٹھے۔

امام جعفر الصادق

امام جعفر الصادق اپنے سلسلہ کے چھٹے امام ہیں وہ بھی اپنے والد امام محمد باقر کی طرح سیاست کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہے، انھوں نے اپنی بیشتر توجہ علم دین پر مبذول رکھی۔ آپ علم حدیث اور علم فقہ میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ شیعی فقہ کو فقہ جعفری کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ جنھوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی، آپ کے ہمعصر تھے۔ امام جعفر الصادق نے اپنی ساری عمر مدینہ منورہ میں گزاری اور وہیں ۱۶۸ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ امام جعفر الصادق کی امامت پر تمام شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے، ان کے بعد امامت کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا۔ جو لوگ ان کے بیٹے اسماعیل کی امامت کے قائل تھے وہ اسماعیلیہ کہلائے اور جن لوگوں نے ان کے بیٹے موسیٰ کاظم کو اپنا امام تسلیم کیا انھوں نے اماموں کے سلسلہ کو دوازدہ امام تک چلایا، وہ اثنا عشری کہلائے کیونکہ اثنا عشر کے معنے عربی زبان میں بارہ ہیں۔

منصور کے عہد کے علمی حالات

اسلام کے ابتدائی دور میں دینی علوم کا سلسلہ، زبانی روایت پر چلتا رہا، لیکن عباسی عہد میں ان کی تدوین شروع ہوئی، یعنی علماء نے اپنے اپنے فن میں کتابوں کی تالیف شروع کی۔ امام مالک بن انس نے مدینہ منورہ میں خلیفہ منصور کی فرمائش پر علم حدیث میں اپنی مشہور کتاب موطا تالیف کی۔ محمد بن اسحاق نے رسول خدا ؐ کی سیرت پر ایک جامع کتاب لکھی، امام ابو حنیفہ نے

کوفہ میں اور امام مالک نے مدینہ میں اپنے اپنے اصولوں پر فقہ اسلامی کی تعلیم جاری رکھی، جس پر حنفی اور مالکی فقہ کی بنیاد پڑی۔

ابن المقنع نے جو ایرانی نسل سے تھا، منصور کے عہد میں عربی زبان کے ادیب کی حیثیت سے بہت شہرت پائی۔ اس نے ایک تاریخی کتاب خدائے نامہ کو پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا، اور اسی طرح پہلوی کی ایک اور کتاب کو ''کلیہ و دمنہ'' کے نام سے عربی میں منتقل کیا، جس میں جانوروں اور پرندوں کی زبان سے حکمران کو اصول سیاست کی تعلیم دی گئی ہے۔ محمد بن ابراہیم قراری نے خلیفہ منصور کے حکم سے ''علم الفلک'' کی ایک کتاب ''سدھانتا'' کو سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا اور ابن بطریق نے منصور کے لیے یونانی حکما بقراط اور جالینوس کی تالیفات کو عربی لباس پہنایا۔

ساسانیوں کے عہد سے خوزستان کے شہر ''جندی سابور'' میں ایک شفاخانہ ''بیمارستان'' کے نام سے قائم تھا جو طبّی درس گاہ کا کام بھی دیتا تھا، اس کی بنیاد نسطوری فرقہ کے عیسائی طبیبوں نے ڈالی تھی اور اسلامی عہد میں بھی وہی اس کے نگران چلے آ رہے تھے۔ خلیفہ منصور نے جورجس بن بخت یشوع کو جو اس زمانے میں جندی سابور کا افسرالاطباء تھا، اپنے علاج کے لیے بغداد طلب کیا اور اسے اپنا درباری طبیب مقرر کیا۔ ابن بخت یشوع نے طب کی کئی کتابیں یونانی سے عربی میں ترجمہ کیں، چنانچہ اس کی کوشش سے طبی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ عربی زبان میں جمع ہوگیا۔ اس کا خاندان کئی پشتوں تک خلفا بغداد کی سرپرستی میں علم طب کی خدمات سرانجام دیتا رہا۔

منصور کی سیرت اور سیاست

منصور ایک مدبر اور مستقل مزاج حکمران تھا جو دن رات سلطنت کے کاروبار میں منہمک رہتا تھا ۔ اس نے اپنے خاندان کے افراد کو مختلف صوبوں کا والی بنایا ، لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی کڑی نگرانی کرتا تھا ۔ اس نے عجمیوں کو بھی اہم انتظامی عہدے دیے ، جس سے دربار خلافت میں عجمیوں کا اثر و رسوخ بڑھنے اور عربوں کا زور گھٹنے لگا ۔ والیوں اور عہدہ داروں کی نگرانی کے لیے ہر جگہ پرچہ نویس مقرر تھے ، جو خلیفہ کو عاملوں کی کارگزاری ، قاضیوں کے فیصلوں ، بازار کے نرخوں اور دیگر اہم واقعات سے آگاہ رکھتے تھے ۔ اس طریق سے خلیفہ اپنی سلطنت کے دور دراز علاقوں کے حالات سے باخبر اور ہر قسم کی خرابی دور کرنے کے لیے تیار رہتا تھا ۔ منصور سلطنت کی آمدنی اور اخراجات پر گہری نظر رکھتا تھا اور خزانہ کی رقم کو ضائع نہیں کرتا تھا ، اس احتیاط کا نتیجہ تھا کہ اس نے بغداد کی تعمیر پر زر کثیر صرف کرنے کے باوجود اپنی وفات کے وقت خزانہ شاہی میں بے شمار دولت چھوڑی ۔

حکومت کے مخالفین کے ساتھ منصور کسی قسم کی نرمی روا نہ رکھتا تھا ۔ بلکہ ان کو قابو میں لانے اور تباہ کرنے میں اپنے عہد و پیمان کو بھی توڑ دیتا تھا ۔ اس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو امان دینے کے بعد قید کر دیا اور کچھ عرصہ کے بعد اسے مروا ڈالا ۔ اسی طرح دولت عباسیہ کے حامی ابو مسلم خراسانی کو دم دلاسا دے کر دربار میں بلایا اور پھر اپنے سامنے اسے قتل کرا دیا ۔ ان کے علاوہ اس نے ابن ہبیرہ کو بھی عہد نامہ لکھ دینے کے بعد قتل کرا دیا ۔ وہ نفس زکیہ کو بھی اسی طرح دھوکہ دے کر اپنے قابو میں لانا چاہتا تھا لیکن وہ اس کے دام فریب میں نہ آیا اور اس نے منصور کے قول و قرار پر اعتماد کرنے کی بجائے میدان جنگ میں لڑ کر جان دے دینا بہتر سمجھا ۔ سلطنت کے

حسن انتظام اور مملکت کے استحکام کے لحاظ سے منصور ایک کامیاب حکمران ثابت ہوا، اسی لیے دولت عباسیہ کا حقیقی بانی سمجھا جاتا ہے - اس نے اپنے بائیس سالہ عہد حکومت میں اپنے دشمنوں کو زیر کیا اور اپنے حسن تدبر سے سلطنت کی عمارت کو ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا کہ اس کا خاندان پانچ سو سال سے زیادہ مدت تک برسر اقتدار رہا - بعد میں آنے والے تمام عباسی خلفا اسی کی نسل سے تھے -

منصور نے ۱۵۸ھ میں وفات پائی، اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی -

۳ - محمد مہدی

خلیفہ منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد مہدی مسند خلافت پر بیٹھا - محمد مہدی فطری طور پر رحم دل اور سخی تھا - اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کی درشتی اور سخت گیری کو رحم دلی اور نرمی میں بدل دیا، قید خانوں میں جتنے سیاسی قیدی تھے، ان میں سے اکثر کو رہا کر دیا - مقامات مقدسہ سے جو مراعات چھن چکی تھیں، انھیں بحال کر دیا - وہاں کی مساجد کو وسیع کرکے ان کی زیب و زینت میں اضافہ کیا - دوسرے شہروں میں بھی مساجد کی توسیع کی اور وہاں نئی عمارتیں بنائیں - علویوں کی جو جائدادیں خلیفہ منصور نے ضبط کر لی تھیں، مہدی نے ان کو واگزار کر دیا - اسی طرح جن لوگوں سے تاوان اور جرمانے وصول کیے گئے تھے وہ تمام رقمیں واپس کر دیں - اس نے کئی بار بیت المقدس اور حجاز کا شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ سفر کیا اور حرمین کے لوگوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا - اس کی فیاضی اسراف کی حد تک پہنچی ہوئی تھی - چنانچہ اس نے اپنے باپ کا جمع کیا ہوا خزانہ اپنی داد و دہش سے چند ہی سالوں میں خالی کر دیا -

اگرچہ خلیفہ مہدی عیش پرست تھا لیکن سلطنت کے تمام کاروبار پر نگاہ رکھتا تھا۔ اس نے حتی الوسع ظلم کا انسداد کیا اور بے جا کشت و خون سے پرہیز کیا اور حکومت میں عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھا۔ اس کے عہد میں مملکت میں امن و سکون رہا اور رعایا آسودہ حال رہی۔ مہدی اہل علم کا قدردان تھا اور ان کی صحبت کو پسند کرتا تھا۔ غرضیکہ اس کے ذاتی اوصاف اور عمدہ جہانبانی نے اسے رعایا میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔

مقنع کا ظہور

۱۵۹ھ میں مرو کے ایک باشندے نے ترکستان میں خدائی کا دعویٰ کیا کہ میرے اندر خدا کی روح حلول کر آئی ہے۔ وہ اپنے چہرے کو ہمیشہ چھپائے رکھتا تھا، اس لیے منع یعنی نقاب پوش کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی شعبدہ بازی کے اثر سے بہت سے لوگ اس کے پیرو بن گئے، خلیفہ مہدی مذہبی معاملات میں بڑا سخت گیر تھا، اس نے مقنع کی سر کوبی کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ مقنع نے ایک قلعہ میں پناہ لی اور جب دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی، تو اس نے اپنے خاندان اور ساتھیوں سمیت خود کشی کر لی۔

رومیوں کے ساتھ جنگ

بنو امیہ اور بنو عباس کی باہمی آویزش کے دوران میں رومی قیصروں نے سرحدی مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ لہٰذا خلیفہ مہدی ان کے مقابلہ میں نکلا اور شام کی سرحد تک جا پہنچا، اپنے اپنے نوجوان بیٹے ہارون کو چند تجربہ کار سپہ سالاروں کے ہمراہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ رومیوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ہارون نے رومی فوج کو شکست دی اور ایشیائے کوچک میں داخل ہو کر

قسطنطنیہ تک جا پہنچا ۔ رومیوں میں مقابلہ کی تاب نہ تھی ، اس لیے انھوں نے ستر ہزار دینار سالانہ خراج پر صلح کر لی ۔ خلیفہ مہدی ، ہارون کی شاندار کامیابی سے بہت خوش ہوا اور اسے الرشید کا لقب دیا ۔ اس مہم میں بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ۔

زندیقیوں کی بیخ کنی

دوسری صدی ہجری میں ایران میں ایک شخص نے جس کا نام مانی تھا ، نبوت کا دعویٰ کیا اور قدیمی مجوسی عقائد میں عیسائیت کی آمیزش کر کے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی ۔ بہت سے لوگ اس کے پیرو بن گئے ۔ اس وقت ایران میں زرتشت کے پیروؤں کا بہت زور تھا ۔ انھوں نے مانی کی سخت مخالفت کی اور بادشاہ وقت کے ہاتھوں اسے اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو مروا ڈالا ۔ اس فرقہ کے جو لوگ بچ رہے ، وہ مدت تک ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے آخرکار جب اسلام کا زمانہ آیا اور اس نے غیر مسلموں کو آزادی دی ، تو فرقہ مانویہ کے لوگوں نے بھی اطمینان کا سانس لیا اور اپنے عقائد کی ترویج شروع کر دی ۔ عام لوگ ان کو زندیق کہتے تھے ۔ جب عیسائیوں کا عہد آیا تو ملک میں ان کی کتابیں پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے اثر سے بعض لوگ الحاد یعنی بے دینی کی طرف مائل ہو گئے تھے ۔ خلیفہ مہدی نے ان کی بیخ کنی پر کمر باندھی اور سینکڑوں لوگوں کو قتل کرا دیا اور حکم دیا کہ مانوی فرقہ کے عقائد کی رد میں کتابیں لکھی جائیں اور ان کا کھوج لگانے کے لیے ایک خاص افسر مقرر کیا ، جس کو صاحب الزنادقہ یا عارف الزنادقہ کہتے تھے ۔

مہدی کی سیرت اور وفات

خلیفہ مہدی نے دس سال کی حکومت کے بعد ۱۶۹ھ میں وفات

پائی - مہدی فطری طور پر سلیم الطبع تھا اور خون ریزی سے اجتناب کرتا تھا - اس کے باپ کے زمانے میں سلطنت کے دشمنوں کا قلع قمع ہو چکا تھا ، اس لیے اس کے عہد میں امن و سکون رہا اور رعایا خوش حال رہی اور خلیفہ کے عفو و کرم نے اسے رعایا میں ہر دلعزیز بنا دیا -

۴ - خلیفہ ہادی

۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ

ہادی نے اپنے باپ خلیفہ مہدی کی وفات کے بعد ۱۶۹ھ میں خلافت سنبھالی - ہادی کے عہد میں حضرت حسن[۴] کی اولاد میں سے حسین بن علی اور ان کے رشتہ داروں نے عباسیوں کے خلاف مدینہ میں سر اٹھایا اور شہر پر قبضہ کر لیا ، لیکن کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے شکست کھائی اور حسین بن علی اور بہت سے دیگر علوی فخ کے مقام پر مارے گئے - اس معرکہ سے جو علوی بچ نکلے ، ان میں نفس زکیہ کے بھائی ادریس بن عبداللہ اور یحییٰ بن عبداللہ بھی تھے - ادریس فرار ہو کر مصر کے راستے سے مغرب اقصیٰ میں جا پہنچا اور وہاں بربروں کو اپنا طرف دار بنا کر اس نے ۱۷۲ھ میں ادریسی خاندان کی بنیاد ڈالی - یحییٰ بن عبداللہ شمالی ایران میں ویلم کے علاقے میں چلا گیا ، جہاں اس نے خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں خروج کیا -

ہارون بھی اپنے باپ کی طرح زندیقیوں کا سخت دشمن تھا - اس نے بھی بہت سے لوگوں کو جو زندیق یعنی مانی کے پیرو تھے یا جن پر زندقہ کا شبہ تھا قتل کرا دیا یا قید کر دیا -

ہادی سلطنت کے کاروبار پر پوری توجہ دیتا تھا ، اس نے ایک سال کی حکومت کے بعد ۱۷۰ھ میں وفات پائی -

۵ ۔ خلیفہ ہارون الرشید

۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ

ہارون الرشید نے اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد ۱۷۰ھ میں ۲۵ سال کی عمر میں مسند خلافت پر قدم رکھا اور اپنے اتالیق یحیٰی بن خالد برمکی کو اپنا وزیر بنایا ۔ ہارون الرشید نے اپنی خلافت کے پہلے ہی سال میں بیت اللہ کا حج کیا اور حرمین شریف میں یعنی (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کے باشندوں کو بہت سا انعام و اکرام دیا ۔ ہارون کے زمانے میں سلطنت کے بعض حصوں میں شورش اٹھی لیکن خلیفہ نے اسے دبا دیا ۔

۱۷۶ھ میں نفس زکیہ کے بھائی یحیٰی بن عبداللہ نے ویلم کے علاقہ میں سر اٹھایا ۔ خلیفہ نے اپنے وزیر کے بیٹے فضل بن یحیٰی کو اس کے مقابلے میں بھیجا ۔ فضل نے یحیٰی کو صلح پر آمادہ کر لیا ۔ چنانچہ ہارون نے اسے امان نامہ لکھ دیا اور ایک بھاری رقم بھی ادا کی ، لیکن بعد ازاں اسے حراست میں لے لیا ۔

رومیوں کے ساتھ جنگیں

رومیوں کی طرف سے ہمیشہ حملے کا خطرہ رہتا تھا ، اس لیے ان کی روک تھام کے لیے خلیفہ نے شام کے سرحدی اضلاع کو ملا کر ایک علیٰحدہ ولایت بنا دی اور اس پر ایک ترکی سپہ سالار کو حاکم مقرر کیا ۔ اپنی تخت نشینی کے آٹھ نو سال بعد ہارون الرشید نے دارالخلافہ بغداد کو چھوڑ کر شام کے شمال میں رقہ کے شہر میں سکونت اختیار کی اور وہاں سے رومیوں کے خلاف ہر سال فوج بھیجتا رہا ۔ مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت اور بہت سے قیدی ہاتھ آتے رہے اور کبھی کبھی ان کو لڑائی میں نقصان بھی اٹھانا پڑتا تھا ۔

۱۸۱ھ میں ہارون الرشید نے بنفس نفیس لشکر کشی کی، اس وقت رومی سلطنت کی زمام حکومت، ملکہ ارینی کے ہاتھ میں تھی - اس نے دب کر مسلمانوں سے صلح کر لی اور خلیفہ کو خراج دینا منظور کیا - اس کے بعد نقفور تخت پر بیٹھا، اس نے صلح کے معاہدہ کو توڑ کر ہارون الرشید کو ایک گستاخانہ خط لکھا اور خراج کی واپسی کا مطالبہ کیا - اس سے ہارون آگ بگولا ہو گیا - اور ایک بھاری فوج لے کر ۱۹۰ھ میں رومی علاقہ پر چڑھائی کر دی اور کئی شہر لے لیے - رومیوں نے شکست کھائی اور خراج دے کر صلح کر لی - کچھ عرصہ بعد رومیوں نے موقع پا کر مسلم علاقے پر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ان مسلسل لڑائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ طرفین کے درمیان عداوت اور زیادہ بڑھ گئی -

امین اور مامون کی ولی عہدی

ہارون‌الرشید کی چہیتی ملکہ سیدہ زبیدہ، خلیفہ منصور کی پوتی تھی - اس کے بطن سے امین پیدا ہوا - چنانچہ امین ماں باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی خاندان سے تھا - ابھی وہ پانچ برس کا تھا کہ ہارون نے ۱۷۵ھ میں اسے اپنا ولی عہد یعنی جانشین مقرر کردیا - سات برس کے بعد خلیفہ نے اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو مامون کا لقب دے کر امین کا جانشین مقرر کیا اور دونوں بھائیوں نے ایفائے عہد کا تحریری اقرار نامہ لے کر اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا - مامون، عمر میں امین سے چند ماہ بڑا تھا اور اس کے مقابلے میں بہت ہوشیار اور لائق تھا لیکن وہ ایک لونڈی کے بطن سے تھا، اس لیے جانشینی کے معاملہ میں امین سے بازی لے گیا -

برامکہ کا عروج

خلیفہ مہدی نے خالد بن برمک کے بیٹے یحییٰ کو ہارون کا

اتالیق مقرر کیا تھا ، چنانچہ ہارون یحییٰ بن خالد کا بڑا احترام کرتا تھا اور ہمیشہ اس کے مشورے پر چلتا تھا ۔ جب ہارون خلیفہ بنا تو اس نے یحییٰ کو اپنا وزیر مقرر کیا اور سلطنت کا تمام کاروبار اس کے سپرد کر دیا ، یحییٰ بڑا عقل مند اور صاحب تدبیر اور فیاض طبع تھا ۔ اپنی سخاوت اور حسنِ انتظام سے اس نے جلد ہی رعایا کے دلوں میں گھر کر لیا اور اس کی ذات مرجع انام بن گئی۔ خلیفہ ہارون الرشید کو بھی اس پر پورا پورا اعتماد تھا ۔

یحییٰ بن خالد کے چار بیٹے تھے فضل ، جعفر ، محمد اور موسیٰ ۔ ہارون الرشید نے فضل بن یحییٰ کو اپنے بیٹے امین کا اتالیق مقرر کیا اور بعد ازاں اسے خراسان کا گورنر بنا دیا ۔ فضل نے اپنے حسن تدبر سے سلطنت کے مخالفوں کو مطیع بنایا ۔ ملک میں امن و امان قائم کیا ، جابجا مسجدیں اور لنگر خانے تعمیر کیے ، غرضیکہ اپنے فرائض منصبی کو بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور اپنی لیاقت اور فرزانگی سے رفتہ رفتہ وزارت کے کاموں میں دخیل ہو گیا اور اپنے باپ یحییٰ کا نائب بن گیا اور وزارت کے تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں آ گئے ۔ فضل بڑا سخی اور فیاض تھا ، اس نے ہزاروں لوگوں کو انعام و کرام دے کر مالا مال کر دیا اور لوگوں میں ہردلعزیز ہو گیا ۔

یحییٰ بن خالد برمکی کا دوسرا بیٹا جعفر برمکی بڑا خوش خلق لطیف الطبع اور عالی ہمت شخص تھا ۔ اسے ادب اور انشاء میں بھی کمال حاصل تھا ۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسے اپنا ندیم اور ہمدم بنایا ، جعفر نے اپنی خوش مزاجی سے خلیفہ کے مزاج میں بڑا دخل حاصل کر لیا ، ہارون کو جعفر سے بڑا انس تھا اور اسے فضل سے زیادہ عزیز رکھتا تھا ۔ چنانچہ خلیفہ نے وزارت کے تمام اختیارات جعفر کے سپرد کر دیے اور جعفر سلطنت کے تمام کاروبار پر حاوی ہو گیا اور اس نے حکومت کے تمام شعبوں اور صیغوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا ،

اس کے چھوٹے بھائی فوج کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے اور صوبود کے اکثر والی بھی اسی کے پروردہ تھے۔ سلطنت کے محاصل اور اخراجات اسی کے ہاتھ میں تھے۔ چنانچہ اس کے خاندان نے ان اختیارات سے خوب فائدہ اٹھایا، بڑی بڑی جاگیریں حاصل کر لیں، عالی شان محل تعمیر کیے اور مال و دولت کو داد و دہش میں بے دریغ صرف کیا۔ دور دور سے لوگ ان کی سخاوت کا حال سن کر آتے اور برمکی ان کو مالا مال کر دیتے، شاعر ان کی مدح میں قصیدے کہتے اور علما و فضلا ان کی سرپرستی کی بدولت فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے، غرضیکہ برامکہ کو مملکت میں اقتدار کے ساتھ انتہائی عزت اور مقبولیت بھی حاصل ہو گئی اور ان کا خاندان مرجع خاص و عام بن گیا۔

برامکہ کا زوال

برامکہ کی یہی دولت و حشمت اور شہرت ؑان کی بربادی کا باعث بنی۔ ان کے اقتدار نے ان کے بہت سے حاسد اور دشمن پیدا کر دیے۔ ان حاسدوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ برامکہ حد سے زیادہ طاقتور اور خود سر ہو گئے ہیں۔ حکومت عملی طور پر ان کے ہاتھ میں جا چکی ہے۔ انھوں نے حکومت کے تمام اختیارات اپنے قبضے میں لے لیے ہیں اور ان کی داد و دہش نے رعایا کی تمام توجہ اپنی طرف کھینچ لی ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ وہ کسی دن اچانک اسے بادشاہت سے بے دخل کر دیں ان کے دشمنوں نے خلیفہ کے دل میں یہ بات بھی ڈال دی تھی کہ برامکہ اہل بیت کے ساتھ دلی عقیدت رکھتے ہیں اور درپردہ ان کی خلافت کے لیے کوشش کر رہے ہیں، گذشتہ چالیس برس کے عرصہ میں تین چار علوی دعویدار عباسیوں کے خلاف اٹھے تھے اس لیے ہارون کو اپنی خلافت کی سلامتی کے بارے میں بہت اندیشہ رہتا

تھا ۔ رفتہ رفتہ برامکہ کے دشمنوں کی باتیں اس کے دل میں گھر کر گئیں اور اسے محسوس ہونے لگا کہ برامکہ نے فی الواقع تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر اسے ایک عضو معطل بنا دیا ہے ۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ کسی دن سلطنت پر خود قبضہ کر لیں یا خلافت کو حضرت علی کے خاندان میں منتقل کر دیں ۔ اگرچہ برامکہ نے تا حال خلیفہ کے خلاف اعلانیہ طور پر کوئی بات نہیں کی تھی ، تاہم حاسدوں کی دراندازی سے اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ برامکہ اس کے خلاف سازش کر رہے ہیں ۔ ان وجوہ سے اس نے ان کی بیخ کنی کا مصمم ارادہ کر لیا اور مناسب موقع کی تلاش میں رہنے لگا ، چنانچہ ۱۸۶ھ میں جب وہ حج سے واپس آ رہا تھا اس نے انبار کے مقام پر رات کے وقت جعفر بن یحییٰ کو قتل کرا دیا اور اس کے باپ اور بھائی کو قید میں ڈال دیا ۔ چند سال کے بعد وہ اسی قید میں مر گئے ۔ خلیفہ نے ان کے خاندان کے دیگر افراد کو بھی نظر بند کر دیا ۔ ان کے قرابت داروں کو ان کے عہدوں سے بر طرف کر دیا اور ان کے مال و دولت اور جائیدادوں کو ضبط کر لیا ۔ برامکہ کے ساتھ یہ ساری بے انصافی اور ظلم و ستم محض شک و شبہ کی بنا پر ہوا ۔

ہارون کے عہد کی علمی ترقی

ہارون الرشید علما و فضلا کا بڑا قدردان تھا اور ارباب کمال کی دریا دلی کے ساتھ سرپرستی کرتا تھا ۔ اس کی شاہانہ قدردانی کا شہرہ سن کر اہل ہنر دور دور سے کھینچ کر بغداد میں جمع ہو گئے تھے اور دارالخلافہ علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا ۔

مسلمانوں میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ پہلے ہی سے شروع ہو چکا تھا ۔ ہارون کے عہد میں اسے اور ترقی ہوئی ۔ اسلامی علوم کے علاوہ علوم عقلیہ یعنی فلسفہ و حکمت ، علم الفلک ، علم طب اور

ریاضی کے ماہرین بھی جمع ہو گئے تھے - یہ لوگ یونانی ، سریانی ، پہلوی اور سنسکرت میں کوئی مفید کتاب پاتے تو اسے فوراً عربی میں ترجمہ کر ڈالتے اور اس کے بدلے میں خلیفہ سے بیش قرار انعام حاصل کرتے - خلیفتہ المسلمین بلا لحاظ اختلاف مذہب و ملت ان کی سرپرستی کرتا تھا -

بیت الحکمت

ہارون الرشید نے علم و فنون کی ترقی کے لیے ایک عظیم الشان محکمہ قائم کیا اور اس کا نام ''بیت الحکمت'' رکھا - تصانیف کا جو ذخیرہ عربی زبان میں منتقل ہو چکا تھا ، اسے وہاں جمع کر دیا اور ہر فن اور ہر زبان کے ماہر ، ترجمہ کے کام پر مامور کر دیے - رومیوں کے ساتھ جنگ کے دوران میں بہت سی یونانی کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں تمام کتابیں بیت الحکمت میں داخل کر دی گئیں اور یوحنا بن مسکویہ کو جو اس زمانے کا ایک مشہور مترجم تھا ، اس کا ناظم مقرر کیا گیا -

برمکی خاندان نے بھی علوم و فنون کی اشاعت میں بڑی کوشش کی ، وہ ایرانی نسل کے تھے اس لیے انھوں نے ایران کے قدیم علوم اور پہلوی زبان کے تراجم کی طرف خاص توجہ مبذول کی - برامکہ نے علمی محفلوں کے انعقاد کا بھی رواج ڈالا - یحیٰی بن خالد اپنے ہاں مناظرہ کی مجلس منعقد کراتا تھا جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوتے تھے - برامکہ نے اپنے کارندے ہندوستان میں ادویہ لانے کے لیے بھیجے اور وہاں سے کئی ایک طبیب طلب کیے - برامکہ نے بغداد میں ایک شفاخانہ بھی قائم کیا اور ایک ہندی طبیب کو اس کا افسر اعلیٰ مقرر کیا ، اس ہسپتال میں مریضوں کا علاج ویدک طریق پر ہوتا تھا - طبیبوں کے علاوہ دوسرے ہندی عالم بھی بغداد پہنچے جنھوں نے سنسکرت زبان کی علمی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں

امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد شیبانی نے فقہ حنفی کو مدون کیا یعنی فقہ اسلامی کو اپنے نامور استاد کے اصولوں پر ترتیب دے کر ایک منظم صورت دی ۔ قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کی فرمائش پر "کتاب الخراج" لکھی اور اس میں مالگزاری کے قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق بیان کیا ۔

امام موسیٰ الکاظم

حضرت موسیٰ الکاظم اپنے والد بزرگوار حضرت امام جعفرصادق کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے اور اپنے سلسلے کے ساتویں امام ٹھہرے ، آپ بڑے صابر اور حلیم الطبع تھے ، اسی لیے الکاظم کے لقب سے مشہور ہوئے ۔ آپ مدینے میں خاموشی کی زندگی بسر کر رہے تھے ، کہ بعض حاسدوں نے ہارون الرشید کے پاس ان کے خلاف چغلی کھائی ۔ خلیفہ کو ان سے خطرے کا احساس پیدا ہوگیا ۔

چنانچہ ایک مرتبہ جب حج کے لیے حجاز آیا تو راستے میں امام موسیٰ الکاظم کو اپنے ساتھ لے لیا اور بغداد میں ان کو نظربند کر دیا ۔ امام ممدوح نے اسی نظر بندی کی حالت میں وفات پائی ۔

حضرت امام موسیٰ الکاظم کے بعد ان کے بیٹے حضرت علی الرضا ان کے جانشین ہوئے اور اپنے سلسلے کے آٹھویں امام تسلیم کیے گئے ۔

ہارون الرشید کی سیرت

خلیفہ ہارون الرشید مذہبی احکام کا پابند تھا ۔ اس نے اپنی خلافت کے پہلے ہی سال خانہ کعبہ کا حج کیا ۔ جس سال وہ رومیوں کے خلاف لشکر کشی میں مصروف نہ ہوتا ، اس سال بیت اللہ کی زیارت سے مشروب ہوتا تھا ۔ وہ سفر حج کے لیے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ نکلتا تھا ۔ سینکڑوں علما اور شعرا اس کے ہمرکاب ہوتے تھے اور وہ حرمین میں بے حساب مال و دولت خیرات کرتا تھا ۔ اگرچہ ہارون

راگ رنگ کا شائق تھا اور مغنیوں کا مربی ، لیکن کاہلی ، سستی اور تن آسانی سے دور رہتا تھا اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا تھا بلکہ ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا تھا ، اس میں منصور کی سی جز رسی نہ تھی بلکہ داد و دہش میں بڑی دریا دلی کا ثبوت دیتا تھا ۔ محاصل کی کثرت سے خزانہ ہمیشہ بھرا رہتا تھا اور خلیفہ اسے اپنے لشکر اور سرکاری ملازموں کے مشاہرہ اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتا تھا ۔ وہ ذاتی طور پر بڑا بلند حوصلہ اور عالی ہمت تھا اور اکثر فوجی مہموں میں بذات خود شریک ہوتا اور جنگ کی مشقیں برداشت کرتا ۔ خلیفہ کے سطوت و جبروت کا سکہ دوست دشمن دونوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا ۔ غرض ہارون کے عہد میں عباسی خلافت اوج کمال پر پہنچ چکی تھی اور اگر اس کے نام پر برامکہ کی تباہی کا داغ نہ ہوتا ، جن کو اس نے محض شک و شبہ کی بنا پر برباد کیا تھا ، تو اس کا عہد حکومت عباسی دور کا بہترین زمانہ تصور ہوتا ۔

ہارون الرشید نے ۱۹۳ھ میں جب وہ خراسان میں ایک بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف تھا ، طوس کے مقام پر وفات پائی اور وہیں مدفون ہوا ۔ اس کی مدت حکومت ۲۳ سال ہے ۔

۶ - امین

۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ

امین اپنے باپ ہارون الرشید کی وفات کے بعد ۱۹۳ھ میں خلیفہ بنا ۔ اس وقت اس کی عمر ۲۳ سال کی تھی ۔ اس میں دانش مندی اور حکمرانی کی خوبیاں نہ تھی ۔ بلکہ وہ جہاں بانی کے اوصاف سے یکسر خالی تھا ۔ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی لہو و لعب میں مشغول ہو گیا سلطنت کا کاروبار اپنے وزیر فضل بن ربیع کے سپرد کر کے خود

رنگ رلیوں میں ڈوب گیا ۔ ارکان دولت اور فوج کے منصب داروں کو دربار سے الگ کر کے امور سلطنت سے بالکل غافل ہو گیا ۔ مسخروں ، گویوں اور خواجہ سراؤں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں تمام اطراف مملکت سے حسین لونڈیاں اور عمدہ عمدہ گانے والیاں محلوں میں جمع کیں اور انھیں لباس فاخرہ اور زر و جواہر سے آراستہ کر کے خزانہ شاہی کو خالی کر دیا اور اپنا تمام وقت انھیں کی صحبت میں گزارنے لگا ۔ ان تفریحی مشاغل کے لیے نئے نئے محلات اور نزہت گاہیں تعمیر کرائیں ، دریا کی سیر کے لیے انوکھی طرز کی کشتیاں بنوائیں آخر کار اس کی غفلت شعاری اور عاقبت نا اندیشی اپنا رنگ لائی اور اس کی تباہی کا موجب ہوئی ۔

امین اور مامون کی باہمی جنگ

ہارون الرشید نے اپنی زندگی ہی میں سلطنت کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا اور انھیں یکے بعد دیگرے تخت و تاج کا وارث قرار دے دیا تھا ۔ اس تقسیم کے مطابق ہمدان کے مشرق کی طرف کے تمام مسلم مقبوضات ، مامون کے حصے میں آئے تھے ۔ جب ہارون نے خراسان میں وفات پائی تو اس وقت امین بغداد میں تھا اور مامون ، مرو میں ، ہارون نے وصیت کی تھی کہ جو فوج اور خزانہ اس کے ہمراہ ہے وہ مامون کا ہے ۔ لیکن اس کے وزیر فضل بن ربیع نے اس وصیت کی پرواہ نہ کی اور ہارون کی وفات کے بعد فوج اور خزانے سمیت بغداد کا راستہ لیا ۔ مامون نے ان کو اپنے پاس بلانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا ۔

فضل بن ربیع نے امین کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ مامون کو ولی عہدی سے برطرف کر کے اپنے بیٹے کو جانشین بنائے ، لیکن مامون اپنے حقوق سے دستبردار ہونے پر راضی نہ ہوا ۔ بہر حال امین نے اس کا نام خطبہ سے خارج کر دیا اور اپنے خرد سال بیٹے موسیٰ

کو ولی عہد مقرر کر کے تمام صوبوں میں فرمان بھیج دیے - ہارون کے لکھوائے ہوئے عہد نامہ کو خانہ کعبہ سے منگوا کر چاک کر دیا - جب مامون کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے مقابلے کی تیاری شروع کر دی اور فضل بن سہل کو اپنا وزیر اور طاہر بن حسین کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا اور سرحدوں پر پہرے بٹھا دیے تا کہ امین کے کارندے خراساں میں داخل ہوکر وہاں کے لوگوں کو اس سے برگشتہ کرنے کی کوشش نہ کر سکیں -

بغداد کا محاصرہ اور امین کا قتل

اب دونوں بھائیوں میں لڑائی ٹھن گئی - امین نے مامون کو زیر کرنے کے لیے علی بن عیسیٰ کو چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ کیا ، لیکن مامون کے سپہ سالار طاہر بن حسین نے اسے شہر ”رے“ کے قریب شکست دی - اس پر امین نے مامون کی جو ذاتی جائداد جو بغداد میں تھی ضبط کر لی اور اس کے مقابلے کے لیے بار بار فوج بھیجی جو کامیاب نہ ہو سکی ، طاہر بن حسین نے قزوین پر قبضہ کرکے ایک تجربہ کار جرنیل ہرثمہ کو وہاں چھوڑا اور خود فارس کی طرف بڑھا اور تمام ملک پر قبضہ کر لیا - مامون نے امیرالمومنین کا لقب اختیار کر کے ملک کے انتظام کی طرف توجہ کی اور مختلف فوجی اور انتظامی عہدوں پر اپنے افسروں کو مقرر کیا - اسی اثنا میں اس کی فوجیں عراق کی طرف بڑھیں اور کوفہ اور بصرہ کے گورنروں نے مامون کی اطاعت اختیار کر لی - مامون کی فوجوں کی پیش قدمی سے امین پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا ، یہاں تک کہ ۱۹۷ھ میں طاہر اور ہرثمہ نے بغداد کو محاصرے میں لے لیا - یہ محاصرہ کئی دن تک جاری رہا - جب امین کے طرف دار کم ہوتے گئے ، اس کے بہت سے امیر اور درباری طاہر سے مل گئے اور امین کے ساتھ صرف چند جاں نثاروں کی مختصر جماعت رہ گئی تو آخر کار امین ایک رات اپنے محل سے نکلا اور کشتی میں سوار ہو کر بھاگنا چاہتا تھا کہ

خراسانی سپاہی اسے گرفتار کر کے مامون کے سپہ سالار طاہر بن حسین کے پاس لے گئے ۔ طاہر نے اسے قتل کرا دیا ۔ یہ واقعہ ۱۹۸ھ کا ہے ۔ امین کی مدت حکومت پانچ سال کے قریب ہے ۔

۷ ۔ خلیفہ مامون

۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ

امین کے قتل کے بعد مامون نے اپنا قیام مروہی میں رکھا اور سلطنت کے تمام معاملات اپنے وزیر فضل بن سہل پر چھوڑ دیے ۔ فضل بن سہل تمام امور سلطنت پر حاوی ہو گیا ۔ وہ چاہتا تھا کہ خلیفہ مروہی میں رہے اور سلطنت کا کاروبار اس کے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے ۔ اس نے خلیفہ کی طرف سے طاہر بن حسین کے نام فرمان لکھا اور اسے الجزیرہ کا حاکم مقرر کر کے رقہ کی طرف بھجوا دیا اور اس کی جگہ اپنے بھائی حسن بن سہل کو بغداد کا گورنر مقرر کر دیا ۔ اس سے طاہر بددل ہو گیا اور اہل بغداد کے دل میں بھی ایرانیوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے کھٹکا پیدا ہو گیا ۔ جب طاہر کی تبدیلی عمل میں آئی تو اس سے بغداد میں بدنظمی پیدا ہو گئی اور عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ خلیفہ کو وزیر فضل بن سہل نے اپنے قبضہ میں لے رکھا ہے اور خود سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا ہے اور برائیوں کا اقتدار بڑھ رہا ہے ۔ ان وجوہ سے اہل بغداد ، ایرانی وزیر کے دشمن بن گئے اور اس کے بھائی حسن کے بھی مخالف ہو گئے ۔

شورشیں اور بغاوتیں

مرکزی حکومت کی باگ ڈور ڈھیلی پڑ گئی تھی اس لیے اطراف ملک میں کئی جگہ شورشیں اٹھیں ۔ علویوں نے بھی اس موقعہ

کو غنیمت سمجھا اور خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت حسنؑ کی اولاد میں سے ایک شخص جو ابن طباطبا کے نام سے مشہور تھا اس نے کوفہ میں اپنی امامت کا اعلان کر دیا، ایک شخص ابوالسرایا نامی بھی اس کے ہمراہ ہو گیا اور کوفہ کے عامل کو نکال کر شہر پر قابض ہو گیا۔ اس دوران میں ابن طباطبا کا انتقال ہو گیا لیکن ابوالسرایا کئی ماہ تک شاہی افواج کے ساتھ لڑتا رہا، آخر کار ہرثمہ نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ اس مہم کے بعد ہرثمہ نے سیدھا مرو کا رخ کیا تاکہ خلیفہ کو مغربی صوبوں کی اصلی حالت اور رعایا کی بے چینی سے آگاہ کرے۔ فضل بن سہل نے پہلے ہی سے اس کے خلاف خلیفہ کے کان بھر رکھے تھے۔ ہرثمہ کی کچھ شنوائی نہ ہوئی اور وزیر نے اسے قتل کرا دیا۔

بغداد میں عربی نسل کے لوگوں کا غلبہ تھا۔ جب وہاں ہرثمہ کے قتل کی خبر پہنچی تو لوگوں نے بغداد کے گورنر حسن بن سہل کے خلاف بغاوت کر دی اور اسے بغداد سے نکال دیا۔ بغداد میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا، ہر طرف لٹیروں اور رہزنوں نے سر اٹھایا اور علانیہ لوٹ مار شروع کر دی۔ خلیفہ مامون مرو میں بیٹھا تھا اور بغداد کے فسادات سے بالکل بے خبر تھا، کیونکہ وزیر حقیقی واقعات کو اس کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیتا تھا۔

امام علی رضا کی ولیعہدی اور ان کی وفات

مامون کے اوائل عمر میں جعفر بن یحیٰی برمکی اس کا اتالیق رہ چکا تھا۔ جعفر کو حضرت علی کے خاندان کے ساتھ بڑی عقیدت تھی، اس کی تربیت کے اثر سے مامون کا دل بھی ابتدا ہی سے علویوں کی طرف مائل تھا۔ اس کے علاوہ مامون کا وزیر فضل بن سہل بھی شیعی تھا۔ جب خلافت مامون کے ہاتھ آئی تو اس نے چاہا کہ خلافت کو ان کی طرف منتقل کر دے۔ چنانچہ ۲۰۱ھ میں جب

وہ بغداد کے فسادات سے بے خبر مرو میں پڑا ہوا دن گزار رہا تھا اس نے امام موسیٰ کاظم کے بیٹے امام علی رضا کو مدینہ سے بلایا اور انہیں ''الرضامن آل محمد'' کا لقب دے کر اپنا ولی عہد مقرر کیا اور تمام صوبوں کے والیوں کے نام فرمان بھیجے کہ رعایا سے علی الرضا کی ولی عہدی کی بیعت لیں۔ جب یہ فرمان بغداد میں پہنچا تو عباسی خاندان کے لوگ بہت برہم ہوئے اور انہوں نے مامون کی بیعت توڑ کر اس کے چچا ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ منتخب کر لیا اور ابراہیم نے عراق میں جا بجا اپنی طرف سے عامل مقرر کر دیے۔

مامون کا داخلہ بغداد میں

جب عراق میں انقلاب آیا تو خود امام علی الرضا نے مامون کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا اور کہا کہ ''فضل بن سہل آپ سے اصلی واقعات چھپاتا رہا ہے، بغداد کے لوگ آپ سے منحرف ہو گئے ہیں وزیر اور اس کے بھائی دشمن سمجھتے ہیں، وہ میری ولی عہدی کو بھی پسند نہیں کرتے۔ جب مامون نے دیکھا کہ اس کی خلافت خطرے میں ہے تو اس نے بغداد کی طرف کوچ کر دیا، جب شاہی لشکر سرخس کے مقام پر پہنچا، تو خلیفہ کے چار غلاموں نے وزیر کو حمام میں قتل کر دیا کیونکہ اس کی خود سری حد سے بڑھ چکی تھی۔ اس کی بے تدبیری نے اہل بغداد کو برگشتہ کر دیا تھا۔ جب مامون طوس میں پہنچا، تو امام علی رضا بھی اچانک انتقال کر گئے۔ (۲۰۳ھ) اس سے اکثر لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ خود مامون کے اشارے سے ان کو زہر دیا گیا ہے تاکہ ان کی ولی عہدی سے عباسیوں میں جو ہنگامہ ہو گیا ہے وہ خود بخود فرو ہو جائے۔ جب مامون بغداد کے قریب پہنچا تو ابراہیم کے ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور ابراہیم خود بھی روپوش ہو گیا، اس نے بغداد میں دو سال کے قریب حکومت کی تھی۔

مامون کے عہد کی علمی ترقی

عباسی خلفا میں مامون سب سے بڑھ کر علم دوست اور صاحب فضیلت خلیفہ گزرا ہے۔ اس نے بچپن میں اپنے زمانے کے بہترین اساتذہ سے تعلیم پائی تھی۔ اسے علمی بحث اور تحقیق کا بڑا شوق تھا، ہفتہ میں ایک دن علمی مجلس قائم کرتا تھا۔ جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوتے تھے اور خلیفہ کے سامنے مذہبی اور علمی مسائل پر آزادی سے گفتگو کرتے تھے۔ اس نے ہر مذہب کے لوگوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ اپنے عقائد کی تائید میں دلائل پیش کریں اور دوسرے مذاہب پر آزادی سے نکتہ چینی کریں۔

یونانیوں، ایرانیوں اور ہندیوں کے علوم و فنون کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا جو کام پہلے شروع ہو چکا تھا، مامون کے عہد میں سر گرمی سے جاری رہا۔ بلکہ مامون نے بیت الحکمت کو اور بھی وسعت دی۔ اس نے رومی مملکت سے یونانی علوم کی بہت سی کتابیں حاصل کیں اور ان کے ترجمے کے لیے عالم مقرر کیے۔ اس عہد کے مترجمین کی تعداد بڑی کثیر تھی، جن میں قسطا بن لوقا، حنین بن ثابت، یعقوب کندی اور یوحنا بن ماسویہ زیادہ مشہور ہیں۔ دوسری قوموں کے علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرنے کا شوق اتنا عام ہو گیا تھا کہ خلیفہ کے علاوہ بعض علم دوست امرا بھی مترجموں کی سرپرستی کرتے تھے۔ برمکی خاندان کے علاوہ بنو موسیٰ بن شاکر یعنی محمد، احمد اور حسین کے ہاں بھی کئی نامور فاضل بیش قرار تنخواہوں پر ترجمہ کے کام پر مامور تھے۔ ان مجموعی کوششوں سے عربی زبان، فلسفہ و حکمت، طب، کیمیا، علم الفلک، ریاضی اور موسیقی وغیرہ علوم سے مالا مال ہو گئی اور لوگوں کے درمیان نئے نئے مسائل پر بحث و تمحیص کا رواج بہت مقبول ہو گیا۔

خلیفہ مامون نے اجرام سماوی کے مطالعہ کے لیے بغداد میں ایک رصد گاہ بنائی اور کئی ممتاز منجموں کو فلکی تحقیقات کے لیے مقرر کیا ۔ اس کے عہد میں علما کی ایک جماعت نے خط عرض بلد کے ایک درجہ کی پیمائش کی اور اس سے اندازا لگایا کہ کرۂ ارض کا دور ۲۴ ہزار میل ہے ۔

محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی ہمت افزائی سے نہ صرف یونانیوں کے علم ریاضی کو سیکھا ، بلکہ ہندیوں کے علم حساب کا بھی بغور مطالعہ کیا ۔ اس زمانے کے علما کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے دنیا کو ہندسوں کا استعمال بتایا ۔ جو ہندسے ہم حساب میں استعمال کرتے ہیں ان کو یورپ میں عربی ہندسوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ یہ ہندسے ہندوستان میں پہلے سے رائج تھے لیکن ان کو دنیا سے عربوں نے ہی روشناس کرایا ۔ اس سے پہلے ہندسوں کو یا تو رومن حروف میں لکھتے تھے یا اعداد کو پوری عبارت میں لکھتے تھے ، ان کے استعمال سے علم ریاضی میں بہت ترقی ہوئی ۔ اس زمانے میں خوارزمی نے دنیا میں الجبرے کی پہلی کتاب لکھی اور اس کا نام کتاب الجبرو المقابلہ رکھا ، الجبرا کا لفظ اسی نام سے ماخوذ ہے ۔

معتزلہ اور ان کے عقائد

اعتزال ، معتزلہ فرقہ کے مخصوص عقائد کا نام ہے بعض لوگ ان عقائد پر عباسی عہد کے ابتدائی دور میں سختی سے قائم رہے اور معتزلی کہلائے بلکہ مامون ، معتصم اور واثق کے عہد خلافت میں اعتزال کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل رہی اور ان خلفا نے معتزلی عقائد کی ترویج میں ناجائز سختی سے کام لیا ۔

معتزلہ کی ابتدا یوں بیان کی جاتی ہے کہ حسن بصری ، بصرہ کی جامع مسجد میں دینی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے ، ایک دن یہ مسئلہ پیش ہوا کہ آیا کوئی مسلمان گناہ کبیرہ کے بعد مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں ، عام مسلمانوں کا عقیدہ یہ تھا کہ ایک شخص یا تو مومن ہے یا کافر - لیکن حسن بصری کے ایک عجمی شاگرد واصل بن عطا نے کہا کہ گناہ کبیرہ کرنے والا نہ مومن ہے نہ کافر ، بلکہ ان کے بین بین ہے ، اس رائے کو ظاہر کرنے کے بعد واصل بن عطا اپنے چند ہم خیال افراد کے ساتھ ان سے الگ ہوگیا - اس پر حسن بصری بولے ھولاء اعتزلوا یعنی یہ لوگ ہم سے الگ ہو گئے ہیں - اس سے اعتزال کی اصطلاح پیدا ہوئی اور اس عقیدہ کے لوگ معتزلہ کہلائے -

معتزلی عقائد

معتزلہ اپنے آپ کو اہل العدل و التوحید کہتے تھے - انھوں نے رفتہ رفتہ چند مخصوص عقائد اختیار کر لیے جو عام مسلمانوں کے عقائد سے الگ ہیں - ان کا مختصر بیان حسبِ ذیل ہے :

(۱) جبر و قدر کا مسئلہ ہمیشہ سے زیر بحث رہا ہے ، یعنی کیا انسان اپنے کاموں میں مجبور محض ہے یا خود مختار ہے - جمہور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا قادر مطلق ہے اسی نے خیر و شر کو پیدا کیا ہے - انسان اپنے کام میں مجبور ہے ، کیونکہ اس کے تمام کام پہلے ہی سے اس کے لیے مقدر ہو چکے ہیں - وہ خدا کی مرضی اور اس کے منشا کے خلاف ایک قدم نہیں اٹھا سکتا - اس کے برعکس معتزلہ کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان اپنے اعمال میں خود مختار ہے اگر خود مختار نہ ہوتا تو اپنے اعمال کا جواب دہ نہ ہوتا اور اس کی سزا و جزا کا سوال پیدا نہ ہوتا ، چونکہ معتزلہ انسان کو

صاحب قدرت یعنی صاحب اختیار سمجھتے تھے اس لیے ان کو قدریہ بھی کہتے ہیں۔

(۲) رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مومن لوگ جنت میں خدا تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم ایک دن اپنے خدا کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح تم بادلوں کے آسمان پر ماہ کامل کو دیکھتے ہو۔ معتزلہ کہتے تھے کہ چونکہ خدا کا نہ جسم ہے اور نہ مکان اور نہ اس کے لیے جہت ہے، اس لیے ہم اسے ان جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے، باقی رہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اقوال تو ان کی یوں تاویل کرتے تھے کہ موت کے بعد انسان اپنی روحانی آنکھ سے یعنی اپنے عقل و شعور سے خدا کو محسوس کرے گا۔

(۳) معتزلہ کا ایک مخصوص عقیدہ یہ تھا کہ صفات الٰہی، ذات الٰہی سے الگ نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی صفات عین ذات ہیں اور ذات عین صفات ہیں۔ اگر اس کی ذات صفات سے جداگانہ ہو تو پھر ذات محتاج صفات ہو جائے گی، لیکن خدا اپنی ذات میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں۔ وہ اسی کو توحید خالص کہتے ہیں۔

(۴) معتزلہ کہتے تھے کہ اشیا کا اچھا یا برا ہونا عقلی بات ہے۔ عقل ہی تمام احکام کی کسوٹی ہے، یعنی احکام کو پہچاننے کا آلہ ہے۔ وہ بات جو عقل میں نہیں سما سکتی، وہ واجب التسلیم نہیں ہے۔ اس لیے معتزلہ ان باتوں کو نہیں مانتے تھے جن کا عقل کے ذریعہ سے ادراک نہ ہو سکے، اسی لیے مغربی محققین نے کہا ہے کہ معتزلہ اسلام کے Rationalists یعنی عقل پرست ہیں۔

(۵) معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے تمام احکام کسی علت یا مقصد پر مبنی ہیں اور ان میں بندوں کی مصلحت یعنی بھلائی پوشیدہ

ہے ۔ اگر وہ احکام غرض و غایت سے خالی ہوں تو ان کا بے کار ہونا لازمی آئے گا اور یہ بات محال ہے کہ اللہ کے کام جو حکیم ہے عبث اور بے مقصد ہوں ۔

عقیدۂ خلق قرآن

معتزلہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے اور وہ قدیم نہیں بلکہ ایسی مخلوق ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ساتھ وجود میں آئی ۔ جو لوگ قرآن کو غیر مخلوق کہتے ہیں وہ گویا خدا کے ساتھ قرآن کی قدامت اور ابدیت کے قائل ہیں اور دو ابدی وجودوں کی ہستی کو مانتے ہیں ۔ معتزلہ کے نزدیک ایسے لوگ مشرک اور گمراہ ہیں اور حقیقی طور پر موحد نہیں ہیں ۔

یہ عقیدہ ''خلق قرآن'' کا عقیدہ کہلاتا ہے ۔ باقی عقائد کو چھوڑ کر رفتہ رفتہ یہ عقیدہ معتزلہ کا امتیازی عقیدہ بن گیا اور خلیفہ مامون نے اسے اس سرگرمی سے اختیار کیا کہ اپنے ہم عصر علما کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا اور اس بارے میں ناجائز تشدد سے کام لیا ، اس کی سختی سے لوگوں پر بہت سی آفتیں آئیں اور عام لوگ خلیفہ کو ملحد اور بدعتی کہنے لگے ۔

خلیفہ مامون کی زندگی کا آخری سال تھا اور وہ ان دنوں بلاد روم کی سرحد پر طرسوس کے شہر میں مقیم تھا اس نے حاکم بغداد کو فرمان بھیجا کہ تم قاضیوں اور عالموں کو جمع کرو اور ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کرو ، کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں ، جو شخص قرآن کو مخلوق نہ کہے اس کا نام دفتر سے کاٹ دو اور اسے ملازمت سے الگ کر دیا جائے اور اس کی گواہی قبول نہ کی جائے ۔

حاکم بغداد نے علمائے دین کو جمع کیا اور ان کے بیانات قلم بند کر کے خلیفہ کے پاس بھیج دیے، خلیفہ نے ان بیانات کو سمجھا اور حاکم بغداد کو دوبارہ لکھا کہ علما سے خلق قرآن کا اقرار لو اور جو شخص انکار کرے اسے میرے پاس بھیج دو۔ جب علما نے دیکھا کہ خلیفہ مامون سختی پر تلا ہوا ہے تو انھوں نے اپنی سلامتی اسی بات میں دیکھی کہ قرآن کو مخلوق کہہ دیں۔ صرف امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح اپنے عقائد پر قائم رہے۔ حاکم بغداد نے انھیں طرطوس کی طرف روانہ کر دیا، لیکن وہ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ مامون نے انتقال کیا اور طرطوس میں مدفون ہوا۔ مامون نے اپنی وفات سے پہلے اپنے جانشین کو نصیحت کی کہ معتزلی عقائد پر قائم رہیں اور خلق قرآن کے عقیدہ کو لوگوں سے منوائے۔ چنانچہ مامون کے بعد خلیفہ معتصم نے اس بارے میں تشدد کو جاری رکھا اور امام احمد بن حنبل کو برسرِ دربار کوڑے لگوائے، لیکن امام مذکور اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہے۔

خلیفہ معتصم کے بعد خلیفہ واثق کا زمانہ آیا اور اس نے بھی اس بارے میں لوگوں پر سختی جاری رکھی۔ آخر کار جب ۲۳۲ھ میں متوکل تخت پر بیٹھا تو اس نے ان جھگڑوں کو یکسر موقوف کر دیا اور لوگوں کو اپنے اپنے عقیدے پر چھوڑ دیا۔ اس سے عام مسلمان مطمئن ہو گئے۔

۸۔ معتصم باللہ
۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ

خلیفہ مامون کی وفات کے بعد لوگوں نے اس کے بھائی ابو اسحاق محمد کے ہاتھ پر بیعت کر لی، چنانچہ وہ معتصم باللہ کا لقب اختیار کر کے ۲۱۸ھ میں مسند خلافت پر بیٹھا۔

معتصم باللہ بڑا قوی ہیکل اور بہادر خلیفہ تھا ، اسے حکومت کی شان و شوکت اور فوجی قوت بڑھانے کا بڑا شوق تھا - اس نے ترکوں کی شجاعت دیکھ کر سمرقند ، فرغانہ اور ترکستان کے دوسرے علاقوں سے ہزاروں ترک لشکری فراہم کیے اور انھیں اپنی فوج میں بکثرت داخل کیا ، ان میں سے بعض فوج خاصہ میں اور بعض عام فوج میں بھرتی کیے گئے ، جو ذاتی وجاہت اور خاص قابلیت کے مالک تھے - وہ خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرکے سپہ سالاری کے عہدے پر جا پہنچے - معتصم ترک لشکریوں کو بڑی عزت اور قدر دانی کی نگاہ سے دیکھتا تھا ، اس نے ان کو دوسری فوجوں سے ممتاز کرنے کے لیے اُن کے لیے خاص طلا کاری وردی بنوائی ، اُن سے پہلے اسلامی فوج میں خراسانیوں اور ایرانیوں کا زور تھا - اب فوج میں ترکی عنصر غالب آ گیا اور عرب جن کے زور بازو سے اسلامی سلطنت قائم ہوئی تھی اب گمنامی کے پردے میں چھپ گئے - اکثر عربوں نے صحرا کی راہ لی اور بددل ہو کر شورش پر اتر آئے -

سامرا کا آباد ہونا ۲۲۱ھ

اکثر ترک لشکری بڑے اکھڑ اور جاہل تھے اور ان کی موجودگی اہل بغداد کے لیے زحمت کا موجب تھی - ترک فوجی بغداد کی سڑکوں پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے ، جس سے عورتیں اور بچے زخمی ہو جاتے اور بعض اوقات فتنہ و فساد اور کشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی تھی ، جب یہ جھگڑے زیادہ بڑھے تو لوگوں نے خلیفہ معتصم کے پاس شکایت کی - خلیفہ نے یہی مناسب سمجھا کہ ترک فوجوں کے لیے ایک الگ چھاؤنی بسائے ، چنانچہ اس نے ۲۲۱ھ میں بغداد کے شمال کی طرف ساٹھ میل کے فاصلہ پر دریائے دجلہ کے کنارے سامرا کے مقام پر ایک نیا شہر بسایا اور وہاں فوجی بارکوں کے علاوہ شاہی محلات تعمیر کرائے اور

ترک لشکریوں سے نجات پائی ، لیکن خود خلیفہ ترک لشکریوں کے قبضہ میں آ گیا ۔

بابک خرمی کی شکست

ایرانی نسل کے ایک شخص بابک خرمی نے دولت عباسیہ کے خلاف خلیفہ مامون کے عہد میں آذر بائجان میں بغاوت کر رکھی تھی ۔ معتصم نے اس کی مسلسل غارتگری سے تنگ آ کر اپنے سپہ سالار افشین کو وہاں بھیجا جس نے بابک کو شکست دی اور اس کے تمام قلعے یکے بعد دیگرے لے لیے اور ہزاروں مسلمانوں کو جو اس کے ہاتھ میں قید ہو چکے تھے ، چھڑا لیا اور افشین کو اس کی خدمات کے صلہ میں بہت سا انعام و اکرام دیا ۔

رومیوں کے ساتھ جنگ

جب خلیفہ معتصم کی اکثر فوجیں بابک کے ساتھ برسرِ پیکار تھیں ، قیصر روم نے اسلامی سلطنت پر چڑھائی کر دی ۔ بہت سے سرحدی مقامات کو لوٹا ، کہیں مسلمانوں کو قتل کیا اور کہیں ان کو قیدی بنا کے لے گیا ۔ معتصم ایک بھاری لشکر لے کر اس کے مقابلے کے لیے نکلا ، قیصر نے شکست کھائی اور خلیفہ نے آگے بڑھ کر عموریہ کے شہر کو فتح کر لیا اور وہاں سے بہت سے قیدی اور مال غنیمت اس کے ہاتھ آیا ۔ خلیفہ معتصم نے ۲۲۷ھ میں نو سال کی حکومت کے بعد وفات پائی ۔ وہ ایک سپاہی منش آدمی تھا ، جسے علوم و فنون کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی ، لیکن تلوار کا دھنی تھا ، وہ کئی بار بذات خود جنگ کے لیے نکلا اور سلطنت کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو نیچا دکھایا ۔

۹ ۔ واثق باللہ
۲۲۷ھ تا ۲۳۶ھ

خلیفہ معتصم باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو جعفر ہارون "واثق باللہ" کے لقب سے مسند خلافت پر بیٹھا ، یہ خلیفہ بڑا

علم دوست تھا ۔ اس نے خلیفہ مامون کی مجلس مناظرہ کو از سر نو جاری کیا ۔ اسے قدیم علوم سے شغف تھا اور گذشتہ حکما کے خیالات دریافت کرنے کا بڑا شوق رکھتا تھا ۔ غرض اپنی علم دوستی کے اعتبار سے اسے مامون کے ساتھ بڑی مشابہت تھی ۔

خلیفہ واثق نے سلطنت کے انتظام کی طرف بھی خاص توجہ مبذول کی ، سرکاری دفتروں کی جانچ پڑتال نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے کاتب اور سرکاری ملازم خیانت اور رشوت ستانی کے عادی ہو چکے تھے اور انھوں نے بہت سا مال و دولت اکٹھا کر لیا تھا ۔ خلیفہ نے ان پر تاوان لگایا ۔ اس سخت گیری سے خیانت کا بہت حد تک سدِ باب ہو گیا ۔

خلیفہ واثق کے عہد میں ترکوں کو اور عروج حاصل ہوا ۔ اسلامی سلطنت کے کئی حصوں میں شورش برپا ہوئی اور شام اور بلاد عرب میں باغیوں نے سر اٹھایا ۔ ان بغاوتوں کو دبانے کے لیے خلیفہ نے ترکی فوجوں سے کام لیا اور ترک سپہ سالاروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں بہت سا انعام و اکرام دیا ۔

جب خراسانی اور ترک لوگ عباسی فوج میں بکثرت داخل ہوگئے اور عربی قبیلے فوجی خدمات سے برطرف کر دیے گئے ، تو انھوں نے زمانہ جاہلیت کی سابقہ بدوی زندگی اختیار کرلی اور ایک دوسرے پر تاخت و تاراج شروع کر دی ۔ اس سے تمام بلاد عرب میں بدنظمی پھیل گئی اور بہت سے عربی قبیلوں نے اپنے اپنے علاقے میں شورش برپا کر دی ۔ خلیفہ نے ان کی سر کوبی کے لیے ایک ترک سپہ سالار بغا کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی ۔ بغا نے سرکش قبیلوں کو زیر کیا اور دو ہزار عرب اسیر کرکے اپنے ہمراہ بغداد میں لے آیا اس سے عربوں کے قومی وقار کو بہت صدمہ پہنچا ۔

عباسی عہد کا دوسرا دور اور ترکوں کا غلبہ

عباسی عہد کا دوسرا دور تقریباً ایک سو سال کا ہے، جس میں ترک لشکریوں اور ان کے سپہ سالاروں کو ہر طرح سے غلبہ حاصل رہا، وہ جس کو چاہتے تھے تخت پر بٹھا دیتے تھے اور جب چاہتے اتار دیتے تھے۔ اس دور کی ابتدا خلیفہ متوکل کے عہد سے ہوئی جو ترکوں کا زور توڑنے کی کوشش میں مارا گیا۔ خلفا کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس دور میں کئی خود مختار خاندان وجود میں آئے۔ نیز اسماعیلیہ اور قرمطی فرقوں نے ظہور کیا، جس سے اسلامی دنیا میں اور انتشار پھیلا۔

۱۰ ۔ متوکل
۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ

خلیفہ واثق کے بعد ۲۳۲ھ میں اس کا بھائی ابوالفضل جعفر ''المتوکل علی اللہ'' کے لقب سے مسند خلافت پر بیٹھا۔

جب خلیفہ معتصم نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا تھا، حکومت میں ان کا اثر و رسوخ بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ جب متوکل تخت نشین ہوا، تو اس نے دیکھا تو سلطنت میں ہر طرف ترک ہی ترک چھا رہے ہیں۔ اس نے ان کا زور توڑنے کی کئی تدبیریں کیں، لیکن ترکوں کے قدم اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ اس کی تمام تدبیریں اکارت گئیں، یہاں تک کہ خود خلیفہ متوکل ان کے ہاتھوں مارا گیا۔

ترکی لشکریوں کے خلاف متوکل کی جد و جہد

متوکل نے دیکھا کہ تمام ترکی افسروں میں سے ایتاخ سب سے زیادہ طاقتور اور با رسوخ ہے، وہ اپنی دانائی اور ہوشیاری سے ترقی کرتے کرتے سپہ سالاری کے عہدے پر پہنچ چکا تھا۔ وہ حاجب

بھی تھا اور محکمہ فوج کا نگران بھی ۔ متوکل کو اس کے وسیع اختیارات سے خوف پیدا ہوا ۔ اس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے اسے حج کے لیے روانہ کر دیا ۔ جب وہ حج سے واپس آیا تو حاکمِ بغداد نے اسے دھوکے سے قتل کر دیا ۔

سامرا کے دارالحکومت میں ہر طرف ترک ہی ترک چھائے ہوئے تھے ۔ لہٰذا متوکل نے سامرا سے بیزار ہوکر دمشق کا رخ کیا اور وہاں مختلف محکموں کے لیے دفتروں کی تعمیر شروع کر دی ۔ اس سے ترکوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا اور انھوں نے خیال کیا کہ متوکل ان کے خلاف شام کے عربوں کی حمایت حاصل کرنا چاہتا ہے ۔ چنانچہ انھوں نے خلیفہ کے خلاف سر کشی کی دھمکی دی ۔ اس پر مجبوراً سامرا واپس آ گیا ۔

سامرا کی عمارات

خلیفہ متوکل نے سامرا میں اپنے والد معتصم کے عہد کی قدیم مسجد کی بجائے ایک نئی شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی جو اپنی وسعت اور خوبصورتی میں دمشق کی جامع مسجد کا مقابلہ کرتی تھی ۔ اس کا فرش اور اس کے ستون سنگ مرمر کے تھے اور دیواروں پر مینا کار اینٹیں لگائی تھیں ، اس مسجد کی شکستہ دیواریں اور مینار اب تک موجود ہیں ۔

متوکل نے دمشق سے واپس آ کر سامرا کے شمال میں ایک نیا شہر بسایا جو خلیفہ کے نام پر محل جعفری یا متوکیہ کے نام سے مشہور ہوا ۔ شہر کے وسط میں ایک خوبصورت اور شاندار محل ٹولوہ نامی تعمیر ہوا ، جس کے ارد گرد باغات لگوائے گئے ، نہریں کھودی گئیں اور اسے ہر قسم کے تفریحی سامان سے آراستہ کیا گیا ، لیکن متوکل کے بعد یہ شہر جلد ہی ویران ہو گیا ۔

جب خلفا نے ترک لشکریوں کی خود سری سے تنگ آکر بغداد کی طرف رجوع کیا، تو سامرا رفتہ رفتہ ویران ہوگیا، لیکن اس کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں اور ان سے اس عہد کے فن تعمیر پر بڑی دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔ ان آثار قدیمہ کے نزدیک سامرا کے نام سے ایک چھوٹی سی بستی اب بھی موجود ہے، جہاں امام علی نقی اور ان کے صاحبزادے امام حسن عسکری مدفون ہیں اور شیعہ لوگ ان کے مزار کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

متوکل کا قتل

متوکل نے اپنی زندگی ہی میں اپنے تین بیٹوں کو ولی عہد بنا کر تمام سلطنت کو ان میں تقسیم کر دیا تھا اور اپنی وفات کے بعد ان تینوں کو اپنی اپنی حدود میں خود مختار قرار دے دیا تھا اور رعایا سے ان کے حق میں بیعت لے لی تھی۔ اس انتظام کے بعد متوکل اور اس کے بڑے لڑکے محمد منتصر کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی اور خلیفہ متوکل نے چاہا کہ اپنے دوسرے بیٹے معتز کو ولی عہد اول قرار دے۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا متوکل اور منتصر کی باہمی رنجش بڑھتی گئی۔ بعض امرا بھی متوکل کی بدگمانی کو بڑھاتے رہے یہاں تک کہ منتصر اپنے باپ کا جانی دشمن بن گیا اور اپنے باپ کے خلاف ترکی افسروں کے ساتھ ساز باز کرنے لگا۔

ترکی افسر پہلے ہی سے متوکل کی طرف سے بدگمان تھے۔ ایتاخ کا واقعہ بھی انھیں فراموش نہیں ہوا تھا وہ خوب جانتے تھے کہ خلیفہ ان کی طاقت کو توڑنا چاہتا ہے، انھیں ایام میں خلیفہ نے چند ترک سپہ سالاروں کی جاگیریں ضبط کر لی تھیں۔ للہذا وہ بھی منتصر کی سازش میں شریک ہو گئے اور ایک رات شاہی محل میں داخل ہو کر انھوں نے خلیفہ کو موت کی نیند سلا دیا۔ یہ واقعہ شوال ۲۴۷ھ کا ہے۔ متوکل پندرہ سال کی حکومت کے بعد چالیس سال کی

عمر میں قتل ہوا - وہ پہلا عباسی خلیفہ ہے جو اپنے ہی لشکریوں کے ہاتھ سے مارا گیا -

متوکل کی سیرت

خلیفہ متوکل کے عہد میں ملک میں امن و امان رہا اور رعایا آسودہ حال رہی ، یہ خوش حالی سیاسی استحکام اور معاشی ترقی کا نتیجہ تھی - ذاتی سیرت میں متوکل ایک کینہ رو اور بے رحم انسان تھا جو ادنیٰ مخالفت سے غضب ناک ہو کر اپنے مخالفوں کو قتل کر ڈالتا تھا - ملکی سیاست کے لحاظ سے متوکل زیادہ تر ترکوں کی طاقت گھٹانے میں مصروف رہا ، لیکن جانشینی کے بارے میں اس کی تدبیر ناکام رہی اور اپنے بیٹے منتصر کے ساتھ رنجش پیدا ہو گئی - منتصر نے ترکی افسروں سے ساز باز کر لی - خلیفہ متوکل ان کو زیر کرنے میں ناکام رہا بلکہ اُن کے ہاتھ سے مارا گیا - متوکل کے قتل سے ترک لشکریوں کے دل سے خلافت کا رعب داب بالکل اٹھ گیا اور ان کا عزل و نصب ان کے ہاتھ میں ایک کھیل بن کر رہ گیا - ان وجوہ سے متوکل کا عہد حکومت اور خصوصاً اس کا عبرتناک قتل دولت عباسیہ کے زوال کا پیش خیمہ تصور ہوتا ہے -

عباسی عہد کا دوسرا دور

خود مختار حکومتوں کا قیام

ترک لشکریوں اور ان کے سپہ سالاروں کی چیرہ دستی نے عباسی خلفا کا وقار خاک میں ملا دیا تھا اور سلطنت کا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا تھا - مرکزی حکومت کی کمزوری سے مسلم سلطنت کے بہت سے حصے آزاد ہو کر خود مختار بن بیٹھے - چنانچہ ۲۵۰ھ سے لے کر ۲۶۰ھ تک دس سال کے عرصے میں طبرستان میں علوی خاندان، خراسان میں صفاری، مصر میں طولونی اور ماورالنہر میں سامانی خاندان خود مختار بن بیٹھے -

اگرچہ مذکورہ بالا علاقے بغداد کی مرکزی حکومت سے الگ ہو گئے، لیکن ان کے حکمران، عباسیوں کی خلافت کو بدستور تسلیم کرتے رہے - عباسی سلطنت کی وہ پہلی سی وسعت اور عظمت باقی نہیں رہی تھی - لیکن اس انتشار کے باوجود مسلم دنیا کی تمدنی، معاشی اور علمی ترقی بدستور جاری رہی اور بغداد کے علاوہ دیگر متعدد مرکزوں کے وجود میں آنے سے علوم و فنون کے سرپرستوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا اور ان کی حوصلہ افزائی سے مختلف مقامات کے اہل ہنر اور صاحب کمال لوگوں کو اپنے جوہر و کمالات دکھانے کا موقع ملا - مقامی حکومتوں کے قائم ہونے سے ملک کی دولت ملک ہی میں رہنے لگی، صنعت و حرفت چمکی اور تجارت کی گرم بازاری ہوئی -

طبرستان کی علوی حکومت

طبرستان کا علاقہ ایران کے شمال میں واقع ہے۔ وہاں کے عامل کی سختی اور وہاں کے جاگیرداروں کے مظالم سے وہاں کے باشندے برافروختہ ہو گئے۔ اس زمانے میں علوی خاندان کے لوگ ہر طرف پھیلے ہوئے تھے، چنانچہ رعایا نے ان کو اپنا سہارا بنایا اور ۲۵۰ھ میں ایک علوی حسن بن زید کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حسن نے طبرستان اور جرجان پر قبضہ کر لیا اور اپنی وفات تک ان ملکوں پر قابض رہا۔ اس کے بعد اس کے خاندان کے کئی افراد اس کے جانشین ہوئے اور خطبہ اور سکہ اس کے نام پر جاری رہا۔ اس خاندان کے اکثر حکمران بڑے کریم النفس اور علوم و فنون کے سرپرست تھے۔ آخر کار ۳۱۶ھ میں ترکستان کے سامانی خاندان نے ان کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔

صفاری خاندان

اس خاندان کا بانی یعقوب بن لیث، سیستان کا باشندہ تھا۔ وہ تانبے کے برتن بنایا کرتا تھا اس لیے صفار کہلاتا تھا اور اس کا خاندان تاریخ میں صفاری کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ایک نہایت دلیر آدمی تھا جس نے جنگ جو لوگوں کی ایک جماعت اپنے ہمراہ لی اور سیستان کے ملک پر قابض ہو گیا اور کرمان، فارس اور ایران کے دیگر حصوں کو فتح کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی۔ یعقوب کے بعد اس کے بھائی عمرو نے حکومت سنبھال لی، اس نے ماوراالنہر کے سامانی خاندان پر فوج کشی کی، لیکن شکست کھائی اور اس کی اولاد سیستان میں حکومت کے لیے لڑتی رہی۔ لیکن باقی مقبوضات ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔

صفاری خاندان نے صرف چالیس برس حکومت کی لیکن سیاسی لحاظ سے ان کی اہمیت یہ ہے کہ ان کی کوشش سے ایران کے کئی

صوبہ جات خلافت سے الگ ہو گئے اور ایرانی قوم ایک مدت کی محکومی کے بعد دوبارہ آزادی کی ہوا کھانے لگی۔

مصر کا طولونی خاندان

احمد بن طولون ایک ترکی افسر تھا جو خلیفہ معتز کے عہد خلافت میں ۲۵۴ھ میں مصر کا گورنر مقرر ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے دربار خلافت میں خراج بھیجنا بند کر دیا اور عملی طور پر خود مختار ہو گیا۔ اس نے شام پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ ابن طولون ایک منصف مزاج، فیاض اور بہادر حکمران ثابت ہوا۔ اس نے اپنی فوج میں ترک اور سوڈانی کثرت سے بھرتی کیے اور اپنی مملکت کو خوب مضبوط بنایا۔ اس نے ملک کی زراعت کو فروغ دیا اور رعایا کو خوشحال بنایا۔ اس کی خود مختاری سے ملک کو فائدہ پہنچا اور لوگ پہلے کی نسبت خوشحال ہو گئے۔ ابن طولون کے بعد اس کے خاندان میں حکومت سوروثی ہو گئی اور اس کے تین جانشین مصر کے تخت پر بیٹھے۔ اس کے عہد میں مصر نے بڑی ترقی کی۔ رعایا آسودہ حال رہی اور حکمرانوں کی سرپرستی سے مصر علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔

۲۹۲ھ میں مصر کو عباسی سلطنت میں دوبارہ شامل کر لیا گیا لیکن طولونی عہد کی خوشحالی اور شان و شوکت کی یاد مدت تک لوگوں کے دلوں میں زندہ رہی۔

ماوراءالنہر کا سامانی خاندان

سامانی خاندان کا مورث اعلیٰ سامان، شہر بلخ کا ایک ایرانی سردار تھا، جو مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔ اس کا بیٹا احمد، خلیفہ مامون کے عہد میں فرغانہ کا گورنر مقرر ہوا۔ بعد ازاں ہرات اور سمرقند بھی اس کی حکومت میں داخل ہو گئے۔ احمد کے بعد اس کے

بیٹے نصر کو خلیفہ بغداد کی طرف سے تمام ماوراءالنہر کی ولایت تفویض ہوئی ۔ نصر کا چھوٹا بھائی اسمٰعیل ، بخارا میں اس کا نائب مقرر ہوا اور اپنے بھائی کی وفات کے بعد ۲۹۷ھ میں اس کا جانشین بنا ۔ اس نے صفاریوں سے خراسان چھین لیا اور طبرستان کے علوی خاندان کو بھی شکست دی ۔ اس طریق سے سامانیوں نے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی اور بخارا ان کا پایہ تخت قرار پایا ۔

اگرچہ سامانی حکمران بظاہر عباسی خلفا کا دم بھرتے تھے اور انھیں برائے نام خراج بھی ادا کرتے تھے ، لیکن اپنی سلطنت میں خود مختار تھے ۔

امیر نصر بن احمد کے عہد میں سامانی کی سطوت انتہائے کمال کو پہنچ گئی ۔ آخر کار جانشینی کے جھگڑوں اور امرا کی بغاوتوں نے سلطنت کو کمزور کر دیا ۔ مملکت کی شمالی سرحد پر ترک نمودار ہوئے ۔ دربار شاہی پہلے ہی ترک غلاموں اور افسروں سے بھرا پڑا تھا اور حکومت کے اختیارات ان کے ہاتھ میں جا چکے تھے ۔ آخر کار ترکوں کے سردار ایلک خان نے بخارا فتح کر لیا اور آخر کار ۳۸۹ھ میں سامانی خاندان کا چراغ گل ہو گیا ۔ اس خاندان کے ۱۰ فرمانروا گزرے ہیں جن کی کل مدت حکومت ۲۸۱ سال ہے ۔

سامانی حکمرانوں کی سر پرستی سے سمرقند اور بخارا تہذیب و شائستگی اور علم و ہنر کے مرکز بن گئے اور ان کی قدردانی سے بہت سے نامور عالم و فاضل ان کے دربار میں جمع ہو گئے تھے ۔ ابوبکر رازی نے اپنی طبی تالیف ''کتاب المنصوری'' اسی خاندان کے ایک شہزادے کے لیے لکھی تھی ۔ ابن سینا ایک سامانی امیر کی فرمائش پر بخارا آیا اور وہاں کے شاہی کتب خانے سے مستفید ہوا ۔ وہ نہ صرف ایک حاذق طبیب بلکہ ایک نامور فلسفی بھی تھا ، اس کی طبی تالیف کا نام ''القانون'' ہے ۔ اس نے فلسفہ میں بھی چند ایک عمدہ کتابیں لکھی تھیں اس کا شمار دنیا کے مشہور فلاسفہ میں ہوتا ہے ۔

سامانی عہد میں فارسی ادب نے دوبارہ جنم لیا اور سامانیوں کی سرپرستی میں فارسی کے کئی ایک ادیب اور شاعر پیدا ہوئے۔ مثلاً رودکی ، فردوسی اور بلعمی۔ بلعمی نے امام طبری کی عربی تاریخ کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

عباسی عہد کا تیسرا دور

ایران کے بنی بویہ کا سیاسی اقتدار

(۳۳۴ھ تا ۴۴۷ھ)

یہ دور ۱۱۳ برس کا ہے جس میں ایران کا بویہ خاندان برسر اقتدار رہا - یہ لوگ نسل کے لحاظ سے ایرانی اور مذہباً شیعہ تھے - ان کو ویلمی بھی کہتے ہیں ، کیونکہ وہ ویلم کے رہنے والے تھے - ان کے زمانے میں پانچ چھے عباسی خلفاء بغداد کے تخت، پر بیٹھے لیکن وہ بویہی خاندان کے حکمرانوں کے سامنے بے بس تھے -

شمالی ایران کے اس پہاڑی علاقے کو جو بحیرہ خزر کے جنوب مغربی گوشہ کے متصل واقع ہے قدیم زمانے میں ویلم کہتے تھے اور وہاں کے باشندے بھی اسی نام سے موسوم تھے - بنو بویہ کا مولد و منشا یہی خطہ تھا ، اس لیے تاریخ میں وہ ویلم یا ویالمہ کے نام سے بھی مشہور ہیں - وہاں کے ایک مقامی سردار بویہ نامی کے تین بیٹے تھے - علی ، حسن اور احمد - علی، شہر کرج کا حاکم مقرر ہوا اور اس نے اپنے حسن انتظام سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور اپنی طاقت بڑھانے لگا - چنانچہ اس نے اصفہان اور دیگر مقامات پر قبضہ کرکے اپنی سلطنت کو وسعت دی - پھر تینوں بھائیوں نے مل کر فارس کے تمام صوبے کو فتح کر لیا اور ایران کے دوسرے حصے بھی لے لیے - آخرکار خلیفہ بغداد بنو بویہ کو ان علاقوں کا حکمران تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا -

بنو بویہ بغداد میں

احمد بن بویہ جو اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا، بڑا جواں مرد بہادر تھا۔ اس نے کرمان اور خوزستان پر قبضہ کر لیا اور پھر ۳۳۴ھ میں بغداد میں فاتحانہ داخل ہو گیا۔ خلیفہ کو مجبوراً اس کا استقبال کرنا پڑا اور اس کو معزالدولہ کا خطاب دے کر امیرالامرا مقرر کر دیا، معزز عہدہ، خاندان بویہ میں موروثی ہو گیا اور اس کے مختلف افراد یکے بعد دیگرے ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک بغداد پر مسلط رہے۔

معزالدولہ تھوڑے ہی عرصہ میں ملکی اور مالی امور پر حاوی ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد اسے معلوم ہوا کہ خلیفہ بغداد اسے قتل کروانا چاہتا ہے، اس پر اس نے اسے پا پیادہ اپنے دربار میں حاضر کیا اور اسے خلافت کے منصب سے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد معزالدولہ نے عباسی خاندان کے ایک اور فرد کو خلیفہ بنا دیا، لیکن وہ برائے نام خلیفہ تھا، تمام اختیارات معزالدولہ کے ہاتھ میں تھے۔ اس نے خلیفہ کے لیے روزینہ مقرر کرکے اسے سلطنت کے عملی انتظام سے بالکل الگ کر دیا اور خطبہ اور سکہ میں خلیفہ کے ساتھ اپنا نام بھی داخل کر دیا۔

بنو بویہ نے فاطمی سادات کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس لیے وہ مذہباً شیعہ تھے۔ جب وہ بغداد میں امیرالامراء کے عہدے پر فائز ہوئے تو انھوں نے وہاں شیعی عقائد کا علی الاعلان مظاہرہ کیا اور چند نئی رسوم کو رائج کیا، معزالدولہ نے حکم دیا کہ محرم کے عاشورہ میں سب لوگ دوکانیں بند رکھیں اور حضرت حسینؓ کا ماتم کریں۔ اسی طرح ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر منانے کا حکم دیا اور لوگوں سے جبراً اس کی تعمیل کرائی۔ بغداد کے اکثر لوگ سنی تھے اور ان رسموں کو دین اسلام کا جز نہیں

سمجھتے تھے ، اس لیے جابجا شورش پیدا ہوئی اور کشت و خون تک نوبت پہنچی ، غرض بویہ حکمرانوں کی مذہبی روش سے شیعہ اور سنیوں کے درمیان شدید دشمنی پیدا ہوگئی جو مدت تک بغداد کے امن و امان میں خلل انداز ہوتی رہی اور دونوں فرقوں کے درمیان فساد کی آگ بھڑکتی رہی جو ملت مسلمہ کی کمزوری کا باعث ہوئی ۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے ، گھروں اور محلوں کو آگ لگا دیتے تھے ، حتیٰ کہ مقبرے تک مسمار کر دیتے تھے ۔ غرض کہ ان ہنگاموں میں جان و مال کا بے انداز نقصان ہوتا تھا ۔

بنو بویہ کے دور امارت میں رومیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غلبہ حاصل رہا ، کیونکہ بویہی حکمران ان کو روکنے اور مملکت اسلام کی حفاظت کرنے سے قاصر تھے ۔ اس کمزوری اور غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے مسلمانوں کے بہت سے شہروں کو تباہ کر دیا ۔

سیف الدولہ ہمدانی

رومی فوجیں بار بار مسلم علاقوں پر حملہ کرتی تھیں اور تباہی مچاتی تھیں ۔ ان کے مقابلے میں شام کے حکمران سیف الدولہ ہمدانی نے خاص نام پیدا کیا اور وہ عمر بھر ان کے مقابلے میں دنیائے اسلام کے لیے سپر کا کام دیتا رہا کبھی رومی غالب رہتے اور کبھی سیف الدولہ ۔ بعض اوقات دوسرے مسلم ملکوں سے بھی مسلمان رضاکار رومیوں سے جہاد کرنے کے لیے آنکلتے تھے ۔ اگرچہ تنہا سیف الدولہ ، رومیوں کے مقابلے کے لیے کافی نہ تھا ، تاہم وہ مسلمانوں کی حمایت میں ہمیشہ جانفشانی کرتا رہا ۔

سیف الدولہ ادب اور شعر و شاعری کا اعلیٰ مذاق رکھتا تھا ۔ علما و فضلا کا قدردان تھا ۔ اس کے دربار میں اہل کمال کا مجمع لگا رہتا تھا ۔ عربی زبان کا مشہور شاعر متنبی کئی سال تک

اس کے ساتھ وابستہ رہا اور اس کی مدح میں قصیدے کہتا رہا۔ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی ''کتاب الاغانی'' کا ایک خود نوشت نسخہ سیف الدولہ کی خدمت میں پیش کیا اور ایک ہزار دینار صلہ پایا۔ مشہور فلسفی ابو نصر فارابی بھی اس کے دربار کی زینت تھا۔ ابن نباتہ اس کے دربار کا خطیب تھا۔ اس نے جہاد کی ترغیب میں جو خطبے دے وہ اپنے زور کلام و بیان کی وجہ سے آج تک مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے اہل علم کو سیف الدولہ کی سرپرستی حاصل تھی۔

عضدالدولہ ویلمی

ابو شجاع فنا خسرو جو تاریخ اسلام میں عضدالدولہ کے لقب سے مشہور ہے اپنے زمانے میں بویہی خاندان کا رئیس اعظم قرار پایا۔ اس نے اپنے خاندان کے مختلف مقبوضات کو اپنے زیر نگیں کرلیا اور بغداد کو فتح کرکے امیرالامراء کے عہدے پر فائز ہو گیا اور شہنشاہ کا لقب اختیار کرکے خطبے میں خلیفہ کے ساتھ اپنا نام بھی داخل کر دیا۔ اس کا دارالحکومت شیراز تھا۔

عضدالدولہ نے ملک کے انتظام پر پوری توجہ مبذول کی۔ وہ ہمیشہ لائق کار پردازوں کو سرکاری ملازمت میں لیتا تھا اور رعایا کی بہتری میں ہر وقت کوشاں رہتا تھا۔ جو نہریں اور سڑکیں حکام کی غفلت سے خراب ہوگئی تھیں، اس نے سب کو درست کرایا اور بغداد کی مساجد اور عمارات کو جو مسلمانوں کے باہمی لڑائی جھگڑوں میں تباہ ہوگئی تھیں ان کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اس نے رفاہ عامہ کے لیے متعدد مقامات پر شفاخانے بھی قائم کیے اور خاص کر بغداد میں ایک شفاخانہ وسیع پیمانے پر تعمیر کیا اور اسے ضروری ادویہ اور سامان سے آراستہ کیا۔ اس میں مریضوں کے علاج کے لیے حاذق حکیم اور ماہر جراح متعین کیے۔ اس شفاخانے کے ساتھ بہت سی جائداد بھی

وقف تھی ، جس کی آمدنی سے یہ شفاخانہ صدیوں تک خلقِ خدا کی خدمت کرتا رہا ۔ عضدالدولہ اعلیٰ درجے کا سخن فہم اور اہل کمال کا قدردان تھا ۔ اس نے عالموں ، فقیہوں ، محدثوں اور ادیبوں کے روزینے مقرر کر رکھے تھے ۔ چنانچہ اس کے عہد میں بہت سے عالموں اور مصنفوں نے مختلف علوم پر کتابیں لکھیں اور ان کو اپنے مربی کے نام سے معنون کیا ۔

عضدالدولہ کی وفات کے بعد خاندان بویہ کا شیرازہ بکھر گیا اور شمالی ایران ، فارس اور عراق میں بویہی حکمرانوں نے جدا جدا حکومتیں قائم کر لیں ۔ باہمی جنگ و جدال میں اپنی قوتیں کھونے لگے ۔ آخرکار سلجوق قوم کے ترکوں نے وسطی ایشیا سے ظہور کیا اور ایران کی طرف بڑھ کر بنو بویہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا ۔

مصر کا فاطمی خاندان

اسلام کی چوتھی صدی میں عالم اسلام میں شیعی خاندانوں کو غلبہ حاصل رہا ۔ اس صدی میں بویہی حکمران ایران اور عراق پر مسلط رہے ، جن کے سامنے بغداد کے عباسی خلفا بالکل بے بس تھے ۔ اس زمانے میں مصر میں فاطمی خاندان حکمران تھا جس کی ابتدا شمالی افریقہ میں ہوئی تھی ۔ فاطمی خاندان کا بانی ابو محمد عبیداللہ تھا ۔ اس نے افریقہ میں جا کر یہ دعویٰ کیا کہ میں محمد بن اسمعیل کی اولاد سے ہوں اور میں ہی مہدی موعود ہوں ۔ شیعی مبلغوں کی کوشش سے شیعی خیالات ہر طرف پھیلے ہوئے تھے ۔ چنانچہ بربروں کی ایک کثیر جماعت اس کے ساتھ ہو گئی ، اس نے تونس کے ساحل پر مہدیہ کا نیا شہر بسا کر ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی ۔ چونکہ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ محمد بن اسمعیل کے واسطے سے حضرت فاطمہ کی اولاد سے ہے ، اس لیے یہ خاندان تاریخ میں فاطمی خاندان کے نام سے مشہور ہوا ۔

عبیداللہ کے جانشین اپنی مملکت کو برابر ترقی دیتے رہے، یہاں تک کہ شمالی افریقہ کا اکثر حصہ ان کے زیر نگیں آ گیا۔ ان کے چوتھے حکمران المعز نے مصر کو فتح کرکے وہاں عباسی خلفا کا خطبہ و سکہ موقوف کر دیا۔ اس نے مصر میں قاہرہ کے نام سے ایک نیا شہر بسایا اور وہاں ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر کی اور اس کا نام "جامع ازہر" رکھا۔ یہ مسجد ایک ہزار سال سے عبادت کے علاوہ دارالعلوم کا کام بھی دے رہی ہے۔ ابتدا میں اس دارالعلوم کا مقصد اسماعیلی عقائد کی تبلیغ تھی، لیکن بعد ازاں اس کے نصاب اور نظام تعلیم میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ بہر حال جامع ازہر اسلامی علوم کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی درس گاہ ہے۔ جو تمام مسلم ممالک میں مشہور ہے۔

فاطمی خاندان کے کل چودہ حکمران گزرے ہیں، جنھوں نے مصر پر دو سو سال سے زیادہ عرصہ تک فرماں روائی کی۔ فاطمیوں کی سلطنت بڑی منظم تھی۔ جب تک حکومت کا نظم و نسق درست رہا، علوم و فنون نے ترقی پائی۔ فاطمی حکمرانوں نے بہت سے مدرسے اور کتب خانے قائم کیے، علما و فضلا اور ہر قسم کے اہل کمال کی سرپرستی کی۔ یہاں تک کہ قاہرہ تھوڑے ہی عرصہ میں تہذیب و تمدن کا ایک بڑا مرکز بن گیا اور شان و شوکت میں دارالخلافہ بغداد کی ہمسری کرنے لگا۔

فاطمی حکمران شیعوں کی اسماعیلی شاخ سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے شیعی عقائد کی تبلیغ کے لیے ایک محکمہ قائم کر رکھا تھا اور ان کے مبلغ تمام مسلم ممالک میں پھیلے ہوئے تھے اور لوگوں کو مذہبی اور سیاسی انقلاب کے لیے تیار کر رہے تھے۔

عباسی عہد کا چوتھا دور

سلاجقہ کا زمانہ

۴۴۷ھ تا ۵۹۰ھ

عباسی عہد کا چوتھا دور ۱۴۳ سال کا ہے جس میں سلجوق قبیلے کے ترک سلطان برسرِ حکومت رہے۔ اس دور کی ابتداء ۴۴۷ھ سے ہوتی ہے، جب سلجوقیوں نے بنی بویہ کو بغداد سے نکال دیا۔ سلجوق سنی تھے اور خلفا کا احترام کرتے تھے، لیکن حکومت کے کل اختیارات ان کے اپنے ہاتھ میں تھے۔ سلاجقہ کو آخرکار خانہ جنگی نے کمزور کر دیا اور خوارزم شاہیوں نے ترکستان سے نکل کر ایران میں ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا، باقی ملکوں میں ان کے عہدہ داروں نے جگہ لے لی، جن کو اتابیگ کہتے تھے۔

بیت المقدس کا شہر حضرت عمرؓ کے زمانے سے مسلمانوں کے قبضے میں چلا آ رہا تھا۔ سلاجقہ کے دور میں یورپ کے عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لیے اسلامی ملکوں پر بار بار حملے کیے۔ یہ جنگیں دو سال تک جاری رہی۔ ان جنگوں کو صلیبی جنگیں کہتے ہیں، کیونکہ عیسائی فوجیوں کے اباس پر صلیب کا نشان ہوتا تھا۔ ان جنگوں کے دوران مسلم ممالک کو بہت سا جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔

سلجوقی سلطنت

سلاجقہ کی اہمیت

پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں بغداد کی عباسی خلافت کا

صرف نام ہی رہ گیا تھا ۔ وہ عظیم الشان سلطنت جو کبھی ایک واحد خلیفے کے زیر نگیں تھی ، بہت سے خود مختار خاندانوں میں تقسیم ہو گئی ۔ یہ مختلف خاندان ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے اور اسلام کی سیاسی اور فوجی طاقت کو ضائع کر رہے تھے ۔ مذہبی اختلافات کی بنا پر بھی مسلمان فرقے ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے ۔ عالم اسلام کی اس خستگی اور زبوں حالی میں وسطی ایشیا سے سلجوق قوم کے ترکوں نے سر اٹھایا جن کی یلغار کا بڑھتا ہوا سیلاب کئی خاندانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا ۔ سلاجقہ نے ایشیا کے تمام مسلم ملکوں کو دوبارہ جمع کیا اور اسلام کے نیم مردہ قالب میں از سر نو روح پھونک دی ۔

سلجوق ، غز قوم کا ایک بہادر سردار تھا ، جس نے اپنے وطن کو خیر باد کہا اور دریائے سیحون کے شمال میں جند کے علاقے میں قیام کیا ۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے میل ملاپ کے اثر سے اسلام قبول کیا اور ماوراء النہر کے عوام کی طرح سنی مذہب اختیار کیا ۔ اس زمانے میں ماوراء النہر کا بیشتر حصہ غزنوی سلطنت میں شامل تھا ۔ جب سلطان محمود غزنوی ہندوستان کی فتوحات میں مصروف تھا تو سلجوق قبیلے کے بہت سے لوگ جیحون پار کرکے خراسان میں گھس آئے اور سلطان کی اجازت سے نسا اور طوس کے اضلاع میں آباد ہو گئے ۔ سلطان کی وفات کے بعد وہ غزنوی خاندان کی اطاعت سے منحرف ہو گئے ، سلطان محمود کے جانشین سلطان مسعود کو کئی بار شکستیں دے کر خراسان پر قابض ہو گئے ۔ ۱۰۳۷ء میں مرو میں سلجوق کے پوتے چغری بیگ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور دوسرے سال اس کے بڑے بھائی طغرل بیگ کو نیشا پور میں بادشاہ تسلیم کیا گیا ۔ پھر دونوں بھائیوں نے مل کر جرجان اور طبرستان کے ملک لے لیے اور بویہی حکمرانوں کو ایران سے بے دخل کر دیا ۔ طغرل بیگ نے شہر ''رے'' کو اپنا دارالحکومت بنایا اور

مفتوحہ ملکوں کا انتظام درست کیا ۔

طغرل بیگ اور چغری بیگ نے خلیفہ بغداد کو لکھا کہ ہم عباسی خاندان کے مطیع اور بہی خواہ ہیں ۔ ہمیں امیرالمومنین کے زیر فرمان مفتوحہ ملکوں میں حکومت کرنے کی اجازت دی جائے ۔ چنانچہ خلیفہ نے خطاب اور خلعت کے ساتھ ان کو ممالک مفتوحہ کی سند حکومت بھی عطا کی ۔

۱ ۔ طغرل بیگ سلجوقی

جب طغرل بیگ نے ایران کی فتح سے فراغت پائی تو اس نے دارالخلافہ بغداد کا رخ کیا ۔ اس وقت زمام خلافت خلیفہ القائم کے ہاتھ میں تھی ۔ لیکن حکومت کے اختیارات بویہی شہنشاہ ملک رحیم کے قبضے میں تھے اور خلیفہ ان کی چیرہ دستی سے بہت پریشان رہتا تھا ۔ طغرل بیگ نے ملک رحیم کو قید کر کے خلیفہ کو اس کے تسلط سے نجات دلائی اور خلافت کی عزت اور حرمت کو دوبارہ قائم کیا ۔ جب طغرل بیگ بغداد میں داخل ہوا تو خلیفہ نے اس کی بڑی تعظیم کی اور بیش قیمت خلعت اور دیگر تحائف کے علاوہ اسے شاندار خطاب دے کر اس کا نام خطبہ میں شامل کیا ۔ تمام لوگوں نے جو آل بویہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے سلجوقوں کی آمد کو باعث رحمت سمجھا اور طغرل بیگ جو پہلے محض ایک خانہ بدوش قبیلے کا سردار تھا ، بادشاہت کے رتبے پر جا پہنچا اور ایک عظیم الشان خاندان اور وسیع سلطنت کا بانی ہوا ۔ طغرل بیگ نے ستر برس کی عمر میں ''رے'' میں وفات پائی اور مرو میں اپنے بھائی چغری بیگ کے مقبرے میں مدفون ہوا ۔ اگرچہ وہ ایک سپاہی منش آدمی تھا لیکن اس میں دانش مندی ، عدل و انصاف اور علم دوستی کے اوصاف بھی موجود تھے ، وہ شریعت کا پابند اور اسلام کا زبردست حامی تھا ، اس نے مفتوحہ مقامات پر مسجدیں تعمیر کرائیں جو عبادت گھوں کے علاوہ مدارس کا کام بھی دیتی تھیں ۔

۲ - الپ ارسلان سلجوق

طغرل بیگ لا ولد تھا - اس کی وفات کے بعد اور اس کی وصیت کے مطابق اس کے چھوٹے بھائی چغری بیگ کا بیٹا الپ ارسلان سلطنت کا وارث بنا اور خلیفہ بغداد نے اسے خلعت اور القاب سے نوازا -

الپ ارسلان ایک نیک دل اور عالی ہمت حکمران تھا - سیرت میں پاک باز اور پرہیز گار تھا - ان صفات کے ساتھ ساتھ بہت بہادر اور شجاع بھی تھا - اس نے صرف نو سال حکومت کی ، لیکن اس مختصر مدت میں اس نے شاندار فتوحات حاصل کیں - مشرق میں فرغانہ اور چغانیاں کے علاقوں کو فتح کیا اور مغرب میں فاطمیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا اور ان کو حجاز سے بے دخل کر دیا - ان فتوحات کی بدولت اس کی سلطنت دریائے جیحوں سے لے کر بحیرہ روم تک وسیع ہو گئی -

جنگ ملاز گرد

جب الپ ارسلان کی فتوحات کا سلسلہ مغرب کی طرف بڑھا تو سلاجقہ کا رومیوں سے تصادم ایک ناگزیر امر تھا - جب الپ ارسلان گرجستان اور ارمینیہ فتح کر چکا تو رومیوں نے دیکھا کہ اب وہ ان کی سلطنت کا قصد رکھتا ہے تو قیصر رومانواس کئی لاکھ فوج کے ساتھ مسلم علاقے کی طرف بڑھا اور مسلم فوجوں کو پیچھے دھکیل کر ملازگرد کا شہر لے لیا - اس وقت سلطان الپ ارسلان آرمینیہ کی سرحد پر متیم تھا - اس نے اول قیصر کو صلح کا پیغام بھیجا ، لیکن قیصر نے اس مصالحانہ پیغام کو سلطان کی کمزوری پر محمول کیا اور صلح کی پیش کش کو رد کر دیا - اس وقت سلطان کے ہمراہ صرف پندرہ ہزار فوج تھی ، لیکن وہ قیصر کے ساتھ نبرد آزمائی پر آمادہ ہو گیا اور رومی فوج پر آندھی کی طرح ٹوٹ پڑا - شہر ملازگرد کے قریب بڑے معرکے کا

رن پڑا۔ قیصر کے ساتھی اسے ایک ایک کر کے چھوڑنے لگے اور اس کی ساری فوج تتر بتر ہو گئی۔ بے شمار سپاہی مارے گئے اور خود قیصر رومانوس سلطان کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور جب اسیر ہو کر سلطان کے سامنے پیش ہوا تو سلطان نے اس کی جان بخش دی اور تاوان جنگ اور سالانہ خراج کی شرط پر اسے رہا کر دیا۔

ایشیائے کوچک کی فتح

ملازگرد کی عظیم الشان فتح سے سلاجقہ کے لیے ایشیائے کوچک کا دروازہ کھل گیا۔ انھوں نے پیش قدمی کر کے اندرون ملک میں اسلامی جھنڈا گاڑ دیا۔ الپ ارسلان نے ایشیائے کوچک کو اپنے چچا زاد بھائی قتلمش کے بیٹے سلیمان کی تحویل میں دے دیا اور وہاں کے تمام مفتوحہ علاقوں کو اس کی جاگیر قرار دیا۔ سلیمان نے چند سال کی مدت میں باسفورس تک علاقہ تسخیر کر لیا اور قیصر روم سے خراج وصول کیا۔ اس کا صدر مقام نیقیہ کا شہر تھا، سلیمان کے جانشیں سلاجقہ روم کہلائے، جب صلیبی جنگوں کے دوران میں شمالی علاقے ان کے ہاتھ سے نکل گئے تو انھوں نے قونیہ کو اپنا دارالحکومت بنایا اور حملۂ تاتار تک وہاں حکمران رہے۔

اس خاندان کے دسویں تاجدار علاؤالدین کیقباد کے زمانے میں فارسی زبان کے مشہور صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومی نے قونیہ کو اپنا وطن بنایا۔ ان کی ضخیم مثنوی فارسی زبان کی مشہور ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس مثنوی میں انھوں نے تصوف اور اخلاق کے مسائل کو امثال و حکایت کی صورت میں بیان کیا ہے۔

نظام الملک طوسی

الپ ارسلان اور اس کے جانشین ملک شاہ کے عہد میں سلجوقی سلطنت کا حسن انتظام بہت حد تک اُن کے وزیر باتدبیر نظام الملک

طوسی کا رہین منت رہا ۔ اس کا نام ابو علی حسن تھا اور طوسی کے شہر میں پیدا ہوا تھا، اس لیے طوسی کہلایا ۔ اس نے تمام مروجہ علوم کی باقاعدہ تحصیل کی اور دینی علوم پر خاص طور پر عبور حاصل کیا ۔ اس نے ابتدا میں دفتر انشاء میں ملازمت اختیار کی ۔اور اپنی خداداد لیاقت کی بدولت یہاں تک ترقی کی کہ الپ ارسلان نے اسے اپنا وزیر مقرر کر کے اسے نظام الملک کا لقب عطا کیا ۔

نظام الملک انتظامی قابلیت ، عدل و انصاف ، پرہیز گاری اور رعایا پروری بے مثل تھا اور سلطان کو اس کی قابلیت اور وفاداری پر پورا پورا اعتماد تھا ۔ سلطنت کا تمام کاروبار اس کے سپرد کر رکھا تھا ۔

نظام الملک نے الپ ارسلان کے جانشین ملک شاہ کی فرمائش پر اصول سیاست پر ایک کتاب لکھی جو عام طور پر ''سیاست نامہ'' کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے جس میں مصنف نے بادشاہ کے حقوق و فرائض سے بحث کی ہے اور تاریخی واقعات کے بیان سے اصول سیاست کی وضاحت کی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ اس نے سلطنت کے مختلف محکموں اور شعبوں کی تفصیل دی ہے ۔ جس سے اس زمانے کی طرز حکومت پر روشنی پڑتی ہے ۔

مدرسہ نظامیہ

نظام الملک خود بڑا عالم فاضل تھا اور علما کی قدر و منزلت کرتا تھا ۔ اس نے علوم و فنون کی ترویج کے لیے ۴۵۹ھ میں بغداد میں ایک دارالعلوم اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا ، اس کے لیے ایک عالی شان عمارت بنوائی اور اخراجات کے لیے سالانہ ایک کثیر رقم مقرر کی اور تعلیم و تدریس کے لیے چوٹی کے علما متعین کیے ۔ مدرسے کا ایک حصہ کتب خانے کے لیے مخصوص تھا جس میں ہزاروں نادر اور بیش قیمت کتابیں جمع تھیں ۔ مدرسہ نظامیہ چار سو سال تک

علم و حکمت کی روشنی پھیلاتا رہا۔ اس مدت میں سینکڑوں علما مثلاً ابو اسحاق شیرازی، امام ابو حامد غزالی اور خطیب تبریزی نے مسند درس کو زینت بخشی۔ اس مدرسے کے حلقۂ تدریس سے سعدی جیسے ہزاروں طالب علم دستار فضیلت پہن کر نکلے۔

نظامیہ بغداد کے علاوہ نظام الملک نے نیشاپور، اصفہان، مرو اور ہرات میں بھی مدارس قائم کیے۔

۳۔ ملک شاہ سلجوقی

سلطان الپ ارسلان ترکستان کے بعض غیر مفتوحہ علاقوں کی تسخیر میں مصروف تھا کہ ۱۰۷۲ء میں ایک باغی امیر کے ہاتھوں سر دربار زخمی ہو کر انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ملک جلال الدولہ کا لقب اختیار کر کے اس کا جانشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر صرف سترہ سال کی تھی۔ شاہی خاندان کے بعض ارکان نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن اس کے وزیر نظام الملک نے تدبیر سے کام لے کر سب مخالفوں کو زیر کیا اور ملک شاہ بلاشرکت غیرے سلطان قرار پایا اور سلطنت کے تمام حصوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور مملکت میں ہر طرف اس کا نام جاری ہو گیا۔ سلطان نے نظام الملک کو اس کی خدمت کے صلے میں اتابیگ کا خطاب عطا کیا۔

ملک شاہ کا عہد حکومت ساجوقی دور کا سب سے درخشاں زمانہ ہے۔ اس کے عہد میں سلجوقی سلطنت اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی۔ قیصر روم بھی اس کا باجگزار تھا۔ سلطنت کا مالی انتظام، نظام الملک کی اولاد کے سپرد تھا۔ فوج میں زیادہ تر ترک تھے اور مختلف صوبوں کی حکومت پر سلطان کے رشتہ دار یا معتبر غلام مقرر تھے۔ عدالت کا محکمہ قاضیوں کے پاس تھا۔ سلطان نے اپنی وسیع سلطنت کا کئی بار دورہ کیا اور ایک بار حج بیت اللہ سے

بھی مشرف ہوا۔ اس نے حج کے راستے میں حاجیوں کی آسائش کے لیے تالاب حوض اور ان کے قیام کے لیے سرائیں بنوائیں۔

سلطان ملک شاہ کئی بار بغداد بھی گیا اور وہاں عباسی خلیفے سے ملاقات کی۔ سلطان کو محلات اور قلعے بنانے کا بڑا شوق تھا۔ اس نے اصفہان کو خاص طور پر عالی شان عمارات اور خوش نما باغات سے آراستہ کیا۔ بڑے بڑے شہروں کے گرد فصیلیں بنوائیں اور منہدم قلعوں کی مرمت کی۔

ملک شاہ نے ۱۰۹۲ء میں چند دنوں کی علالت کے بعد ۳۸ برس کی عمر میں وفات پائی اور اصفہان کے مدرسے میں مدفون ہوا۔

حسن بن صباح

ملک شاہ کے آخری ایام میں حسن بن صباح اور اس کی جماعت نے ظہور کیا، جس کو باطنیہ یا حشیشین بھی کہتے ہیں۔ باطنی فدائیوں نے اپنے خفیہ حملوں اور خون ریزی سے مسلم دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔

حسن بن صباح، نظام الملک وزیر کا ہمعصر تھا۔ اس نے پہلے ملک شاہ کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی، جب ناکام رہا تو اس نے اسماعیلی مبلغوں کے اثر سے اسماعیلی عقائد اختیار کر لیے اور اپنے ہم خیال لوگوں کی ایک کثیر جماعت پیدا کر لی۔ اور ماژندران کے پہاڑی علاقے میں الموت کے قلعہ پر قبضہ کر کے اسے اپنا صدر مقام بنایا اسی لیے لوگ حسن بن صباح کو "شیخ الجبل" کہتے تھے۔

حسن بن صباح کے مرید مختلف درجوں میں منقسم تھے، ایک درجہ فدائیوں کا تھا۔ یہ لوگ اپنے امام یعنی پیشوا کا ہر حکم

بلا چوں و چرا بجا لانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے - حسن بن صباح کا دستور تھا کہ وہ اپنے مخالفوں کو فدائیوں کے ہاتھوں چپکے سے مروا ڈالتا تھا - اس قسم کے خفیہ قتل کی مسلسل وارداتوں سے ملک میں دہشت پھیل گئی تھی - آخرکار نظام الملک بھی ان کی سفاکی کا شکار ہو گیا -

حسن بن صباح اپنے مریدوں کو حشیش یعنی بھنگ کے نشہ میں مدہوش کر کے ایک مصنوعی بہشت کے جلوے دکھاتا تھا ، اس لیے اس کے فرقہ کو "حشیشین" بھی کہتے ہیں - حسن بن صباح کی بیخ کنی کے لیے سلجوقی فوجوں نے الموت پر چڑھائی کی ، لیکن نظام الملک کے قتل اور ملک شاہ کی وفات سے یہ مہم ناکام رہی -

آخرکار ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء میں تاتاریوں کے بادشاہ ہلاکو خاں نے الموت کا قلعہ فتح کر کے اسے تباہ کر دیا - حسن بن صباح کا تعلق اسماعلیہ فرقے سے تھا - اس فرقہ کے لوگ آج تک موجود ہیں اور ان کے موجودہ امام سر آغا خان ہیں -

سلاجقہ کا زوال

ملک شاہ کی وفات پر اس کی اولاد میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور سلاجقہ کی مختلف شاخوں نے مملکت کے مختلف حصوں میں الگ الگ حکومتیں قائم کر لیں - ان شاخوں میں سے کرمان ، عراق ، شام اور بلاد روم (ایشیائے کوچک) کے سلجوقی حکمران مستقل حیثیت رکھتے تھے -

سلجوقی سلاطین کا یہ دستور تھا کہ وہ قابل اعتماد امیروں کو اپنی اولاد کا بچپن ہی سے اتالیق مقرر کر دیتے تھے اور شہزادے ان کو اتابیگ کہہ کر خطاب کرتے تھے - جب کوئی سلطان انتقال کر جاتا تو ہر ایک امیر کی یہی کوشش ہوتی تھی ، کہ وہ اس شہزادے کے لیے جس کی تربیت اس کے متعلق تھی ، تخت و تاج

حاصل کرے تا کہ اس کا نائب السلطنت بن کر ملک پر حکمرانی کر سکے ۔ ان حالات میں وارثان سلطنت میں کئی مرتبہ خانہ جنگی کا بازار گرم ہوا اور ارکان دولت ان کے طرف دار بن کر ایک دوسرے کے ساتھ لڑے اور امور سلطنت میں ان کے اختیارات اور ان کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا ، یہاں تک کہ سلجوقیوں کے کمزور ہوتے ہی اتابیگ نائب السلطنت سے صاحب السلطنت بن گئے اور مختلف مستقل خاندانوں کے بانی ہوئے۔

صلیبی جنگیں

بیت المقدس کے شہر کو جو فلسطین کے ملک میں واقع ہے حضرت عیسیٰ[ؑ] کی زندگی کے واقعات سے گہرا تعلق ہے اس لیے عیسائی زائرین پہلی حکومتوں کے عہد میں بلا روک ٹوک جاتے تھے ، لیکن جب فلسطین سلاجقہ کے قبضے میں آیا تو انقلاب حکومت کی وجہ سے بدنظمی پھیلی اور بعض عیسائی زائروں کو تکلیف پہنچی اور ان کے لیے شکایت کا موقع پیدا ہوا ۔ اس کے علاوہ سلاجقہ روم ، رومیوں کو پیچھے دھکیل کر قسطنطنیہ کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے ۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ، یورپ کے تمام عیسائی ملکوں کے لیے خطرہ پیدا ہو گیا تھا ۔ لہٰذا پاپائے روم نے ۱۰۹۵ھ میں ایک بڑی مجلس مشاورت منعقد کی جس میں ہزاروں پادریوں نے شرکت کی ۔ قیصر روم نے عیسائی ملکوں میں امداد کے لیے اپنے سفیر بھیجے ۔ پاپائے روم نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے اور بیت المقدس کو ان کے ہاتھ سے چھڑانے کے لیے پر زور وعظ کیے۔

پادری لوگ ملک ملک پھرتے اور عیسائی زائرین کی تکلیفوں اور مسلمانوں کے مفروضہ مظالم کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے پر ابھارتے

تھے - ان پادریوں میں فرانس کا ایک راہب پیٹر نامی پیش پیش تھا - اس نے اپنی آتشیں تقریروں سے اپنے ہم مذہبوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب کی آگ بھڑکا دی - اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے بہت سے حصوں سے عیسائیوں کی کثیر تعداد اہلِ اسلام سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئی - مدت تک یورپ کے مختلف ملکوں سے عیسائی لشکر روانہ ہوتے رہے اور مسلم ملکوں پر حملے کرتے رہے ، عیسائیوں اور مسلمانوں کی ان باہمی لڑائیوں کا سلسلہ دو سال تک جاری رہا جس میں ہزاروں لاکھوں آدمی مارے گئے اور بیسیوں شہر تباہ ہو گئے - صلیب (Cross) عیسائیوں کا مذہبی نشان ہے - عیسائی سپاہی اپنے کپڑوں پر سرخ صلیب کا نشان لگاتے تھے ، اس لیے انھیں کروسیڈز یعنی صلیبی سپاہی اور ان لڑائیوں کو (Crusades) یعنی صلیبی جنگیں کہتے ہیں -

پہلی صلیبی جنگ

۴۸۹ھ (۱۰۹۶ء) میں پیٹر راہب کی سر کردگی میں مختلف ملکوں اور قوموں کے چالیس ہزار عیسائی یورپ سے ایشیا کی طرف روانہ ہوئے تاکہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے تسلط سے آزاد کرائیں - یہ کوئی منظم فوج نہ تھی ، بلکہ مختلف طبقوں کا ایک کثیر انبوہ تھا - جو اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کو لوٹتے مارتے چلے آتے تھے ، ان کی لوٹ مار کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے کئی علاقے ویران ہو گئے ، ہنگری اور بلغاریہ کے لوگوں سے بھی ان کی لڑائیاں ہوئیں ، جن میں بہت سے صلیبی سپاہی مارے گئے - باقی لوگ جب آبنائے باسفورس عبور کر کے ایشیائے کوچک میں پہنچے تو وہاں کے سلجوقی سلطان قلیچ ارسلان نے ان پر حملہ کر کے ان کی بڑی تعداد کو ہلاک کر دیا -

اس ناکامی کے بعد یورپ کے عیسائیوں نے دوبارہ حملہ کی

تیاری کی - اس لشکر کشی میں تین سرداروں نے حصہ لیا - گوڈفرے جو شمالی فرانس کا ایک نامور سردار تھا ، شاہ فرانس کا بھائی ہیو ، اور بوہنمید جو تارنت (اٹلی) کا ایک نارمن سردار تھا - ان کے لشکروں کی مجموعی تعداد سات لاکھ کے قریب تھی - جب یہ ٹڈی دل ایشیائے کوچک پہنچا تو وہاں کا سلجوقی سلطان ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور اس کا دارالحکومت نیقیہ ، قیصر روم کے قبضہ میں چلا گیا - وہاں سے عیسائی لشکر شام کی طرف چلے - راستے میں ایک سردار بالڈون اڈیسہ کے حاکم کی امداد کو پہنچا - تاکہ اس بہانے سے شہر پر قبضہ کر سکے اور وہ وہاں کا حاکم بن بیٹھا - یہ پہلی ریاست تھی جو عیسائیوں نے مشرق میں قائم کی - باقی لشکر نے بڑھ کر انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا - وہاں کے سلجوقی سپہ سالار یاغی یسان نے خوب داد شجاعت دی ، لیکن نو ماہ کے محاصرے کے بعد عیسائیوں نے ایک ارمنی محافظ کو اپنے ساتھ ملا کر شہر فتح کر لیا اور شہر میں داخل ہو کر ہزارہا باشندوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا ، انطاکیہ بوہنمید کی تحویل میں دے دیا گیا - یہ دوسری ریاست تھی جو صلیبیوں نے مشرق میں قائم کی -

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ

انطاکیہ کی فتح کے بعد صلیبی سپاہیوں نے بیت المقدس کا رخ کیا ، اور ڈیڑھ ماہ کے محاصرے کے بعد ۴۹۲ھ (۱۰۹۹ء) میں اسے بزور شمشیر فتح کر لیا اور شہر میں داخل ہو کر انھوں نے تین دن تک باشندوں کا قتل عام کیا - عورتوں ، بچوں اور بوڑھوں کو بلا تمیز موت کے گھاٹ اتارا ، جس سے ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں - یہودیوں کی عبادت گاہیں بھی جل کر خاک سیاہ ہو گئیں - غرض اس قتل عام میں ستر ہزار سے زیادہ باشندے مارے گئے - اور جو باشندے بچے وہ غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے -

پہلی صلیبی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیت المقدس، انطاکیہ اور اڈیسہ میں عیسائیوں کی حکومتیں قائم ہو گئیں، بیت المقدس کی عیسائی سلطنت نوے سال تک قائم رہی۔ فلسطین میں فرنگیوں کے سیاسی اور تمدنی اثر و رسوخ کی ابتدا اسی زمانے سے ہوتی ہے۔

عماد الدین زنگی

ان مسلمان حکمرانوں میں سے جنھوں نے عیسائیوں کے خلاف اپنی جد و جہد قائم رکھی، اور حامی دین اسلام کی حیثیت سے نام پیدا کیا، عماد الدین زنگی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ عماد الدین زنگی موصل کا حاکم تھا، اس نے اپنی حکومت کو مستحکم کر کے ایک مستقل خاندان کی بنیاد رکھی جس کے حکمران تاریخ میں "اتابیگان موصل" کہلاتے ہیں۔ جس وقت عماد الدین زنگی نے موصل کی حکومت سنبھالی، عیسائیوں کی چیرہ دستیاں حد سے گزر چکی تھیں اور شام اور فلسطین کے مسلمان عیسائیوں کے حکام کے رحم و کرم پر تھے۔ عماد الدین نے اپنی فوج کو تیار کر کے عیسائیوں کے خلاف اپنی کارروائی جاری رکھی۔

عماد الدین زنگی ایک نیک سیرت بادشاہ تھا جو اپنی رعایا کی بہتری کا خیال رکھتا تھا اور ان کے ساتھ ایک شفیق باپ کی طرح سلوک کرتا تھا۔ اس نے ویران شہروں کو دوبارہ آباد کیا، ڈاکوؤں کی بیخ کنی کر کے ملک میں امن و امان قائم کیا اور تجارت کے راستے کھول دیے۔ اس کے عہد میں زراعت نے بھی فروغ پایا۔

نورالدین زنگی

عماد الدین زنگی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین غازی، موصل کا بادشاہ بنا اور حلب کی حکومت اس کے دوسرے بیٹے

نور الدین محمود کے حصہ میں آئی ۔ نور الدین نے بھی اپنے نامور باپ کی طرح اپنی ساری عمر عیسائیوں کے خلاف جہاد کرنے میں گزار دی ۔ اس نے انطاکیہ کے پاس عیسائیوں کو شکست دے کر بہت سے قلعے ان سے چھین لیے ۔ چونکہ اس بات کا خطرہ تھا کہ دمشق کا اہم شہر عیسائیوں کے قبضہ میں نہ چلا جائے ، اس لیے نور الدین نے وہاں کے امیر کو بے دخل کر کے دمشق کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا ۔ اس پر خلیفہ بغداد نے "الملک عادل" کا لقب دیا ۔

نور الدین محمود زنگی ایک پرہیزگار اور عادل حکمران تھا ۔ جس کی نیک سیرتی اور عدل و انصاف کی یاد ایک مدت تک لوگوں کے دلوں میں باقی رہی ۔ وہ نہ صرف ایک بہادر سپہ سالار اور نیک دل حاکم تھا بلکہ علما و فضلا کا سر پرست بھی تھا ۔ اس نے اپنی سلطنت میں بہت سے مدارس اور شفا خانے جاری کیے اور رعایا کی داد رسی کے لیے ایک "دارالعدل" قائم کیا ۔

دوسری صلیبی جنگ

جب اہلِ یورپ کو خبر ملی کہ مسلمانوں نے انطاکیہ پر قبضہ کر کے وہاں کی عیسائی حکومت کا خاتمہ کر دیا ہے ، تو ان کے مذہبی پیشواؤں نے ان کو دوبارہ لشکر کشی پر اکسایا ، چنانچہ ۱۱۴۷ء میں جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک اور فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم نے حمایت دین کا بیڑا اٹھایا اور وہ دونوں اپنے اپنے لشکر لے کر مشرق کی طرف چل دیے ان کی فوجوں کی مجموعی تعداد نو لاکھ کے قریب تھی ۔ جرمن شہنشاہ کی بہت سی فوج راستہ ہی میں ہلاک ہو گئی ، اسی طرح جب شاہ لوئی انطاکیہ میں وارد ہوا تو اس کی تین چوتھائی فوج تباہ ہو چکی تھی ۔ عیسائی لشکر انطاکیہ میں چند ماہ آرام کرنے کے بعد دمشق کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ

کر لیا - اس وقت دمشق میں امیر محیر الدین کی حکومت تھی - اس نے سیف الدین غازی ، حاکم موصل سے مدد مانگی - جب سیف الدین اپنے بھائی نور الدین زنگی کے ہمراہ اہل دمشق کی مدد کو پہنچا ، تو عیسائیوں نے شہر کا محاصرہ اٹھا لیا اور سمندر کے راستہ سے اپنے وطن کی طرف واپس روانہ ہو گئے -

سلطان صلاح الدین کا عروج

چھٹی صدی ہجری کے وسط میں ، مصر کے فاطمی خاندان کا انحطاط حد سے گزر چکا تھا - حکومت کے تمام اختیارات وزیروں کے ہاتھ جا چکے تھے اور ان کے درمیان اکثر کشمکش رہتی تھی - ایک وزیر کا نام شاور تھا - اس نے نور الدین محمود سے مدد کی درخواست کی- نورالدین نے ایک لشکر اپنے سپہ سالار اسدالدین شیر کوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف کی سرکردگی میں مصر روانہ کر دیا - ۵۶۴ھ میں اسد الدین شیر کوہ نے وفات پائی اور اس کا بھتیجا صلاح الدین یوسف ، عاضد باللہ فاطمی کا وزیر مقرر ہوا - صلاح الدین رفتہ رفتہ سلطنت کے تمام کاروبار پر حاوی ہو گیا اور اپنے حسن اخلاق اور حسن انتظام کی وجہ سے تمام ملک میں ہردلعزیز ہو گیا - اس نے محرم ۵۶۷ھ میں خطبہ میں فاطمی خلیفہ کی بجائے خلیفہ بغداد کا نام داخل کر دیا - اس اثنا میں عاضدباللہ نے وفات پائی اور فاطمی خاندان کا خاتمہ ہو گیا -

عاضد باللہ کی وفات کے بعد صلاح الدین یوسف مصر کا حاکم بن گیا اور اس نے عملی طور پر ایک خود مختار فرمانروا کی حیثیت اختیار کر لی - حرمین شریفین ایک مدت سے سلطنت مصر کے ساتھ ملحق تھے - صلاح الدین نے اپنے بھائی توران شاہ کو حجاز بھیج کر دونوں مقدس شہروں یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا ، اس طرح سے صلاح الدین کی حکومت دور دور تک وسیع ہو گئی -

بیت المقدس کی فتح

بیت المقدس کی عیسائی ریاست اور سلطان صلاح الدین کے درمیان ایک مدت سے صلح کا معاہدہ چلا آ رہا تھا، لیکن ایک عیسائی سردار نے ایک مسلمان قافلہ پر حملہ کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ سلطان نے بیت المقدس کے عیسائی فرمانروا سے ہرجانہ طلب کیا۔ اس کے انکار کرنے پر سلطان نے اس پر چڑھائی کر دی اور حطین کے میدان میں ۵۸۳ھ میں عیسائی لشکر کو شکست فاش دی، اس جنگ میں دس ہزار عیسائی کھیت رہے اور ان کے اکثر سردار مارے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے۔ فتح حطین کے بعد سلطان نے بیت المقدس کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں عیسائی آبادی کے علاوہ ساٹھ ہزار مسلح سپاہ بھی موجود تھی، سلطان نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور عیسائیوں نے حوصلہ ہار کر امان طلب کی۔ سلطان نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ شامی اور رومی عیسائیوں کو وہاں بدستور رہنے کی اجازت دی۔ باقی ہتھیار بند فرنگیوں کو حکم دیا کہ اپنے بیوی بچوں اور مال و اسباب سمیت چالیس دن کے اندر شہر سے نکل جائیں۔

ہر بالغ مرد کے لیے دس دینار زر فدیہ مقرر ہوا، لیکن ہزاروں لوگوں کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا۔ جو لوگ نادار تھے، ان کو صدقہ خیرات سے امداد دی، بلکہ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کو سواری کے جانور بہم پہنچائے۔ جب سب فرنگی اور عیسائی سپاہی شہر سے نکل گئے، تو سلطان جمعہ کے روز ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو اپنے امیروں اور رئیسوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور بیت المقدس نوے برس کے بعد دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، سلطان نے شہر کا بندوبست درست کیا اور جو مسجدیں اور مدارس گزشتہ لڑائیوں میں منہدم ہو چکے تھے، ان کی از سر نو تعمیر کا حکم دیا۔

جب عیسائیوں نے نوے سال پیشتر بیت المقدس فتح کیا تھا ، تو انھوں نے شہر میں داخل ہو کر باشندوں کا قتل عام کیا اور بازاروں میں خون کی ندیاں بہا دی تھیں - لیکن سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس لینے کے بعد وہاں کے عیسائی باشندوں کے ساتھ جو مہربانی کا سلوک کیا ، اس سے اس کی نیک سیرت اور عالی ہمتی کا ثبوت ملتا ہے -

تیسری صلیبی جنگ

جب یورپ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں نے بیت المقدس دوبارہ لے لیا ہے ، تو پاپائے روم نے یورپ کے بادشاہوں اور امیروں کو بیت المقدس کی حفاظت کے لیے دوبارہ ہتھیار اٹھانے پر ابھارا ، چنانچہ شہنشاہ جرمنی ، فلپ شاہ فرانس اور رچرڈ شاہ انگلستان نے جنگ میں شرکت کرنے پر آمادگی ظاہر کی - شاہ فرانس کی فوجیں شام کے ساحل پر اتریں اور وہاں سے چل کر انھوں نے عکہ کے شہر کا محاصرہ کر لیا - سلطان صلاح الدین شہر والوں کی امداد کو آیا اور فریقین میں کئی خونریز معرکے ہوئے - لیکن اس کے باوجود سلطان ، عیسائی لشکر کو اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکا اور نہ ہی عیسائی شہر کو فتح کر سکے - اسی اثنا میں خبر آئی کہ جرمن شہنشاہ فریڈرک اپنی سپاہ کے ساتھ چلا آ رہا ہے ، لیکن وہ ایشیائے کوچک طے کرنے کے بعد ایک دریا میں ڈوب گیا اور اس حادثہ کے بعد اس لشکر کے بہت سے سپاہی واپس چلے گئے - اس کے بعد انگلستان کا بادشاہ رچرڈ تازہ دم فوج کے ساتھ فلسطین میں وارد ہوا - اس کی آمد سے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے - عکہ کے محصور لوگوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ ان کو جان کی امان دی جائے گی ، لیکن جب زر فدیہ کی ادائیگی میں قدرے تاخیر ہوئی تو رچرڈ نے غضبناک ہو کر ہزاروں مسلمان اسیروں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالا - اس کے بعد رچرڈ ساحل کے ساتھ ساتھ شہر عسقلان

کی طرف بڑھا ، لیکن سلطان نے رچرڈ کو بیت المقدس کی طرف ایک قدم نہ بڑھنے دیا - آخر کار فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ عیسائی زائرین بلا مزاحمت بیت المقدس کی زیارت کر سکیں گے - رچرڈ بیت المقدس فتح نہ کر سکا - اس لیے تیسری صلیبی جنگ اپنے مقصد میں ناکام رہی - صرف چند ایک ساحلی مقامات پر عیسائیوں کا تسلط باقی رہا -

سلطان صلاح الدین کی سیرت

شاہ رچرڈ کے فلسطین سے رخصت ہونے کے بعد صلاح الدین نے بیت المقدس میں کچھ عرصہ آرام کیا اور شہر کا انتظام درست کر کے وہاں ایک مدرسہ اور شفا خانہ قائم کیا - اس کے بعد ساحلی استحکامات کا معائنہ کرتے ہوئے دمشق پہنچا اور اپنے خاندان سمیت وہاں اقامت پذیر ہوا - لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ پیغام اجل آ پہنچا اور یہ کریم النفس سلطان ۵۸۹ھ میں راہی ملک بقا ہوا -

سلطان صلاح الدین ایک نیک سیرت فیاض اور مدبر بادشاہ تھا جس نے اپنی تمام عمر مسلمانوں کی منتشر قوتوں کو جمع کرنے اور مسلمہ مملکت کی حفاظت کرنے میں گزار دی اور مسلسل جنگ و جدال سے جو ملک اور قوم کو نقصان پہنچا تھا ، اس کی تلافی کی حتی الامکان کوشش کی اور برباد شدہ مساجد اور مدارس کو دوبارہ تعمیر کیا اور جا بجا شفا خانے جاری کیے - وہ علما اور فضلا کا بڑا قدر دان تھا اور بہت سے فاضل لوگ اس کے دربار میں مختلف خدمات پر متعین تھے ، جن سے وہ امور سلطنت میں مشورہ لیتا تھا - رحم دلی اور خدا ترسی اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ سب کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آتا تھا یہاں تک کہ دشمن بھی اس کے ایفائے عہدی ، عالی ظرفی اور حسن سلوک کے قائل تھے - اس نے نہ صرف دور دور تک اپنی شجاعت اور بہادری کی دھاک بٹھا دی

تھی ، بلکہ مروت اور شرافت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرکے اپنے دشمنوں سے بھی خراج تحسین وصول کیا تھا ۔

صلاح الدین کی وفات کے بعد اس کی اولاد نے مصر ، شام اور الجزیرہ میں الگ الگ حکومتیں قائم کرلیں ۔ یہ حکمران صلاح الدین کے والد نجم الدین ایوب کے نام پر ایوبی کہلائے ۔ جب ایوبی خاندان کی مختلف شاخیں آپس میں دست و گریبان تھیں ، تو عیسائی صلیبیوں نے شام اور فلسطین کے بعض شہر دوبارہ لے لیے ۔

صلیبی جنگوں کے اثرات اور نتائج

صلیبی جنگوں کا سلسلہ دو سو سال تک جاری رہا اور ان سے یورپ اور ایشیا دونوں براعظموں میں نہایت گہرے اور دور رس نتائج برآمد ہوئے ۔ فریقین کا بے اندازا جانی اور مالی نقصان ہوا ۔ خصوصاً شام اور فلسطین میں مسلسل جنگ و جدال سے بہت تباہی پھیلی اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان نفرت اور عداوت کا جذبہ زوروں پر رہا ، جس کے اثرات اب تک باقی ہیں ۔ یورپ کے جو عیسائی شام اور فلسطین میں آکر آباد ہوگئے تھے ، انھوں نے مسلمانوں کے میل ملاپ سے مشرقی تمدن کے بہت سے عناصر اور لوازمات کو قبول کر لیا اور ان کے علاوہ وہ مشرقی رسوم و آداب ، علوم و فنون اور صنائع و حرفت سے بھی کم و بیش آشنا ہوئے ، ان کے علوم کا اثر رفتہ رفتہ یورپ تک جا پہنچا اور یہ اثرات وہاں کی تمدنی ترقی میں ممد و مددگار ثابت ہوئے ۔

عباسی عہد کا پانچواں دور

سلاجقہ کے زوال سے لے کر سقوط بغداد تک

۵۹۰ھ تا ۶۵۶ھ

عباسی عہد کا پانچواں اور آخری دور ۶۶ سال کا ہے جو سلجوقی سلاطین کے زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس دوران میں عباسی خلفا نے اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کیا، لیکن یہ اقتدار دیر پا ثابت نہ ہوا، کیونکہ ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں مسلم ممالک پر تاتاریوں کے حملے شروع ہوگئے اور ان لوگوں نے بہت سے مسلم شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور آخرکار ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں دارالخلافہ بغداد کو تباہ و برباد کرکے عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

جس زمانے میں سلاجقہ کی حکومت زوال پذیر تھی، بغداد کی مسند خلافت پر خلیفہ المقتفی متمکن تھا۔ جب سلاجقہ کا دستِ قدرت کمزور ہوگیا، تو خلیفہ نے سلجوقی حکام کو بغداد سے نکل دیا اور اُن کی جائدادیں ضبط کرلیں۔ اس نے ایک فوج تیار کرکے عراق کا بہت سا علاقہ اپنے قبضے میں لے لیا اور اس کے بندوبست پر پوری توجہ دی۔ مقتفی نے اپنے تدبر اور کوشش سے خلافت کا کھویا ہوا وقار دوبارہ قائم کیا اور پچیس سال کی حکومت کے بعد ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔

اگرچہ عباسی خلفا نے بغداد اور عراق میں اپنا اقتدار بہت حد تک دوبارہ قائم کر لیا تھا، لیکن اسی زمانے میں اسلام کے مشرقی

ملکوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ۔ تاتاریوں نے منگولیا کے میدانوں سے نکل کر مشرق و مغرب کے بہت سے ملکوں کو تہ و بالا کر ڈالا اور مسلم ممالک پر حملہ کر کے ترکستان اور خراسان کے بہت سے شہروں کو تاخت و تاراج کر دیا ۔

تاتاریوں کا خروج

ترکستان کے شمال میں منگولیا کا لق و دق صحرا پھیلا ہوا ہے جس کو تاتار بھی کہتے ہیں ۔ یہ صحرا قدیم زمانے سے نیم وحشی قوموں کا مسکن رہا ۔ اگرچہ یہ تاتاری لوگ مختلف قبیلوں میں منقسم ہیں ، لیکن قومیت اور زبان اور شکل و شباہت میں یکساں ہیں ۔ بارہویں صدی عسوی کے وسط میں ان کے ہاں ایک دلیر اور باہمت سردار پیدا ہوا ۔ اس کا اصلی نام تموچن تھا ، لیکن تاریخ میں وہ چنگیز خاں کے لقب سے مشہور ہوا ۔ اس نے متفرق تاتاری قبیلوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا اور اپنے دائرہ اقتدار کو وسیع کرنا شروع کیا ۔ تاتاری لوگ گھوڑے پالتے تھے اور انھیں کے دودھ اور گوشت پر گزارا کرتے تھے ، چمڑے کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے ۔ وہ میدان جنگ میں تیر و کمان کے ساتھ لڑتے تھے اور بڑے اچھے شہسوار تھے ۔ ان کی فوجوں کی یلغار اور برق رفتاری کا راز اسی شہسواری میں مضمر تھا ۔

چنگیز خاں

جب تاتاریوں نے چنگیز خاں کو اپنا خاقان اعظم تسلیم کیا ، تو اس نے اپنی سلطنت کو ہر طرف سے وسیع کرنا شروع کیا ۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے چین کی قدیم سلطنت کی طرف رخ کیا اور پیکنگ کے صدر مقام کو فتح کر کے تمام شمالی چین پر قبضہ کر لیا ۔ پیکنگ کی فتح سے شمالی چین میں جس تاتاری خاندان کی حکومت قائم ہوئی ، وہ دو سو سال تک وہاں حکمران رہا ۔ اس کے بعد

چنگیز خاں نے مسلم ممالک کا رخ کیا ۔ چنگیز خاں کے عروج کے زمانے میں ایشیا میں سلجوقیوں کی حکومت مٹ چکی تھی ، چنگیز خاں کا مقابلہ خوارزم شاہیوں کی مملکت سے ہوا ، ان ہر دو سلطنتوں کے درمیان تجارتی تعلقات قائم تھے اور سوداگروں کے قافلے ایک ملک سے دوسرے ملک میں آمد و رفت رکھتے تھے - ۱۲۱۸ء میں تاجروں کا ایک قافلہ تاتار سے ترکستان آیا ۔ ان میں سے اکثر مسلمان تھے ۔ جب وہ اترار کے سرحدی شہر میں آترے تو وہاں کے حاکم نے ان کو جاسوسی کے شبہ میں قتل کر ڈالا اور ان کا مال ضبط کرکے سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے پاس بھیج دیا ۔ چنگیز خاں نے سلطان کے پاس اپنا سفیر بھیجا اور نقصان کی تلافی چاہی ۔ سلطان نے انتہائی کوتاہ اندیشی سے کام لیا اور سفیر کو قتل کر ڈالا ۔ یہ بات بین الاقوامی دستور کے سراسر خلاف تھی ۔ اس پر چنگیز خاں نے غضبناک ہو کر ترکستان پر چڑھائی کر دی ۔

جب سلطان علاؤالدین نے دیکھا کہ چنگیز خاں کے ساتھ جنگ ناگزیر ہے تو اس نے چنگیز خاں کی مملکت پر حملہ کرنے میں پہل کی مگر شکست کھائی ۔ چنگیز خاں ، سلطان کی فوجوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا اور شہر بخارا کا محاصرہ کرلیا ۔ اہل بخارا میں مقابلہ کی تاب نہ تھی ، اس لیے شہر حملہ آوروں کے حوالے کر دیا گیا ۔ چنگیز خاں نے شہر پر قبضہ کرکے قتل عام کا حکم دے دیا کہ باشندوں کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور شہر کو آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیا جائے ۔ بخارا کو ویران کرنے کے بعد چنگیز خاں نے سمرقند کا رخ کیا جو خوارزم شاہی سلطنت کا دارالحکومت اور ایک بارونق تجارتی شہر تھا ۔ شہر کی حفاظت کے لیے ایک لاکھ فوج موجود تھی ، اس نے تاتاریوں کا مقابلہ کیا لیکن ان کے آگے ان کی کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوسکی ۔ عمائد شہر نے باہر نکل کر اطاعت قبول کی اور شہر چنگیز خاں کے حوالے کر دیا ، لیکن اس کے باوجود تاتاریوں نے شہر کو

لوٹ لیا اور ہزار ہا لوگوں کو قتل کر ڈالا - جو بچے رہے ان کو غلام بنا کر ساتھ لے گئے۔ اہل بلخ نے اظہار اطاعت کے ساتھ چنگیز خاں کے پاس تحائف بھیجے لیکن تاتاریوں نے ان کو بھی بلا تمیز قتل کیا اور شہر کو تباہ کر دیا - پھر انھوں نے خراسان کا رخ کیا اور وہاں ہرات اور نیشا پور وغیرہ شہروں کو برباد کر دیا - اسی طرح شمالی ایران میں ان کے ہاتھوں رے ، دینور اور ہمدان کے شہر ویران ہوگئے اور ان کی ویرانی کے ساتھ ساتھ وہاں کے ہزاروں باشندے بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے -

چنگیز خاں نے علاؤالدین خوارزم شاہ کے خاندان کے لوگوں کو گرفتار کرکے ان کے تمام مردوں کو قتل کر ڈالا - سلطان کے صرف تین لڑکے بھاگ کر اپنی جان بچا سکے - چنگیز خاں نے ایک فوج علاؤالدین کے تعاقب میں بھیجی ، وہ شہر شہر بھٹکتا ہوا آخر کار بحیرہ خزر کے ایک جزیرے میں انتقال کر گیا اور اس کا بیٹا جلال الدین اس کا جانشین ہوا ، اس نے ایک تازہ دم لشکر تیار کرکے نہایت بہادری سے تاتاریوں کے ساتھ جنگ کی لیکن ان کے مقابلہ میں کہیں ٹھہر نہ سکا ، چنگیز خاں نے بذات خود اس کا خوارزم سے ہرات ، ہرات سے غزنی اور غزنی سے ہندوستان کی سرحد تک پیچھا کیا ، لیکن جلال الدین دریائے سندھ کو پار کرکے بچ نکلا اور ہندوستان سے نکل کر وہ چند سال ایران میں لڑتا رہا لیکن کہیں بھی اس کے قدم نہ جم سکے۔

تاتاریوں کی غارت گری سے ترکستان اور خراسان ویران ہوگئے اور تہذیب و تمدن کی وہ عمارت جو صدیوں کی مسلسل کوشش سے تیار ہوئی تھی ، چند سالوں میں برباد ہو گئی - صنعت و حرفت اور علوم و فنون منہدم ہوگئے اور ملک پر جہالت کی تاریکی چھا گئی وہ علاقے جو اپنی شادابی اور زرخیزی میں مشہور تھے ویران ہوگئے شہر اور گاؤں اجڑ گئے اور وہاں کے باشندے یا تو مارے گئے یا تاتاری ان کو غلام بنا کر ساتھ لے گئے - اگرچہ ایران اور دوسرے

مغربی ملک آہستہ آہستہ از سر نو آباد ہو گئے لیکن بخارا اور سمرقند ایسے اجڑے کہ ان کو پہلا سا فروغ کبھی حاصل نہ ہوسکا۔

چنگیز خاں کے انتقال کے بعد اس کی وسیع سلطنت اس کے چار بیٹوں میں تقسیم ہو گئی، خراسان اور ایران کے ملک اس کے تیسرے بیٹے تولا خاں کے حصے میں آئے۔ اس نے اپنی حکومت کو مستحکم کیا اور جلال الدین خوارزم شاہ کو کچلنے کے لیے جو اس وقت آذر بائجان میں تھا، ایک لشکر روانہ کیا، جلال الدین نے کردستان کے پہاڑوں میں پناہ لی جہاں وہ کسی گمنام شخص کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کی وفات سے خوارزم شاہی خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور ایران کے تمام صوبے عراق کی سرحد تک تاتاریوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ اس سے دارالخلافہ بغداد کی سلامتی خطرہ میں پڑ گئی۔

اس زمانے میں بغداد میں فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا۔ حنبلی مذہب کے لوگ بڑے متشدد تھے اور اس سے پیشتر بھی بغداد کے امن میں خلل ڈال چکے تھے اور اکثر حنفیوں کے ساتھ الجھتے رہتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ افسوس ناک اور ضرر رساں شیعہ اور سنیوں کی باہمی عداوت تھی، جس کی آگ بنی بویہ کے وقت سے وقتاً فوقتاً بھڑکتی رہتی تھی۔ اس قسم کا فساد آخری خلیفہ مستعصم باللہ کے عہد میں بھی ہوا اور جنگ و جدال تک نوبت پہنچی، خلیفہ کے بیٹے ابوبکر اور ایک امیر رکن الدین دوا دار نے فوج کو شیعوں پر حملہ کرنے کے لیے اُبھارا، جو کرخ کے محلہ میں رہتے تھے۔ سنیوں نے حملہ کرکے کرخ کو لوٹ لیا۔ عمارات کو گرا دیا، باشندوں کو مارا پیٹا اور بے عزت کیا۔ خلیفہ کا وزیر ابن العلقمی شیعہ تھا، اسے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی تباہی پر بڑا رنج ہوا، چنانچہ اس نے انتقام لینے کے لیے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔

بغداد کی تباہی

۶۵۶ھ میں تولے خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا منگو خاں ایران کے تخت پر بیٹھا ، منگو خاں نے اپنے چھوٹے بھائی ہلاکو خاں کو باقی ماندہ مسلم ممالک کی تسخیر پر مامور کیا۔ جب ہلاکو خاں کو اہلِ بغداد کی باہمی نزاع کا حال معلوم ہوا اور بغداد کے منافق امرا نے اسے دارالخلافہ پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا تو اس نے ۶۵۶ھ کی ابتدا میں عراق پر فوج کشی کر کے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ تاتاریوں نے شہر کے ارد گرد بلند مقامات پر منجنیقیں نصب کر دیں اور شہر پر پتھر اور آتشیں گولے پھینکنے شروع کر دیے ، جس سے شہر پناہ ٹوٹ گئی اور شہر میں کئی جگہ آگ لگ گئی ، ہلاکو نے خلیفہ کے کئی ایک درباریوں کو اپنے لشکر گاہ میں دھوکے سے بلا کر قتل کر دیا ، جب خلیفہ نے دیکھا کہ اس میں مقابلے کی طاقت نہیں ، تو اس نے ابن علقمی کے مشورہ سے اپنے آپ کو ، اپنے خاندان اور اہلِ دربار سمیت ہلاکو خاں کے حوالے کر دیا اور اس کے حکم سے اپنی فوج کو غیر مسلح کر دیا ، جب دارالخلافہ محافظ فوج سے خالی ہو گیا ، تو ہلاکو نے اپنے لشکر کو اہلِ بغداد کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ تاتاریوں نے شہر میں داخل ہو کر باشندوں کو بے دریغ تہ تیغ اور شہر کو برباد کرنا شروع کر دیا ، جس سے گلی کوچہ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ محلات ، مساجد ، مدارس اور مقابر نذر آتش ہو گئے۔ وحشی تاتاریوں نے کتب خانوں کو جلا دیا اور دجلہ میں پھینک دیا۔ غرض پانچ صدیوں کی تمدنی اور علمی ترقی کے آثار و ذخائر چند دنوں میں برباد ہو گئے اور وہ دارالخلافہ جو علوم و فنون کا گہوارہ ، تہذیب و تمدن کا مرکز ، دنیائے اسلام کا چشم و چراغ اور بیس لاکھ آدمیوں کا مسکن تھا ، کھنڈروں کا ڈھیر ہو کر رہ گیا ، تین دن کے قتل عام کے بعد ہلاکو خاں نے خلیفہ مستعصم کو

بھی اس کے خاندان سمیت قتل کر دیا اور اس پر بغداد کے عباسی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

دولت عباسیہ کا نظام حکومت

منصب خلافت

بنی امیہ کی طرح بنی عباس کی حکومت بھی شخصی اور موروثی تھی، جو ایک خاص خاندان کے افراد تک محدود تھی۔ بنی عباس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی اولاد ہیں، لہٰذا اہلِ بیت میں سے ہیں۔ اور اسلامی خلافت کے حقدار۔ تاریخی واقعات سے ظاہر ہے کہ انھوں نے دنیائے اسلام کی حکومت اپنے تدبر اور اپنے زور بازو سے حاصل کی تھی۔

لیکن جب وہ منصب خلافت پر ایک بار قابض ہو گئے تو انھوں نے اپنے استحقاق کو طرح طرح سے ثابت کرنا چاہا اور اپنے دعویٰ کو بار بار دہرایا، یہاں تک کہ وہ عوام کے دلوں پر ایک حد تک نقش ہو گیا اور اکثر لوگ ان کی خلافت کے قائل ہو گئے۔ عباسی خلفا نہ صرف سیاسی لحاظ سے دنیائے اسلام کے حاکم تھے بلکہ ان کو ایک قسم کی روحانی سیادت بھی حاصل ہو گئی اور منصب خلافت کو ایک قسم کا تقدس حاصل ہو گیا۔ تقدس اور احترام کا یہ لبادہ خلفا کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ جب دیلمی اور سلجوقی حکمرانوں نے ان کے سیاسی اقتدار کو سلب کر لیا، تب بھی ان کا حق خلافت بدستور قائم رہا اور لوگ ان کو عالم اسلام کا حقیقی اور جائز خلیفہ حاکم تسلیم کرتے رہے۔ اسی لیے جب کبھی کوئی باہمت شخص کسی ملک پر قبضہ کر لیتا تو وہ عباسی خلیفہ سے حکومت کی سند حاصل کرنا ضروری سمجھتا

تھا تاکہ لوگ اسے خلیفہ کا جائز نائب تسلیم کر کے اس کی نافرمانی نہ کریں۔

بنی امیہ کی طرح عباسی خلفا بھی اکثر اوقات اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کر دیتے تھے اور ارکان دولت ، ولی عہد کی اطاعت کا حلف اٹھاتے تھے۔ جب ولی عہد تختِ سلطنت پر بیٹھ جاتا تو تمام امرا اور عوام دوبارہ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔

وزارت

دولت عباسیہ سے پہلے وزارت کا عہدہ نہ تھا ، سب سے پہلے سفاح نے وزیر کا منصب قائم کیا۔ اس کے عہد میں جو شخص سب سے پہلے وزیر کے نام سے مشہور ہوا ، ابو سلمہ خلال تھا۔ ابتدا میں وہ عباسیوں کا داعی یعنی مبلغ تھا جو ''وزیر آل محمد'' کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد ابوالجہم کو وزارت ملی اور اس کے بعد خالد بن برمک وزیر مقرر ہوا۔ یہاں تک کہ وزارت کا عہدہ عباسی دور میں ایک مستقل منصب بن گیا۔ وزیر کی حیثیت مدارالمہام یا نائب السلطنت کی ہوتی تھی اور وہ ارکان دولت میں سب سے زیادہ با اختیار ہوا کرتا تھا۔ اس عہدے کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ جس طرح مورخین نے خلفا کی تاریخیں لکھیں ہیں۔ اسی طرح ان کے وزرا کے حالات بھی خاص طور سے کتابوں میں بند کیے گئے ہیں۔

کچھ مدت کے لیے دولت عباسیہ کا وزیر اعظم امیرالامرا کے لقب سے موسوم رہا ہے ، جب عباسی خاندان کے بیسویں خلیفہ راضی باللہ کا زمانہ آیا تو مرکزی حکومت کمزور ہو چکی تھی اور صوبیداروں نے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ خلیفہ نے مجبور ہو کر محمد بن رائق کو جو بصرہ اور واسط کا حاکم تھا مدارالمہام بنایا اوراس کے تمام اختیارات اس کے سپرد کر دیے۔ محمد بن رائق

نے امیرالامرا کا لقب اختیار کیا، جو خلیفہ کے بعد حکومت کا سب سے اعلیٰ منصب قرار پایا۔ جب بویہی حکمرانوں نے بغداد پر قبضہ کیا، تو انھوں نے دیگر اختیارات کے ساتھ یہ عہدہ بھی خود سنبھال لیا اور خلیفہ کی حیثیت محض رسمی رہ گئی۔

وزیر کے علاوہ حاجب بھی دربار خلافت میں ایک اہم عہدہ دار ہوا کرتا تھا۔ اس کے لفظی معنی دربان کے ہیں، جو لوگ خلیفہ کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے وہ حاجب ہی کے ذریعے سے باریاب ہو سکتے تھے۔ حاجب کا منصب بڑا معزز سمجھا جاتا تھا اور صرف خاص اعتماد والے اشخاص اس عہدہ پر مقرر ہوتے تھے۔ بعض اوقات ملکی معاملات میں خلیفہ حاجب سے بھی مشورہ لیتا تھا۔ اس لیے حاجب کو ایک مشیر کی بھی حیثیت حاصل تھی۔

مرکزی حکومت کے شعبہ جات

مرکزی حکومت کا کاروبار مختلف محکموں میں منقسم تھا جن کو دیوان کہتے تھے۔ ہر ایک دیوان ایک افسر کی نگرانی میں ہوا کرتا تھا اور یہ سب دیوان وزیر کے ماتحت ہوتے تھے۔ ان محکموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دیوان الخراج جس میں سلطنت کی آمدن اور خرچ کا حساب رہتا تھا۔

(۲) دیوان الرسائل میں شاہی فرمان اور احکامات لکھے جاتے تھے اور دوسرے بادشاہوں کے مراسلات کے جوابات تحریر کیے جاتے تھے۔ اس محکمہ میں ایسے لوگ رکھے جاتے تھے جو عمدہ عبارت نویسی پر قدرت خاص رکھتے تھے۔

(۳) دیوان التوقیع میں ان مراسلات اور درخواستوں کے جوابات لکھے جاتے تھے جو خلیفہ کے نام موصول ہوتی تھیں۔ نیز یہاں سرکاری فرمانوں کی نقلیں بھی محفوظ رہتی تھیں۔

۴) دیوان البرید ، ہر ایک صوبہ میں ایک پوسٹ ماسٹر ہوتا تھا ، جس کو صاحب البرید کہتے تھے ، وہ سرکاری ڈاک کی روانگی اور رسید کا انتظام کرتا تھا ۔ ڈاک کی ترسیل کے لیے تیز رفتار گھوڑے رکھے جاتے تھے ۔ اس کے علاوہ صاحب البرید ، خلیفہ کو مقامی حالات سے بھی آگاہ رکھتا تھا گویا وہ خفیہ پولیس کے فرائض بھی انجام دیتا تھا ۔

(۵) دیوان الشرطہ ، یہ دیوان ہمارے محکمہ پولیس کے مترادف تھا اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرتا تھا ۔ اس محکمہ کا افسر صاحب الشرطہ کہلاتا تھا ۔

(۶) دیوان الجند ، محکمہ فوج کا نام تھا ۔

(۷) دیوان العاطا فوج کی تنخواہیں ادا کرتا تھا ۔

محکمہ قضا

عدالت گستری کو اسلام میں ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے ۔ مسلمانوں کے لڑائی جھگڑے قاضی کے سامنے پیش ہوتے تھے ، جو اسلامی شریعت سے مطابق فیصلہ کرتا تھا ۔ ہر ایک بڑے شہر میں ایک قاضی مقرر تھا اور سلطنت کے سب سے بڑے قاضی کو قاضی القضاۃ کہتے تھے ۔ غیر مسلموں کے دیوانی مقدمات کی سماعت ان کے اپنے مذہبی پیشوا کرتے تھے اور وہ اپنے قانون اور رسم و رواج کے مطابق فیصلے دیتے تھے ۔

فوجی نظام

بنی امیہ کے عہد میں اسلامی لشکر بیشتر عربوں پر مشتمل تھا اور ان میں اہل شام پیش پیش تھے ، جن پر اموی خلفا کو خاص اعتماد تھا ۔ لیکن عباسی خلفا نے عربوں کے علاوہ خراسانیوں اور ترکوں کو بھی فوج میں کثیر تعداد میں بھرتی کیا جس سے

مسلم فوج میں عربی عنصر کم ہو گیا اور عربوں کی اہمیت کم ہو گئی۔

باقاعدہ فوج لوگ چھاؤنیوں میں رہتے تھے، شروع میں افسروں کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن بعد میں افسروں اور سپہ سالاروں کو نقد تنخواہ کی بجائے جاگیریں ملنے لگیں۔

باقاعدہ فوج کے علاوہ رضا کار یعنی والنٹیر بھی جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ جب تک وہ جنگ میں شریک رہتے ان کو حکومت کی طرف سے ہتھیار اور خوراک ملتی تھی اور ان کے بیوی بچے بھی سرکار سے روزینہ پاتے تھے۔

اسلامی لشکر عام طور پر پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا تھا:

۱ - مقدمتہ الجیش (Vanguard)

۲ - قلب یعنی (Centre)

۳ - یمنہ (Right wing)

۴ - میسرہ (Left wing)

۵ - ساقہ (Rearguard)

پیادہ فوج، تلواروں، نیزوں اور ڈھالوں سے مسلح ہوتی تھی اور تیر اندازوں کے پاس تیر کمان کے علاوہ ڈھالیں بھی ہوتی تھیں سوار تلواروں اور نیزوں سے لڑتے تھے اور اپنی حفاظت کے لیے سروں پر خود استعمال کرتے تھے اور بدن پر زرہیں پہنتے تھے۔ قلعوں کی دیواروں اور شہروں کی فصیلوں کو توڑنے کے لیے ایک بڑا آلہ کام میں لاتے تھے جس کے ذریعے سے بڑے بڑے بھاری گولے دور تک پھینکتے تھے، اس آلہ کو منجنیق کہتے تھے اور اس کو چلانے والے ماہر کو منجنیقی، ان بھاری بھر کم آلات کو اونٹ کھینچتے تھے۔ عباسیوں کے زمانے میں ابھی توپ خانے کا رواج نہیں ہوا تھا کیونکہ

بارود جو توپ میں اور دیگر آتشیں اسلحہ میں استعمال ہوتا ہے، ابھی تک ایجاد نہیں ہوا تھا۔

عباسیوں کے خارجی تعلقات

مسلم سلطنت کے ساتھ قیصر روم کی مملکت تھی اور ان دونوں مملکتوں کی سرحدیں آپس میں ملتی تھیں ان ہر دو سلطنتوں کے درمیان اکثر میدان کار زار گرم رہتا تھا۔ کبھی ایک فریق غالب رہتا اور کبھی دوسرا، المہدی پہلا عباسی تھا، جس نے قیصر روم پر چڑھائی کی تھی۔ اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے بھی قیصر کے خلاف جہاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ہارون الرشید کا دستور تھا کہ ایک سال بیت اللہ کا حج کرتا تھا اور دوسرے سال رومیوں کے خلاف جہاد کے لیے نکلتا تھا۔ ایشیائے کوچک کا ملک جو قیصر کی سلطنت میں شامل تھا، سراسر پہاڑی علاقہ ہے۔ عرب شہسوار میدانی جنگ کے عادی تھے، اس لیے وہ ایشیائے کوچک کے دشوار گزار علاقوں کو مکمل طور پر فتح کرنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکے اور ان کی فتوحات عارضی ثابت ہوتی تھیں۔ بہر حال دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے چوکس رہنا پڑتا تھا اور دونوں مملکتوں کے درمیان سفیروں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ بعض اوقات ان سفیروں کا استقبال بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔

جس زمانے میں بغداد کی مسند خلافت پر ہارون الرشید جلوہ گر تھا، اسی زمانے میں مغربی یورپ میں شارلمین کا طوطی بول رہا تھا شارلمین بھی اپنے زمانے کا ایک طاقتور بادشاہ تھا۔ مغربی مورخ لکھتے ہیں کہ دونوں بادشاہوں کے درمیان سفیروں کا تبادلہ ہوا تھا۔ شارلمین کا یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلیفہ بغداد کو اپنے حریف رومی قیصر کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا اور ادھر

ہارون الرشید بھی شارلمین کے ذریعہ سے اندلس کے اموی حکمرانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی روک تھام کرنا چاہتا تھا - ایک مغربی مؤرخ کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے سفیر کے ہاتھ شارلمین کو بہت سے نادر تحفے بھی ارسال کیے تھے - ان میں قیمتی پارچہ جات اور عطریات بھی شامل تھے - اس سفارت کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے کہ عرب مؤرخین نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا -

اہل الذمہ

اہل اسلام نے ہمیشہ مذہبی رواداری کے اصول پر عمل کیا ہے اور غیر مسلموں کو پوری پوری مذہبی آزادی دی ہے ، چنانچہ یہودی اور عیسائی، اسلامی حکومت کے سایہ میں امن و امان کی زندگی بسر کرتے تھے - جو غیر مسلم ، مسلمان حکمرانوں میں زیر نگیں رہتے تھے ، وہ اہل الذمہ یا ذمی کہلاتے تھے ، یعنی مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار تھے ، ان کے جان و مال کی حفاظت اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل تھی اس حفاظت کے بدلے میں وہ ایک ہلکا سا ٹیکس ادا کرتے تھے ، جس کو جزیہ کہتے تھے - عورتیں ، بچے ، اپاہج اور ناکارہ لوگ اس کی ادائیگی سے بری تھے - مذہبی آزادی کے علاوہ اہل الذمہ کو اور مراعات بھی حاصل تھیں - مثلاً ان کے دیوانی مقدمات کی سماعت خود ان کے مذہبی پیشوا کرتے اور اپنی شریعت اور رسوم و رواج کے مطابق فیصلے دیتے تھے - ذمیوں کے لیے سرکاری ملازمت کے دروازے کھلے تھے اور ان میں سے بعض لوگ اپنی لیاقت اور قابلیت کے بل پر اعلٰی عہدوں پر پہنچ جاتے تھے -

عباسی عہد کی معاشرت

عباسی خلفا بڑی شان و شوکت سے دربار لگاتے تھے - ان کے دربار دو قسم کے ہوتے تھے - ایک دربارِ عام اور دوسرا دربارِ خاص ،

دربار عام کے موقع پر تین بڑے ایوان درباریوں سے بھر جاتے تھے - یہ ایوان ایک دوسرے میں کھلتے تھے اور ان کے دروازوں پر پردے پڑے رہتے تھے - ایک سو سپاہی زرق برق وریاں پہنے ہوئے خلیفہ کے تخت کو گھیرے رہتے تھے اور شاہی خاندان کے افراد اور ارکان سلطنت خلیفہ کے دائیں بائیں جانب صف باندھے کھڑے رہتے تھے - دربار خاص میں صرف شاہی خاندان کے لوگوں ، بڑے بڑے امیروں اور صاحب اقتدار لوگوں کو بار ملتا تھا - اس موقع پر ولی عہد کی نشست خلیفہ کے پاس ہوتی تھی - خلیفہ درباریوں سے بے تکلفی سے باتیں کرتا تھا - رمضان کے مہینے میں امیروں ، وزیروں کو افطاری کی دعوت دی جاتی تھی اور عیدالفطر کو شہر کے معزز لوگوں کی ضیافت کی جاتی تھی -

عباسی عہد میں لوگ مکانوں کی آرائش میں بڑا اہتمام کرتے تھے اور صوفوں اور کرسیوں کا استعمال عام تھا - لکڑی کے سامان میں سیپیا ، آبنوس کی پچی کاری ہوتی تھی - چاندی کی تشتریوں اور دھاتوں کے ظروف کا رواج بھی تھا -

خلیفہ اور اس کے درباری سیاہ رنگ کی قبا پہنتے تھے اور کمر کے گرد شال یا جڑاؤ پیٹی ہوتی تھی - سر پر ایک نکیلی ٹوپی پہنتے تھے جس کو قلشوۃ کہتے تھے لیکن علما اس کے بجائے عمامہ پہنتے تھے اور قبا کے اوپر عبا یا جبہ ہوا کرتا تھا - اعلیٰ خاندان کی عورتوں کے سر پر ایک قبہ نما جڑاؤ ٹوپی ہوتی تھی - یہ ٹوپی ہارون الرشید کی ملکہ علیہ کی ایجاد تھی - متوسط طبقہ کی عورتیں بھی زیور سے آراستہ ہوتی تھیں اور وہ ہاتھوں میں کنگن اور پاؤں میں پازیب پہنتی تھیں - عورت کو معاشرے میں ایک با عزت مقام حاصل تھا اور شریعت اسلامی کے احکام سے بھی عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی جاتی تھی -

اسلام نے جسمانی طہارت اور پاکیزگی پر بہت زور دیا ہے۔ اس لیے عباسی عہد میں گھروں اور شہروں میں حماموں کا رواج عام تھا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ بغداد کے شہر میں خلیفہ مقتدر کے زمانے میں ہزاروں حمام موجود تھے۔ عورتوں کے لیے ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر تھا۔ اس سے اس زمانے کے معاشرے کی نفاست اور پاکیزہ اطوار کا ثبوت ملتا ہے۔

عہد عباسی کے اقتصادی حالات

عباسی عہد میں زراعت نے بڑا فروغ پایا۔ عباسی خلفا کا دارالخلافہ بغداد عراق میں واقع تھا اور یہ وہ علاقہ ہے جو اپنی زمین کی زرخیزی کے لیے ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ عراق میں خلفا نے اپنی دانشمندی سے نہروں کا جال بچھا دیا تھا، جس سے ملک کی پیداوار میں بہت اضافہ ہوا۔ عراق میں بکثرت گندم، جو، چاول، کھجور، کپاس اور کتان پیدا ہوتا تھا۔ اسی طرح خراسان کا ملک بھی اپنی پیداوار کے لحاظ سے بڑی شہرت رکھتا تھا اور وہاں سے شاہی خزانہ کو خراج کی بہت بڑی رقم وصول ہوتی تھی۔ اسی طرح بخارا اور سمرقند کا درمیانی علاقہ جو سعد کے نام سے مشہور ہے اپنی شادابی اور زرخیزی میں ضرب المثل رہ چکا ہے، یہاں بھی بہت سی اقسام کے غلہ جات، ترکاریاں اور پھل پیدا ہوتے تھے جو دوسرے علاقوں میں بھی برآمد کیے جاتے تھے۔

عربوں نے بعض پودوں کی کاشت کو فروغ دے کر بہت سے ملکوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا مثلاً گنے اور کپاس کی کاشت کو مغرب کے بہت سے ملکوں میں پہنچایا ہے، چنانچہ شکر اور کپاس کے لیے یورپ کی زبانوں میں Sugar اور Cotton کے جو الفاظ مستعمل ہیں، وہ عربی سے ماخوذ ہیں اور ان سے ثابت ہوتا

ہے کہ یہ چیزیں وہاں مشرق سے گئی تھیں - یہی بات نارنگی پر صادق آتی ہے - نارنجی کا درخت بھی عربوں ہی کی طفیل مغربی ملکوں میں پہنچا تھا - اس کی کاشت کا رواج بحیرہ روم کے بہت سے ملکوں میں پایا جاتا تھا -

کھجور کے درختوں کو بھی عربوں نے دور دور کے ملکوں میں پہنچایا ، کھجور کے باغات جن کو نخلستان کہتے ہیں ، دیار عرب کے علاوہ بصرہ کے نواح یعنی دریائے دجلہ اور فرات کے کنارے بھی بکثرت پائے جاتے تھے - عربوں نے اس درخت کی کاشت کو بہت سے ملکوں میں رائج کیا ، یہاں تک کہ وہ اسے اپنے ساتھ اندلس تک لے گئے جہاں یہ درخت خوب پھلا پھولا چنانچہ آج کل بھی سپین اور پرتگال کے ساحلوں پر پایا جاتا ہے اور بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے -

عربوں نے زراعت اور باغبانی میں علمی لحاظ سے بھی دل چسپی لی اور اس مضمون پر مستقل کتابیں لکھیں ، جن میں ابن عوام کی کتاب الفلاحت اور ابن بیطار کی مفردات الادویہ زیادہ مشہور ہیں خاص کر ابن العوام کی تصنیف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کو کاشتکاری ، آبپاشی ، پیوند کاری اور کھاد کے استعمال کا عملی تجربہ تھا اور وہ اس تجربہ سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے -

صنعت و حرفت

عباسی عہد میں مسلمانوں کے ہاں بہت سی صنعتیں جاری تھیں اور وہ ملک و قوم کی خوشحالی کا موجب تھیں ، مثلاً پارچہ بافی قالین بافی ، آہنگری ، چوب کاری ، عطر سازی ، کاغذ سازی اور شیشہ گری وغیرہ -

پارچہ بافی کی صنعت بغداد کے علاوہ اور صوبوں میں بھی بڑی رونق پر تھی اور جوں جوں کپاس کی کاشت پھیلتی گئی ، پارچہ بافی

بھی ترقی کرتی گئی - سوتی اور اونی کپڑے اس مقدار میں تیار ہوتے تھے کہ بیرونی ملکوں میں بھی برآمد ہوتے تھے اور اچھے دام پاتے تھے ، اس لیے پارچہ بافی بڑی پر منفعت تھی - زربفت کی قسم کے پر تکلف اور بیش قیمت کپڑے بھی تیار ہوتے تھے اور بیرونی ملکوں کے بادشاہوں کو تحفہ کے طور پر بھیجے جاتے تھے اور قیمتی کپڑوں سے امرا اپنے مکانوں اور ایوانوں کو بھی آراستہ کرتے تھے -

قالین بنانے کا کام ایشیا میں قدیم زمانے سے چلا آیا ہے اور مسلم ممالک نے اس صنعت میں بڑا نام پیدا کیا ہے - یہ قالین اون ، کتان اور ریشم سبھی چیزوں سے تیار ہوتے تھے اور بڑے خوبصورت بنائے جاتے تھے - اگرچہ ملک و قوم پر بہت سے انقلاب آئے ، لیکن قالین بنانے کی صنعت بدستور جاری رہی اور رنگا رنگ کے خوبصورت قالین تیار ہوتے رہے -

لوہے کی صنعت بھی بہت سے صوبوں میں جاری تھی اور اس کے ذریعے بہت سی آہنی چیزیں تیار ہوتی تھیں جن میں تلواریں اور زرہیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں - یہ نہایت عمدہ اور مضبوط لوہے سے بنائی جاتی تھیں اور ہر جگہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں - شام اور دمشق کی تلواریں خاص طور پر مشہور تھیں -

عباسی عہد کی صنعتوں میں کاغذ سازی کی صنعت خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ اس کی ابتدا اسی عہد میں ہوئی تھی - تواریخ میں لکھا ہے کہ ایک ترک باغی حاکم کی مدد کے لیے چینی فوج آئی تھی ، لیکن سمرقند کے عرب گورنر نے ان کے مجموعی لشکر کو شکست دی اور ہزاروں چینیوں کو گرفتار کر کے سمرقند لے آیا

ان میں بعض چینی کاغذ بنانا جانتے تھے ، چنانچہ انھوں نے کاغذ سازی کو سمرقند میں جاری کیا ، یہاں تک کہ سمرقند کاغذ کے لیے مشہور ہو گیا اور وہاں کا کاغذ دور دور تک جانے لگا - بعد ازاں یہ صنعت سمرقند سے نکل کر دوسرے مسلم ممالک اور شہروں میں بھی جاری ہو گئی - یورپ والوں نے کاغذ بنانے کا فن مسلمانوں ہی سے سیکھا تھا ، جب کاغذ افراط سے ملنے لگا اور اس کا استعمال عام ہو گیا تو اس سے علوم و فنون کی اشاعت میں بڑی مدد ملی -

تجارت

تجارت اور سوداگری کو اسلامی معاشرے میں ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے - تجارت کے شرف کے لیے یہ بات کیا کم ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے تجارت کو ذریعۂ معاش بنایا اور اس سلسلہ میں مختلف مقامات کا سفر بھی اختیار کیا - صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک میں تجارت نے بھی بہت فروغ پایا اور ملک و قوم کی خوشحالی کا موجب بنی - عرب لوگ ظہور اسلام سے پہلے بھی دور دور کے ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے تھے وہ شام ، یمن اور حبشہ کے ساتھ تجارت کرتے تھے اور ان کے جہاز تجارت کا سامان لے کر برصغیر بلکہ چین تک جاتے تھے - مسلم عہد میں تجارت کی اور بھی گرم بازاری ہوئی اور مسلمانوں کے تجارتی قافلے دور دور تک سفر کرنے لگے - اسی دور میں بہت سی نئی نئی صنعتوں کا آغاز ہوا ، کاریگر ہر قسم کا مال تیار کرتے تھے - اس لیے تاجر اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے اور خوب نفع کماتے تھے - راستوں میں ان کو پوری سہولتیں حاصل تھیں اور وہ ان سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے - شاہراہوں پر سرائیں موجود تھیں جن میں تاجروں کے قافلے

ٹھہرتے تھے اور وہ بغیر کسی روک ٹوک کے ایک شہر سے دوسرے شہر تک سفر کر سکتے تھے۔

بغداد سے ایک تجارتی شاہراہ مشرق کی طرف جاتی تھی، جو دارالخلافہ کو خراسان، ترکستان اور چین سے ملاتی تھی۔ چین کا ریشم اس راستہ سے مسلم ممالک میں آتا تھا، لیکن ریگستان اور پہاڑوں کی وجہ سے یہ راستہ دشوار گزار تھا۔ اس لیے بحری سفر نے زیادہ مقبولیت حاصل کی اور ہندوستان اور چین کی تجارت کے لیے مسلمانوں نے بحری راستہ اختیار کیا۔ بحری سفر کے آغاز کے لیے بصرے کی بندرگاہ بہت موزوں تھی۔ مسلمان تاجر یہیں سے اپنا سمندری سفر شروع کرتے ہیں۔ ان کے مال برآمد میں حسب ذیل چیزیں شامل تھیں۔ شیشے کے ظروف، آہنی آلات، سوتی پارچہ جات، موتی، شکر اور کھجوریں۔ خلیج فارس سے نکل کر مسلمان تاجر ہندوستان کے مغربی ساحل یعنی مالابار پر پہنچتے تھے اور وہاں کی بندرگاہوں مثلاً کالی کٹ پر رکتے تھے۔ ان بندر گاہوں میں مسلمانوں کی خاصی بڑی آبادیاں تھیں۔ وہاں سے روانہ ہو کر یہ تاجر سیلون (سری لنکا) میں وارد ہوتے اور وہاں سے روانہ ہو کر ملایا، سماٹرا اور جاوا میں جا پہنچتے، جو بہت سے مسالہ جات کی پیداوار کے لیے مشہور تھے۔ پھر یہ لوگ چین کا رخ کرتے، اور وہاں کانٹن کے ساحلی شہر میں لنگر انداز ہوتے اور یہیں خرید و فروخت کر کے لوٹ آتے۔ واپسی پر اپنے ہمراہ وہاں کا ریشم، کاغذ، چینی ظروف، دار چینی اور چین کی مصنوعات لاتے تھے اور راستے میں جاوا میں کافور بسباسہ لونگ اور سیاہ مرچ خریدتے اور ملایا میں ساگوان کی لکڑی اپنے جہازوں میں بار کرتے۔ سیلون سے جواہرات اور مالا بار سے صندل، سیاح مرچ، ناریل، تمرہندی اور عود ہندی حاصل کرتے تھے۔

اس بین الاقوامی بحری تجارت نے بصرہ اور سیراف کے تاجروں کو بے انداز مالدار بنا دیا تھا۔

عباسی عہد کی علمی ترقی

عباسی خاندان کے خلفا بڑے علم دوست تھے اور علما و فضلا کے بڑے قدردان تھے اور اہل کمال کی دریا دلی سے سرپرستی کرتے تھے ۔ ان کے زمانے میں دینی اور دنیوی علوم نے بڑی ترقی کی ۔ علم حدیث ان ہی کے زمانے میں مدون ہوا ، چنانچہ امام مالک بن انس نے خلیفہ منصور کی فرمائش پر اپنی مشہور کتاب موطا تالیف کی جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال درج ہیں ۔ ان کے بعد بغداد میں امام احمد بن حنبل نے بھی حدیث کا ایک ضخیم مجموعہ مرتب کیا جو مسند امام احمد بن حنبل کے نام سے مشہور ہے ۔ اس کے بعد مشرقی مسلم ممالک کے علما نے علم حدیث کی خدمت پر کمر ہمت باندھی ۔ چنانچہ امام بخاری ، امام مسلم ، امام ترمذی ، امام نسائی ، امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی حدیث کے مجموعے تیار کیے ۔ یہ چھے کتابیں ''صحاح ستہ'' کہلاتی ہیں اور مستند تصور ہوتی ہیں ۔

سیرت کی بنیادی کتابیں بھی اسی عہد میں لکھی گئیں ، سیرت سے ہماری مراد رسول خدا کی سوانح حیات ہے ۔ محمد بن اسحاق خلیفہ منصور کا ہمعصر تھا ، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جامع سیرت لکھی جس پر بعد ازاں ابن ہشام نے نظرثانی کی ۔ یہ کتاب سیرت ابن ہشام کہلاتی ہے اور رسول خدا کے حالات میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے ۔ بعد کے مؤرخوں نے اسی سیرت سے خوشہ چینی کی ہے ۔ دوسری صدی ہجری کے ایک اور مشہور مؤرخ واقدی ہیں ۔ انھوں نے بھی ایک کتاب 'کتاب المغازی' کے نام سے لکھی تھی ، جس میں آنحضرت کی جنگوں کے حالات مندرج ہیں ۔ واقدی کے بعد محمد ابن سعد آئے ، جو ان کے شاگرد تھے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ان کے صحابہ کرام

کے حالات قلم بند کیے - یہ کتاب "طبقات ابن سعد" کے نام سے مشہور ہے -

قرآن مجید کی تشریح کو علم تفسیر کہتے ہیں - امام طبری نے قرآن پاک کی ایک مفصل تفسیر لکھی جو تیس جلدوں میں چھپ چکی ہے - اس تفسیر میں بیشتر اسلامی روایات پر اعتماد کیا گیا ہے - مفسرین میں امام زمخشری بھی ایک بلند مرتبہ رکھتے ہیں - قاضی بیضاوی کی تفسیر ایک حد تک اسی کی تفسیر کا خلاصہ ہے -

فقہ یعنی اسلامی قانون کے لحاظ سے اہل اسلام کے چار مذاہب ہیں - حنفی ، مالکی ، شافعی اور حنبلی ان چاروں مذاہب کی تشکیل بھی عباسی عہد میں ہوئی تھی - یہ مذاہب اپنے بانیوں کے نام سے موسوم ہیں -

فلسفہ و حکمت

عباسی عہد میں اہل اسلام قدیم یونان کے علوم سے آشنا ہوئے اگرچہ اس زمانے میں یونانیوں کی قدیم علم دوست قوم فنا ہو چکی تھی ، لیکن علمی دنیا میں ان کے علوم کا چرچا ابھی تک باقی تھا - عباسی خلفا نے یونانی زبانوں کے عالموں کی سرپرستی کی اور انھوں نے یونانی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا - ان تراجم کے ذریعے سے مسلمان قدیم یونانیوں کے فلسفہ و حکمت ، ریاضی ، علم الفلک ، علم طب اور کیمیا سے آشنا ہوئے - مسلمانوں نے ان علوم قدیمہ کو سیکھا اور بعد ازاں ان میں خود بھی قابل قدر اضافہ کیا - ترجمے کا یہ کام خلیفہ منصور کے عہد میں شروع ہوا - ابن البطریق نے منصور کے لیے بقراط اور جالینوس کی طبی کتابوں کو عربی کا لباس پہنایا - اسی طرح جورجس ابن بخت یشوع نے علم طب کی کئی کتابیں یونانی سے ترجمہ کیں - چنانچہ ان لوگوں کی کوششوں سے طبی کتابوں کا ایک خاصا بڑا ذخیرہ عربی زبان میں جمع ہو گیا -

تراجم کا یہ سلسلہ خلیفہ ہارون الرشید اور خلیفہ مامون کے زمانے میں اور بھی تیزی سے جاری رہا ۔ علمی تصانیف کا جو ذخیرہ فراہم ہو چکا تھا ، ہارون الرشید نے اسے ایک جگہ جمع کیا اور اس کا نام ''بیت الحکمت'' رکھا اور یوحنا بن ماسویہ کو جو ایک مشہور مترجم تھا ، اس بیت الحکمت کا ناظم مقرر کیا ۔

عباسی خلفا میں المامون سب سے زیادہ علم دوست اور صاحب فضیلت شمار ہوتا ہے ۔ اس نے بیت الحکمت کو اور وسعت دی اور علما کی سرپرستی کو شاہانہ پیمانے پر جاری رکھا ۔ اس نے رومی سلطنت سے یونانی زبان کی بہت سی کتابیں حاصل کیں اور فاضل آدمیوں کو ان کے ترجمہ پر مامور کیا ۔ اس کے عہد کے مترجموں میں حنین ابن اسحاق ، قسطا بن لوقا ، یعقوب کندی اور یوحنا ابن ماسویہ زیادہ مشہور ہیں جن کی کوششوں سے عربی زبان کا دامن بہت سے مفید علوم سے مالا مال ہوگیا ۔

علم طب

مسلمانوں کے ہاں علم طب کی بنیاد بقراط اور جالینوس کی طبی کتابوں کے ان تراجم سے پڑی جو عباسی عہد کی ابتدا ہی میں عربی زبان میں کیے گئے تھے ۔ عباسی عہد میں جن لوگوں نے علم طب میں نام پیدا کیا ، ان میں سے چند طبیبوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ۔
علی طبری ، ایرانی نسل کا ایک طبیب تھا ، جس نے علم طب پر ایک کتاب عربی میں 'فردوس الحکمت' کے نام سے لکھی ۔ اس کی بنیاد یونانی اور ہندی مصادر پر ہے ۔ محمد بن زکریا رازی جو شہر ''رے'' کا رہنے والا تھا اپنے زمانے کا بہترین طبیب شمار ہوتا ہے ۔ اس نے اس فن پر بہت سی کتابیں لکھیں چنانچہ الفہرست کے مؤلف ابن الندیم نے اس کی کتابوں کا ذکر کیا ہے ۔ اس کی سب سے مشہور اور ضخیم تالیف کتاب الحادی ہے ۔ اس کا ایک اور رسالہ بھی قابل ذکر

ہے ، جس میں الرازی نے چیچک کا ذکر کیا ہے اور یہ پہلا موقع ہے کہ طبی لٹریچر میں اس متعدی مرض کا ذکر آیا ہے - لیکن عالم اسلام میں اور عربی لٹریچر میں جو شہرت ابن سینا کو ایک طبیب کی حیثیت سے حاصل ہوئی وہ اور کسی کے حصے میں نہیں آئی -

ابن سینا فلسفی کے علاوہ ایک طبیب حاذق بھی تھا - اس نے طب پر القانون کے نام سے جو کتاب لکھی تھی ، وہ اپنے موضوع پر بہترین کتاب تسلیم کی گئی ہے اور نہ صرف مشرق میں مقبول رہی ہے بلکہ چار سو سال تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھی ایک درسی کتاب کی حیثیت سے رائج رہی ہے - یورپ کے علمی حلقوں میں الرازی اور ابن سینا کو جس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ، وہ اس امر سے ثابت ہے کہ پیرس یونیورسٹی کے میڈیکل سکول کے ہال میں ان دونوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں - القانون کی شہرت اور مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مضامین کی ترتیب بہت اچھی ہے اور نفسِ مضمون کو بڑی وضاحت اور سلاست کے ساتھ بیان کیا گیا ہے -

علم تاریخ

مسلمانوں کے ہاں تاریخ نویسی کی ابتدا سیرت نگاری سے ہوئی - یعنی اہل اسلام نے پہلے رسول خدا کے حالات قلم بند کیے اور اس سے تاریخ نویسی کی ابتدا ہوئی اور مسلمان مورخوں نے عمومی تاریخیں بھی لکھنی شروع کیں - امام طبری نے تیسری صدی ہجری میں دنیا کی ایک عام تاریخ لکھی اور زمانۂ قبل الاسلام کے علاوہ اسلامی تاریخ ۳۰۱ھ تک قلم بند کی - یہ تاریخ بڑی مفصل ہے - اگر امام طبری یہ تاریخ نہ لکھتے تو اسلام کی پہلی تین صدیوں کے متعلق ہمارا علم شاید ادھورا رہ جاتا - امام طبری کے بعد ابن اثیر قابل ذکر ہیں - جنھوں نے اپنی کتاب الکامل فی التاریخ میں ۶۲۸ھ تک کے حالات لکھے ہیں -

جہاں تک اسلام کی پہلی تین صدیوں کا تعلق ہے ابن اثیر نے تاریخ طبری کا خلاصہ کر لیا ہے اور بعد کے حالات اپنی تحقیق کی بنا پر لکھے ہیں۔

عہد عباسی کے دو اور مورخ مسعودی اور مسکویہ بھی قابل ذکر ہیں۔ ان کا زمانہ چوتھی صدی کا ہے۔ طبری اور ابن اثیر نے تاریخی واقعات کو سن وار لکھا ہے، لیکن مسعودی نے سنین کی ترتیب کو ترک کر کے تاریخی واقعات کو خاندانوں اور ملکوں کے اعتبار سے لکھا ہے۔ مسعودی نے بہت سے ملکوں کی سیاحت بھی کی تھی اس لیے اس نے قدیم لکھی ہوئی تاریخوں اور تحریروں کے علاوہ اپنے ذاتی مشاہدات اور فراہم کردہ معلومات سے بھی کام لیا ہے۔ مسکویہ وزیر ابن العمید کے کتب خانہ کا ناظم تھا، بعد ازاں بویہی حکمرانوں کے ہاں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا۔ اس نے تجارت الامم کے نام سے ایک عام کتاب لکھی جو طوفان نوح سے شروع ہوتی ہے اور ۳۶۹ھ ختم ہو جاتی ہے، مسکویہ کی طبیعت میں فلسفہ اور حکمت راسخ تھی اس لیے اس کی تاریخ میں ایک حکیمانہ اور فلسفیانہ انداز پایا جاتا ہے اور وہ واقعات کو خوب سوچ سمجھ کر لکھتا ہے اور حکمرانوں کے متعلق آزادی سے رائے دیتا ہے اور جانبداری سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ ان پر تنقید سے بھی گریز نہیں کرتا۔ غرض کہ مسکویہ کے حکیمانہ انداز، آزادی فکر اور زور کلام نے چوتھی صدی میں تاریخ نویسی کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔

علم جغرافیہ

بطلیموس یونانی نے دوسری صدی عیسوی میں دنیا کا ایک جغرافیہ لکھا تھا، جب یہ جغرافیہ عباسی عہد میں المجسطی کے نام سے عربی میں ترجمہ ہوا تو مسلمانوں کو بھی عام جغرافیہ کا شوق پیدا ہوا اور جغرافیہ نویسی کی ابتدا ہوئی۔

الخوارزمی نے صورۃ الارض کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے ساتھ ایک نقشہ بھی تھا جو خلیفہ المامون کی فرمائش پر بہت سے

علما کی مدد سے تیار ہوا تھا - بعد میں آنے والے مسلم مصنف مدت دراز تک الخوارزمی کا جغرافیہ استعمال کرتے رہے بعد ازاں کئی کتابیں المسالک و المسالک کے نام سے لکھی گئیں ، جن میں مملکت کی شاہراہوں کا خصوصی بیان تھا اور جو محکمہ برید یعنی ڈاک کے لیے بالخصوص مفید ثابت ہوئیں - اسی زمانہ میں ابن الفقہ ہمدانی نے کتاب البلدان لکھی جو جغرافیہ کی ایک خاصی جامع کتاب ہے اور جس سے بعد کے مصنفوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہے - اسی زمانہ میں ہمدانی نے "صفت جزیرہ العرب" کے نام سے ایک جغرافیہ لکھا ہے جس میں بلاد عرب کا خصوصی بیان ہے -

عربی زبان میں جغرافیہ کی سب سے مشہور اور مفید کتاب معجم البلدان ہے ، جسے یاقوت حموی نے تیرھویں صدی عیسوی میں شہر حلب میں مکمل کیا - یہ کتاب گویا جغرافیہ کی انسائیکلو پیڈیا ہے جس کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے اور جس میں تمام ملکوں اور شہروں کے جغرافیائی حالات مندرج ہیں - اس کے علاوہ ان کے بارے میں بہت سی تاریخی اور اقتصادی معلومات بھی شامل ہیں - یہ ضخیم کتاب یورپ اور مصر دونوں جگہ چھپ چکی ہے اور جب کبھی کسی مسلم ملک یا شہر کے متعلق جغرافیائی معلومات کی ضرورت پڑتی ہے تو محقق لوگ بالعموم یاقوت کی معجم البلدان ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں -

علم الفلک

علم الفلک کو عربی میں علم ہیئت بھی کہتے ہیں - عربوں کے ہاں اس کا مطالعہ سدھانتا کے ترجمے سے شروع ہوا جسے ہندی علما عباسی عہد میں بغداد میں لائے تھے اور جسے محمد الفزاری نے عربی میں منتقل کیا تھا - اس کے بعد عرب لوگ یونانیوں کے علم ہیئت سے بھی واقف ہوئے ، خصوصاً بطلیموس کی کتاب المجسطی کے ذریعے سے علم الفلک کے مطالعے کو تقویت ملی - خلیفہ مامون نے

بغداد میں "بیت الحکمت" قائم کیا اور اس کے ساتھ ہی شماسیہ دروازہ کے پاس ایک رصدگاہ بنائی ۔ اس رصدگاہ میں اجرام سماوی یعنی سورج چاند اور دیگر سیاروں کی حرکات کا مطالعہ ہوتا تھا اور بطلیموس کے بیانات پر نظر ثانی کی جاتی تھی ۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ مامون نے دمشق کے باہر بھی قاسیون کی پہاڑی پر ایک رصدگاہ بنائی تھی ۔ اجرام سماوی کی بلندی اور ان کی پوزیشن یعنی محل وقوع کا اندازا ایک آلہ کے ذریعے سے کرتے تھے جسے اصطرلاب کہتے تھے ۔ یہ ایک دائرہ کی شکل کا ہموار سطح کا آلہ تھا ، جس کے ذریعے سے ستاروں کا ارتفاع معلوم کرتے تھے ۔ مامون کے عہد میں ہئیت دانوں کی ایک جماعت بنجار کے میدان میں جمع ہوئی اور انھوں نے ایک درجہ عرضِ بلد کی پیمائش کرکے اندازا لگایا کہ کرۂ ارض کا دور ۲۴۰۰۰ میل ہے ۔

علم الفلک کے سلسلے میں ابوالریحان محمد البیرونی کا تذکرہ بھی ضروری ہے ، جو مسلمانوں کے ہاں ایک سائنس دان کی حیثیت سے بہت بلند مرتبہ رکھتا ہے ۔ وہ خیوا کے مضافات بیرون کا رہنے والا تھا ، اس لیے البیرونی کے نام سے مشہور ہے ۔

وہ غزنی کے دربار سے وابستہ تھا ۔ چنانچہ اس نے سلطان مسعود غزنی کے لیے ۱۰۳۰ء میں علم الفلک پر ایک جامع کتاب لکھی اور اپنے مربی کے نام پر اس کا عنوان "القانون المسعودی فی الھئیت و النجوم" رکھا ۔ یہ کتاب عربی میں ہے اور حیدرآباد دکن میں چھپ چکی ہے اور اپنے مصنف کے علم و فضل پر دلالت کرتی ہے ۔

سلجوقی سلطان جلال الدین ملک شاہ نے بھی نیشاپور میں ایک رصدگاہ بنائی اور مروجہ تقویم کی عمر خیام کے مشورہ سے اصلاح کی ۔ یہ نئی تقویم (کیلنڈر) تاریخ جلالی کے نام سے مشہور ہوئی ۔ عمر خیام ایک فارسی شاعر کی حیثیت سے مشہور ہے اور اس کی

رباعیات مشہور زمانہ ہیں لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑا حساب دان اور علم الفلک کا ماہر بھی تھا۔

اسلامی نظام تعلیم

مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوتی تھی اور بعض اوقات محلے کی مسجد ہی مکتب کا کام دیتی تھی۔ بچوں کی تعلیم، قرآن خوانی سے شروع ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ان کو لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا اور عربی گرائمر کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ پڑھنے کے لیے انبیا کے قصے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں دی جاتی تھیں اور ابتدائی حساب کے علاوہ ان کو عربی کے اشعار بھی سکھائے جاتے تھے۔ مکتب کے استاد کو معلم کہتے تھے اور بعض اوقات اسے فقیہ بھی کہتے تھے اور امرا اپنے بچوں کے لیے اتالیق یعنی ٹیوٹر رکھتے تھے جو مؤدب کہلاتے تھے۔ مکتب میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت تھی لیکن یہ اجازت صرف مکتب تک محدود تھی۔

مکتب کے بعد طالب علم اعلی تعلیم کے لیے مدارس میں داخل ہوتے تھے اور اس قسم کے مدارس ملک میں بکثرت تھے، جہاں عالم فاضل لوگ درس دیتے تھے۔ بعض مدارس بڑے اعلیٰ پیمانے پر قائم ہوئے تھے جیسا کہ بغداد کا مدرسہ نظامیہ جسے سلجوقی سلاطین کے وزیر نظام‌الملک نے جاری کیا تھا۔ یہ مدرسہ دریائے دجلہ کے کنارے تھا۔ اس کی تعمیر میں کئی سال صرف ہوئے تھے اور اس کے اخراجات کے لیے نظام الملک نے کئی گاؤں کی آمدنی وقف کر دی تھی اور درس و تدریس کے لیے اپنے زمانے کے بڑے جید عالم مقرر کیے تھے مثلاً امام غزالی اور ابو اسحاق شیرازی وغیرہ۔ یہ مدرسہ کئی سو سال تک علم کی روشنی پھیلاتا رہا اور بہت سے لوگ مثلاً شیخ سعدی، شیرازی وغیرہ وہاں سے دستار فضیلت پہن کر نکلے۔ نیشاپور اور اصفہان میں بھی ایسے ہی مدارس جاری کیے گئے۔

کچھ مدت کے بعد خلیفہ المستنصر نے بھی بغداد میں ایک اور مدرسہ اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا جو اپنے بانی کے نام پر مستنصریہ کہلایا - اس مدرسے کی عمارت کا کچھ حصہ ابھی تک باقی ہے - اس مدرسے کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا، جس میں نادر اور نفیس کتابیں جمع تھیں - ان مدارس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ نہ صرف استادوں کو تنخواہ سرکار کی طرف سے ملتی تھی بلکہ طالب علموں کے تمام اخراجات مدرسہ کی طرف سے ادا ہوتے تھے - اس نظام کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ کوئی جوہرِ قابل، زیورِ علم سے محروم نہیں رہتا تھا اور ہر ایک ہونہار طالب علم کی پیاس بجھا سکتا تھا - مستنصریہ کے ساتھ حمام اور شفاخانہ بھی تھا - اسلامی عہد میں تعلیم کے دو درجے تھے ایک ابتدائی اور دوسری اعلیٰ - ابتدائی تعلیم مکتب میں دی جاتی تھی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مدارس موجود تھے -

اسلامی کتب خانے

مسلمانوں نے عباسی عہد میں اپنی مملکت کے مختلف شہروں میں جو کتب خانے قائم کیے، وہ ان علما کے ذوق و شوق کا بین ثبوت پیش کرتے ہیں - پرہیزگار مسلمانوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ وہ مساجد کے لیے قرآن پاک کے نسخے اور دوسری دینی کتابیں وقف کرتے تھے - قرآن مجید کے نسخے تلاوت کے لیے رکھے جاتے تھے - بغداد کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی کتب خانے پائے جاتے تھے - مثلاً شہر موصل کے باشندوں نے اپنے شہر میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جہاں طالب علموں کو لکھنے کے لیے مفت کاغذ دیا جاتا تھا - اسی طرح بوہی حکمران عضداللہ نے شیراز میں ایک ''خزانۃ الکتب'' قائم کیا جس کی کتابیں صندوقوں میں محفوظ تھیں اور ان کی ایک فہرست بھی مرتب کی گئی اور کتب خانے کی نگرانی کے لیے خاص آدمی مقرر تھے - اسی طرح بصرہ میں ایک کتب خانہ تھا، جس کے بانی کی طرف سے وہاں تحقیق کرنے والے علما کے لیے وظائف مقرر تھے - مرو

کا شہر بھی اپنے وسیع کتب خانوں کے لیے مشہور تھا - چنانچہ یاقوت رومی لکھتا ہے کہ میں نے وہاں اپنی کتاب معجم البلدان کا مواد جمع کرنے میں تین سال گزارے تھے - بعض اوقات عام لوگ ان کتب خانوں میں باہمی ملاقات اور علمی گفتگو کے لیے بھی جمع ہوتے تھے -

عباسی عہد کا فنِ تعمیر

جب خلیفہ منصور نے بغداد کا شہر بسایا اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا تو اس نے اس میں اپنے لیے ایک محل بھی تعمیر کیا تھا جس کا نام "دارالخلد" تھا - اس کے علاوہ اپنے ولی عہد کے لیے دریائے دجلہ کے پار "رصافہ" کے نام سے ایک اور محل بنایا - اسی طرح برامکہ نے بھی اپنے لیے محلات تعمیر کیے - خلیفہ معتضد نے جو محل بنایا تھا وہ "الثریا" کے نام سے موسوم ہوا اور اس کے بیٹے مکتفی نے اس کے نزدیک جو محل تعمیر کیا وہ "التاج" کے نام سے مشہور ہوا - جب بویہی خاندان کا اقتدار قائم ہوا تو معزالدولہ نے دس لاکھ دینار کے صرفہ سے ایک عالی شان محل تیار کیا جو اس کے لقب کی مناسبت سے "المعزیہ" کہلایا ، لیکن دارالخلافہ میں وقتاً فوقتاً جو انقلابات آئے اور خصوصاً حملۂ تاتار میں شہر پر جو تباہی آئی ، اس سے ان محلات کا نام و نشان ایسا مٹا کہ اب ان کے محل وقوع کا اندازا لگانا بھی مشکل ہے اور اس عہد کے فن تعمیر کی خصوصیات کا دریافت کرنا محال ہے -

جب عباسی خلفا نے بغداد چھوڑ کر سامرا میں سکونت اختیار کی تو انھوں نے وہاں بھی اپنے لیے ایک شاہانہ محل بنایا جو "الجوسق الخاقانی" کے نام سے مشہور ہوا - اس کے علاوہ انھوں نے وہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی جس کا مینار اور شکستہ دیواریں اب تک اس کی گذشتہ شان و شوکت کی یاد تازہ کر رہی ہیں -

فن مصوری

خلیفہ معتصم نے سامرا میں جو محل تعمیر کیا ، اس کی دیواریں انسانوں اور شکار گاہوں کی تصویروں سے آراستہ تھیں ، جو غالباً عیسائی نقاشوں نے بنائی تھیں ۔ اسی طرح خلیفہ متوکل نے اپنے محل کی آرائش میں رومی مصوروں سے بھی کام لیا اور انھوں نے محلِ خلافت کی دیواروں کو تصاویر سے آراستہ کیا ۔

اہلِ اسلام نے رفتہ رفتہ قلمی کتابوں کو بھی مصور کرنا شروع کر دیا ۔ چنانچہ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مقامات حریری ، کلیلہ و دمنہ اور شاہنامہ کے بہت سے ایسے نسخے پائے جاتے ہیں ، جو رنگدار تصاویر سے مزین ہیں اور فن مصوری کے ماہر ان میں بڑی دلچسپی لیتے اور ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ لیکن مسلمان عوام نے فن مصوری میں کسی خاص دلچسپی کا اظہار نہیں کیا اس لیے اس فن نے مسلمانوں کے ہاں کوئی خاص ترقی نہیں کی کیونکہ سوائے چند ایک سلاطین کے عام لوگوں نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی ۔

فن خطاطی

مسلمانوں میں علمی ذوق کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے نہ صرف خطاطی میں دلچسپی لی ہے ، بلکہ اسے ایک فن کی حیثیت سے درجۂ کمال تک پہنچایا ہے ۔ خلیفہ مامون کے عہد کا ایک مشہور خطاط ریحانی تھا ، جس کا طرزِ کتابت خطِ ریحانی کہلاتا ہے ۔ ابن مقلہ ، عباسی خلفا کا ایک مشہور وزیر تھا ، وہ اپنی خوش خطی کے لیے ضرب المثل ہے ۔ ابن البواب بھی عباسی عہد کا ایک ممتاز خطاط گزرا ہے ، جو خط محقق کا موجد تھا ۔ عباسی عہد کے آخری دور میں یاقوت مستعصمی نے بڑی شہرت پائی ، وہ آخری عباسی خلیفہ مستعصم کا درباری خطاط تھا اس لیے اسے یاقوت

مستعصمی کہتے ہیں - عباسی دور کے بعد بھی فن خطاطی کی ترقی برابر جاری رہی اور مسلمانوں کے ہاں بڑے بڑے خطاط پیدا ہوئے - چنانچہ قاہرہ ، دمشق ، بیروت اور استنبول خطاطی کے بڑے مرکز چلے آئے ہیں - بعض مسلمان سلاطین نے بھی اس فن میں خاص ذاتی دلچسپی کا ثبوت دیا ہے ، چنانچہ تواریخ میں لکھا ہے کہ سلطان ناصر الدین اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھا کرتے تھے -

عباسی عہد کے متعلق امتحانی سوالات

(۱) اموی اور عباسی زمانوں کا آپس میں اس طرح مقابلہ کیجیے جس سے ان کی امتیازی خصوصیات واضح ہو جائیں -

(۲) خلیفہ منصور ہی عباسی خاندان کا حقیقی بانی تھا - اس مقولہ پر تاریخ کی روشنی میں مدلل بحث کیجیے -

(۳) بغداد کی تعمیر ، اس کے محل وقوع کی مناسبت اور اس کی تمدنی اہمیت پر تفصیلی بحث کیجیے -

(۴) خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کے اہم واقعات قلم بند کیجیے -

(۵) خلیفہ مامون کی علمی سرپرستی کی کیفیت بیان کیجیے -

(۶) برامکہ کی سیاسی اور علمی خدمات کو بیان کیجیے اور ان کے زوال کے اسباب پر روشنی ڈالیے -

(۷) ترک لوگ اسلامی فوج میں کب اور کیسے داخل ہوئے اور ان کی بھرتی سے کیا نتائج برآمد ہوئے -

(۸) مندرجہ ذیل عنوانوں پر نوٹ لکھیے :
سامرا ، بیت الحکمت ، معتزلہ -

(۹) خاندان بویہ کے حکمرانوں کی ابتدا کیسے ہوئی ؟ اور ان کی مذہبی روش کے نتائج سے بحث کیجیے -

(۱۰) سلاجقہ کو تاریخ اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کے وجوہ بیان کیجیے ۔

(۱۱) جنگ ملاز گرد کی کیفیت بیان کیجیے ۔

(۱۲) نظام الملک طوسی کی سیاسی اور علمی خدمات کو بیان کیجیے ۔

(۱۳) مدرسہ نظامیہ بغدادیہ کا بانی کون تھا ۔ اس کی تعلیمی اور علمی اہمیت پر روشنی ڈالیے ۔

(۱۴) صلیبی جنگوں سے کیا مراد ہے ؟ ان کے اسباب و نتائج بیان کیجیے ۔

(۱۵) تاتاریوں کے حملوں سے مسلم ممالک میں جو حالات رونما ہوئے انھیں وضاحت سے بیان کیجیے ۔

(۱۶) سلطان صلاح الدین کے حالات زندگی لکھیے اور اس نے صلیبی جنگوں میں جو حصہ لیا تھا اس پر روشنی ڈالیے ۔

(۱۷) عباسی عہد کے نظام حکومت کا تفصیل سے جائزہ لیجیے ۔

(۱۸) عباسی عہد کے فوجی نظام کی کیفیت قلم بند کیجیے ۔

(۱۹) عباسی عہد کی علمی ترقی پر روشنی ڈالیے ۔

(۲۰) مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے :
الپ ارسلان ، محکمہ برید ، حسن بن صباح ، چنگیز خاں ، ہلاکو خاں ، البیرونی ، ابن سینا ۔

تیار کردہ پنجاب ٹیکسٹ بک لاہور و منظور کردہ

بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن لاہور، ملتان و سرگودھا

نویں دسویں جماعتوں کے لیے بطور واحد نصابی کتاب

تاریخ اشاعت : اپریل ۱۹۷۵

ایڈیشن : اوّل

تعداد : ۲۰۰۰

قیمت : 6.55

پبلشرز کوڈ نمبر جی ۱۶۴

سیریل نمبر ——————